علامہ رحمۃ اللہ علیہ

مولانا نقی علی خاں

حیات اور علمی و ادبی کارنامے

پی ایچ۔ڈی، مقالہ

ڈاکٹر محمد حسن

ایم۔اے اردو، پولیٹیکل سائنس
پی ایچ۔ڈی،





ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، انٹرنیشنل، کراچی



وارثِ علومِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

نبیرۂ حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ جانشین مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہند

جگر گوشہ مفسر اعظم رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام والمسلمین قاضی القضاۃ تاج الشریعہ

مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری رحمۃ اللہ علیہ

اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے دیگر علمائے کرام
کی تصنیفات اور حیات وخدمات کے مطالعہ
کے لئے وزٹ کریں

www.muftiakhtarrazakhan.com

علامہ مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمۃ

حیات اور علمی و ادبی کارنامے

ڈاکٹر محمد حسن قادری

ایم۔اے (اردو، پولیٹیکل سائنس)

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹر نیشنل (رجسٹرڈ) کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان

www.imamahmadraza.net

نام کتاب : علامہ مولانا نقی علی خاں؛ حیات اور علمی و ادبی کارنامے (پی ایچ۔ڈی مقالہ)

مصنف : ڈاکٹر محمد حسن قادری

تقدیم : صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

پیش لفظ : ڈاکٹر محمد حسن قادری

نگران کمپوزنگ و گرافکس : راؤ سلطان مجاہد رضا

کمپوزنگ و گرافکس : ریاض شاہد

صفحات : 225

تعداد : 1100

سن اشاعت : ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء

تقریب : امام احمد رضا سلور جوبلی انٹرنیشنل کانفرنس ۲۰۰۵ء

ناشر : ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی

ہدیہ : [redacted] 1-/160

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل (رجسٹرڈ) اسلامی جمہوریہ پاکستان

25/جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل) صدر، کراچی پوسٹ بکس نمبر 489، (74400)

فون: 021-2725150 فیکس: 021-2732369، ای میل: marifraza@hotmail.com

Web Site : www.imamahmadraza.net

ترتیب

کچھ مصنف کے بارے میں......

نام: ڈاکٹر محمد حسن قادری

والد: مولانا طفیل احمد مرحوم

خاندانی حالات: آپ کے جد امجد کا تعلق سرزمین عرب سے ہے۔ عارف باللہ نام کے ایک بزرگ عرب سے کشمیر آکر آباد ہو گئے۔ انکی اولاد میں آپ کے دادا حضرت خواجہ احمد اور آپ کے والد مولانا طفیل احمد مرحوم تھے آپ کے دادا چار سال کی عمر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے بیعت ہوئے تھے۔ انتہائی متقی پرہیزگار عابد شب بیدار بزرگ تھے۔ محکمہ ریلوے میں ذمہ دار عہدہ پر فائز تھے۔

آپ کی والدہ کا نام زبیدہ خاتون ہے آپ کے نانا مرزا مولانا جان بیگ اپنے زمانے کے جید علماء میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کے پرنانا مطیع اللہ بیگ تھے جو امام احمد رضا کے استاذ مولانا غلام قادر بیگ کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔ اس طرح آپ کی والدہ مرزا مولانا غلام قادر بیگ کی پوتی اور آپ ان کے پرنواسہ ہوئے۔
''حیات مفتی اعظم'' کے مصنف/مولف مرزا عبدالوحید بیگ مرحوم آپ کے سگے ماموں تھے۔

تعلیمی پس منظر: آپ نے آگرہ یونیورسٹی سے گریجویشن کیا۔ روہیل کھنڈ یونیورسٹی سے اردو اور پولیٹیکل سائنس میں ایم اے کیا۔ ہندی ساہتیہ سمیلن پریاگ (الہ آباد) سے ساہتیہ رتن کیا۔ جامعہ اردو علیگڑھ سے ادیب کامل کیا۔ ۱۹۹۸ء میں بریلی کالج بریلی کے شعبہ اردو کے پروفیسر ڈاکٹر نواب حسن خاں نظامی صاحب کی زیر نگرانی روہیلکھنڈ یونیوسٹی سے ''مولانا نقی علی خاں حیات اور علمی کارنامے'' کے عنوان سے Ph.D کی ڈگری حاصل کی۔

صحافت: روزنامہ راشٹریہ سہارا، نئی دہلی۔ ہفتہ وار ''نئی دنیا'' دہلی، ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف، سہ ماہی افکار رضا ممبئی۔ تجلیات رضا، بریلی شریف اور ہندوستان کے دیگر بڑے جرائد ورسائل میں اسلامی موضوعات پر آپ کے مقالات ومضامین باقاعدگی سے شائع ہوتے رہتے ہیں۔

مشغلہ: اس وقت بریلی شریف میں ایک بڑے سرکاری تعلیمی ادارے میں درس وتدریس کے شعبہ سے وابستہ ہیں۔

تقدیم

اسلام کی نظر میں علم اور اہل علم کا بڑا مرتبہ ہے۔ قرآن کریم میں بار بار علم کی فضیلت و اہمیت کو نہایت دلکش پیراؤں میں پیش کیا گیا ہے اور تحصیل علم و تعظیم علماء پر انسانوں کو راغب کیا گیا ہے۔

کائنات کے انسان اوّل حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بھی علم ہی کی فضیلت و برتری کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت "علیم" بھی ہے۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشادِ ربانی " وَ عَلَّمَ آدَمَ الاسماء کلها ثم عرضهم علی الملئکة فقال انبئو نی باسماء هؤلاء ان کنتم تعلمو ن " کی بدولت فرشتوں پر فضیلت ملی اور اسی سے یہ بھی عقدہ کھلا کہ خلافت الٰہی کے لئے علم و حکمت اصلی شرط ہے۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام انسان کامل ہوتے ہیں اور خاتم النبیین، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اکمل الکملاء، افضل الانبیاء، اَعْلَمُ الکائنات اور عالم ما کان وما یکون ہیں لیکن پھر بھی یہ ارشاد خداوندی فراوانی علم کی ہمیشہ دعا کرتے ہیں: " ربّ زدنی علماً " ۔ آپ کا ارشاد ہے کہ "میرے جانشینوں پر کثرت سے خدا کی رحمت جو میری سنتوں سے محبت کرتے ہیں (ان کا علم حاصل کرتے ہیں) اور بندگان خدا کو اس کی تعلیم دیتے ہیں (مفہوم) ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ: ہماری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مثل ہیں (علم نافع کے حصول اس پر عمل پیرا ہونے اور اس کی ترویج و اشاعت کے شوق کی بنا پر) (مفہوم) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اور اپنے رسول مکرم و اکرم ﷺ کی طرح ان کی بھی اطاعت واجب فرمائی ہے۔

"اطیعوا اللّٰہ و اطیعو الرسول و اولی الا مر منکم۔"

ان ارشاداتِ عالیہ کے بموجب ہر دور میں سید عالم ﷺ کے جانشین رہے ہیں اور صبح قیامت تک ہوتے رہیں گے۔

برعظیم پاک و ہند میں سلطنتِ اسلامیہ کے آخری دور میں جو چند نامور وارثان علوم مصطفیٰ ﷺ گذرے ہیں مثلاً حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی حضرت شاہ فضل رسول عثمانی بدایونی رحمہم اللہ ان میں امام الاتقیاء حضرت علامہ مولانا نقی علی خاں (۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء......۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) ابن علامہ رضا علی خاں بریلوی (۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء......۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء) اور ان کے نامور صاحبزادے اعلیحضرت علامہ امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہم اللہ کی شخصیت بھی خاص امتیازی شان کی حامل ہے۔

حضرت علامہ مولانا نقی علی خاں دراصل اپنے دور کے اعلیحضرت تھے۔ آپ ۳۰ رجمادی الآخر یکم رجب ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء کو بریلی کے محلہ ذخیرہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد امام العلماء علامہ مولانا رضا علی خاں سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل و تکمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے جو فہم و ذکا، دقت نظری، صلابت رائے، علوم اسلامیہ نقلیہ و عقلیہ میں دسترس اور استحضار علمی ان کو مرحمت فرمائی تھی اس کی مثال ان کے معاصرین میں نظر نہیں آتی۔

اعلیحضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ (۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء......۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) نے اپنی تصنیف الاجازة الرضويه لمبجل مكة البهية میں (ص ۳۰۱ پر) ۲۱ علوم وفنون کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے اپنے والد ماجد علامہ نقی علی خاں سے حاصل کئے۔

علامہ نقی علی خاں کے متعلق علماء نے تحریر کیا ہے کہ آپ عقلِ معاد اور عقلِ معاش دونوں کے جامع تھے۔

آپ کے مختصر حالات زندگی اعلیحضرت محدث بریلوی علیہ الرحمۃ نے علامہ نقی علی خاں کی تصنیف ''جواھر البیان فی اسرار الارکان'' کے مقدمے میں نقل فرمائے ہیں اس کا ایک اقتباس قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔ جس سے ان کی عبقریت کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے۔

''جودتِ انظار' وحدتِ افکار' حضرتِ جل وعلا نے انہیں عطا فرمائی' ان دیار وامصار میں اس کی نظیر نظر نہ آئی' عقلِ معاد ومعاش دونوں کا بروجہ کمال اجتماع بہت کم سنا' یہاں آنکھوں سے دیکھا............اس ذات گرامی کو خالق عزوجل نے سلطان رسالت علیہ افضل الصلوۃ والتحیہ کی غلامی وخدمت اور حضور اقدس ﷺ کے اعداء پر غلظت وشدت کے لئے بنایا تھا''۔

حافظ الملک حافظ رحمت خاں بہادر کے نبیرہ نواب نیاز احمد خاں ہوش فرماتے ہیں:

''اکثر اشخاص کو تعلیم کا شوق دلاتے ہیں' اپنا وقت دینیات کے پڑھانے میں بہت صرف کرتے ہیں' ہنگام کلام علوم کا دریا بہہ جاتا ہے۔ 'العالم اذا تكلم فهو بحر يموج' کا مضمون انہی کی ذات پر صادق آتا ہے۔ سخاوت ومروت شجاعت وعلو ہمتی آپ کی شخصیت کی امتیازی خصوصیات تھیں۔ آپ غریبوں کے غمخوار اور امراء و رؤسا سے کنارہ کش تھے''۔

آپ نے اپنے فرزند ارجمند اعلیحضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے ساتھ ۵ رجمادی الاول ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء کو مارھرہ (ضلع ایٹہ یوپی انڈیا) میں حضرت آلِ رسول احمدی (م ۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء) سے شرف بیعت وخلافت حاصل کی۔ شدید علالت کے باوجود ۲۶ رشوال ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء کو حج بیت اللہ شریف اور زیارت روضہ رسول مقبول ﷺ کیلئے امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے ہمرکاب روانہ ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں سید احمد زین دحلان مکی سے م ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء سے مکرر سند اجازت حدیث لی ۳۰، ذیقعدہ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء کو بعمر ۵۱ سال وصال فرمایا اور شب جمعہ والد ماجد علامہ مولانا رضا علی خاں کے پہلو میں دفن ہوئے، آخری کلمہ ''اللہ'' ارشاد فرمایا اور آخری تحریر ''بسم اللہ الرحمٰن'' یادگار چھوڑی۔

آپ کثیر التصانیف بزرگ تھے، امام احمد رضا فاضل بریلوی نے آپ کی ۲۵ سے زیادہ کتب کا ذکر کیا ہے، آپ کی وہ تصانیف جو زیور طباعت سے آراستہ ہوسکیں ان میں ''سرور القلوب فی ذکر المحبوب'' اور ''الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح'' نے زیادہ شہرت پائی۔ ۱۸۵۷ء میں اسلامی سلطنت کے قیام اور انگریزوں کو ھندوستان سے دلیس نکالا

کرنے کے لئے مجاہدین اسلام علماء کی جو کمیٹی بنی تھی، آپ اس کے فعال رکن تھے انگریزوں کے خلاف مجاہدین جنگ آزادی کو مقررہ مقام پر اسلحہ خوراک اور گھوڑے وغیرہ پہنچانے کی جو ذمہ داری آپ کے سپرد تھی آپ نے بڑی ذمہ داری اور حسن وخوبی کے ساتھ اسے انجام دیا۔ آپ جہاں اچھے مقرر اور اچھے مصنف تھے وہیں بہت زیرک مدرس بھی تھے لیکن افسوس کے آپ کے تلامذہ کی فہرست مرتب نہ ہوسکی البتہ آپ کے اپنے فرزند ارجمند اعلیٰحضرت امام احمد رضا محدث بریلوی اور مولانا حسن رضا حسن بریلوی علیہما الرحمۃ کی شخصیت ہزاروں شاگردوں کی فہرست پر بھاری ہے ایک روایت کے مطابق (غالباً شیخ الحدیث علامہ تقدس علی خاں علیہ الرحمۃ نے راقم سے کہی تھی) راقم کے جدِّ امجد حضرت علامہ مولانا سید ہدایت رسول قادری نوری برکاتی علیہ الرحمۃ نے بھی رئیس الاتقیاء علامہ نقی علی خاں قدس سرہٗ کے حضور زانوئے ادب تہہ کیا تھا اور شرفِ شاگردی سے مشرف ہوئے تھے۔

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنے والدِ ماجد کی ولادت اور وصال دونوں کے تاریخی مادّے استخراج کئے تھے جو زیرِ نظر مقالہ اور دیگر کتب میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

الحاصل یہ ہے کہ علامہ نقی علی خاں کی ہمہ جہت شخصیت اپنے عہد کی ایک نابالغۂ روزگار ہستی تھی، علوم نقلیہ وعقلیہ کی کثیر فروع پر آپ کو عبور حاصل تھا' امام احمد رضا فاضلِ بریلوی کے علمی دینی وملی کارناموں کے سامنے ان کی شخصیت پردۂ خفا میں جا چھپی تھی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی محقق اس نابالغۂ عصر شخصیت کے علمی اور ادبی کارناموں کو اپنے قرطاس وقلم کا موضوع بناتا تاکہ اربابِ علم وفن کو اس سے استفادہ کا موقع ملتا۔ یہ امر قابلِ مسرت ہے کہ صاحب تذکرہ ہی کے ایک ہم وطن محترم ڈاکٹر محمد حسن قادری بریلوی نے ان کے علمی وادبی کارناموں پر بریلی شریف ہی کی یونیورسٹی (روہیل کھنڈ یونیورسٹی) سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی۔ اور علمائے اہلسنت کی طرف سے فرضِ کفایہ ادا کیا۔

علامہ نقی علی خاں پر ابتک بہت کم لکھا گیا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہی تھی کہ ان کے صاحبزادۂ ذی وقار مولانا محمد احمد رضا خاں حنفی قادری برکاتی جو اپنے وسعتِ علمی، تجر اور ذکاوت کی بنا پر اپنے دور کے ''اعلیحضرت'' اور ''امام'' قرار پائے' ان کی فتوحاتِ علمی کی طرف اہلِ علم اس تیزی سے متوجہ ہوئے کہ ان کے والد ماجد کی علمی شخصیت اور کارنامے فروگذاشت ہوکر پس منظر میں چلے گئے۔ ابتک جو کچھ بھی لکھا جاچکا ہے۔ اسمیں مولانا شہاب الدین رضوی صاحب کا مقالہ ''مولانا نقی علی خاں'' زیادہ جامع ہے اس میں علامہ کی شخصیت اور کارناموں کا اجمالی ذکر ہے جبکہ علامہ موصوف کے علمی قد وقامت کو دیکھتے ہوئے یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ ان کی ہمہ جہت شخصیت کے متعدد پہلوؤں پر بے شمار پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالات لکھے جاسکتے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد حسن بریلوی صاحب قابلِ مبارکباد ہیں کہ انہوں نے پیش قدمی کی اور ''شہر خوباں'' کے باسیوں پر بے اعتنائی کا جو

داغ تھا اسے دھو ڈالا اس اعتبار سے ان کے اس تحقیقی مقالے کی ایک تاریخی اہمیت ہے اور وہ ہے ان کی "اوّلیت"۔

ڈاکٹر صاحب اردو اور پولیٹیکل سائنس میں ام۔اے ہیں۔ادب وسیاست دنوں پر ان کی گہری نظر ہے۔انہوں نے اپنے مقالے کو چھ ابواب پر تقسیم کیا ہے، باب پنجم میں ہم عصر اردو انشاء پردازوں سے علامہ نقی علی خاں کی طرز نگارش کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے اور آخر میں ماحصل کے عنوان سے علامہ کی شخصیت اور انشاء پردازی کا ایک محاکمہ پیش کیا ہے۔ جو اردو ادب کے انشاء پردازوں اور ناقدین کے لئے دعوتِ فکر وتحریر ہے۔

مولانا نقی علی خان کی طرز تحریر پر ناقدانہ انداز میں نگاہ ڈالتے ہوئے ڈاکٹر صاحب تحریر کرتے ہیں:

"مولانا نقی علی خاں دینیات کے عالم تھے۔آپ عربی، فارسی کے ماہر تھے آپ کے گھر کا ماحول ایسا تھا جہاں عربی فارسی مادری زبان کی طرح تھی' جن میں صنائع بدائع کا استعمال بھی عام تھا' انداز (تحریر) پر تکلف تھا۔گرد وپیش کی فضا علمی ودینی سرگرمیوں سے معمور تھی۔ان حالات میں مروّجہ تحریر سے الگ جدید طرز اختیار کرنا ناگزیر تھا لیکن آپ نے اپنی تصنیفات میں عربی، فارسی کے الفاظ اس خوبی سے استعمال کئے کہ آپ کی نثر ادق ہونے کے باوجود پرزور اور پرتاثیر ہوگئی ہے۔

اس ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ ایک باکمال ادیب، صاحبِ طرز مصنف اور ایک ممتاز عالم دین تھے۔ نثر سادہ سلیس میں بھی آپ نے اپنی بات کو انتہائی لطافت اور موثر ڈھنگ سے بیان کیا ہے۔آپ کی تصانیف میں سادگی اور متانت بلا کی پائی جاتی ہے۔اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے جوبات کہی دلائل وبراھین کے ساتھ قرآن وحدیث کی روشنی میں کہی"۔

اس سے مقالے کی تاریخی اور ادبی اہمیت کے پیش نظر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، پاکستان اس کو کتابی صورت میں شائع کر رہا ہے۔اُمید ہے اہل فکر ونظر اس کے مطالعے کے بعد علامہ مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمۃ کی ہمہ جہت شخصیت کے دیگر پہلوؤں پر بھی پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ تحریر کرنے کی سعی فرمائیں گے۔

راقم جب ۲۰۰۱ء میں منظر اسلام کے سو سالہ جشن تاسیس کے موقعہ پر بریلی شریف حاضر ہوا تھا تو ڈاکٹر محمد حسن قادری بریلوی زید مجدہ سے ملاقاتِ شرف ملا۔ڈاکٹر صاحب نے نہایت محبت اور خلوص کا اظہار فرمایا اور انہوں نے اپنی پی ایچ۔ڈی کے مقالے کی ایک فوٹو کاپی ادارے کی لائبریری کے لئے عنایت فرماتے ہوئے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ کاش کوئی ادارہ اسے شائع کر دے راقم نے بشرط استطاعت ووسائل وعدہ فرمایا تھا' اس دوران اس کے اسباب پیدا نہ ہو سکے لیکن بقول اعلیحضرت "ہر کام کا ایک وقت ہے رضا" اب بحمد للہ امام احمد رضا سلور جوبلی کانفرنس کے تاریخی ساز موقع پر ڈاکٹر صاحب کی یہ قلمی کاوش کتابی صورت میں سامنے آرہی ہے۔ ہر چند کہ اس کی کمپوزنگ وطباعت میں حتی المقدور احتیاط برتی گئی ہے لیکن پھر بھی غلطی کا امکان

موجود ہے۔لہذا قارئین کرام سنجیدہ پیرائے میں ہمیں فروگذاشت سے آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کا تدارک ہو سکے۔

اُمید ہے یہ علمی اور ادبی حلقوں کے لئے "رضویات" پر کام کرنے والوں کے لئے ایک نیا اضافہ ثابت ہوگی اور اس کے مطالعہ سے صاحب تذکرہ پر تحقیق کے نئے زاویے سامنے آئیں گے۔

زیر نظر مقالہ کے نگراں پروفیسر ڈاکٹر نواب حسین خاں نظامی صاحب خصوصی طور پر ہم سب کی مبارک باد اور شکریہ کے مستحق ہیں کہ جن کی ہمہ وقت نگرانی اور رہبری و رہنمائی نے امام الاتقیاء علامہ نقی علی خاں قدس سرہ کی شخصیت اور علمی و ادبی خدمات پر تحقیقی اور تصنیفی کام کو آسان سے آسان تر بنا دیا اس کے علاوہ ادارہ برائے فروغ اسلامک آرٹ اینڈ سائنس بریلی شریف کے کارپردازان و اراکین خصوصاً محبی و عزیزی محمد اقبال احمد خاں نوری اور سید مرتضی علی حفظہما اللہ الباری بھی لائق صد شکریہ ہیں کہ جن کے بے لوث تعاون سے محقق موصوف کو ماخذ و مواد کی فراہمی میں آسانی ہوئی' اور راقم بھی ان حضرات کا خصوصی طور پر ممنون ہے کہ ان ہی کہ وسیلہ سے ڈاکٹر صاحب سے ہماری ملاقات ہو سکی اور مقالہ کی نقل فراہم ہوئی۔ ورنہ اس سے قبل راقم کے علم میں بھی نہ تھا کہ علامہ مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمۃ پر پی ایچ۔ ڈی ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور امام احمد رضا اور ان کے صاحبزادگان، خلفاء و تلامذہ اور علمائے اہلسنت پر مزید تحقیقی اور تصنیفی کام کرنے کی ہمت و صلاحیت اور وسیلہ عطا فرمائے۔ (آمین)

آخر میں اپنے کرم فرما اور محبین محترم راؤ سلطان مجاہد رضا قادری سول انجینئر' اور جناب محترم ریاض شاہد قادری حفظہما اللہ الباری (لائبریری فکر اعلیحضرت راؤ ایسوشیٹ' عزیز کیمسٹ کارنر ہسپتال بازار اوکاڑہ) کا اگر شکریہ نہ ادا کیا جائے تو ناسپاسی ہوگی کہ جنہوں نے اور جن کی ٹیم نے نہایت خلوص و محبت کے ساتھ اس مقالہ کی کمپوزنگ پروف ریڈنگ، ٹریسنگ تک کی خدمات فی سبیل اللہ انجام دیں اور ہمارے دست و بازو بنے۔ فجزا ھم اللہ احسن الجزاء ہم ان تمام محبین ادارہ کے بھی ممنون ہیں جنہوں نے نشر و اشاعت و طباعت کتب اور انعقاد امام احمد رضا کانفرنس کے لئے مالی تعاون کیا اور مفید مشوروں اور تجاویز سے بھی ہماری مدد فرمائی خصوصاً محترم حاجی رفیق برکاتی صاحب، حاجی مجید برکاتی صاحب' محترم حاجی شیخ نثار احمد صاحب' محترم وسیم سہروردی صاحب، محترم سہیل سہروردی صاحب، محترم ادریس سہروردی صاحب اور دیگر بہت سے حضرات گرامی' اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے (آمین) وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سیدنا و مولانا محمد و علی اله و صحبه و علماء ملته اجمعین و بارك و سلم۔

سید وجاہت رسول قادری

۱۱ر مارچ ۲۰۰۵ء۔ کراچی

پیش لفظ

بریلی کے علمی وادبی افق پر بہت سے چاند تارے کہکشاں بن کر چمکے جن کی کرنوں نے علم وادب کے ہر گوشہ کو روشن و تابناک کیا اور پورے عالم کو اپنی جلوہ ریزیوں سے فیضیاب کیا۔ ایسی ہی ہستیوں میں ایک علامہ مولانا نقی علی خاں بریلوی بھی ہیں۔ مولانا نقی علی خاں اپنے عہد کے ایک ممتاز عالم دین، صاحب طرز ادیب وانشاء پرداز تھے۔ آپ نے ادبی و مذہبی دونوں خدمات انجام دیں لیکن مذہبی خدمات زیادہ غالب رہیں جس کی وجہ سے آپ کی ادبی شخصیت دب کر رہ گئی۔ بحیثیت ادیب آپ نے زبان وبیان اور علم وادب کی جو خدمات انجام دیں وہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

آج کی دنیا علامہ مولانا نقی علی خاں کو صرف ایک عالم دین کی حیثیت سے جانتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب تصانیف کثیرہ اور اپنے عہد کے زبردست ادیب ومحقق بھی تھے۔

جب میں نے اردو میں تحقیقی کام کا ارادہ کیا تو میری نظر انتخاب علامہ مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی۔ چنانچہ میں نے مولانا موصوف کی تصنیفات کی تلاش شروع کی تو یہ دیکھا کہ آپ نے مختلف علوم وفنون اور موضوعات پر گراں قدر کتابیں لکھی ہیں جو موضوعات اور زبان وبیان کے اعتبار سے مشاہیر ادب وعلماء سے کسی طرح کم نہیں۔

بریلی کالج' بریلی کے شعبہ اردو کے پروفیسر ڈاکٹر نواب حسین خاں نظامی صاحب نے میرے کام کی نگرانی کی نہ صرف منظوری فرمائی بلکہ حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی انتہائی مصروفیات کے باوجود اس کام میں میری رہبری اور رہنمائی فرمائی۔ استاد مکرم حضرت نواب حسین خان نظامی صاحب کی شخصیت اگرچہ ہمارے شکریہ سے بے نیاز ہے لیکن اگر میں اپنا حقیر نذرانہ شکر گزاری پیش نہ کروں تو سخت ناسپاسی ہوگی۔ راقم السطور پر استاد محترم نے یقیناً التفات کے دریا بہادیے ہیں۔ خدا کرے ایسے لائق وقابل استاد سب ہی طلباء کو نصیب ہوں۔

اُن حضرات کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جنھوں نے میرے اس کام میں تعاون فرمایا۔ ان میں سرفہرست بھائی ڈاکٹر سید مجیب الرضا ہیں جنھوں نے میرے تحقیقی کام کیلئے مفید مشورے دیئے۔ میں اپنے ماموں مرزا عبدالوحید بیگ علیہ الرحمۃ کا بھی تہہ دل سے ممنون احسان ہوں جو میرے اس تحقیقی مقالہ کے محرک تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور حسن سلوک کیلئے اجر عظیم سے نوازے..... آمین

آخر میں ایف۔ آر۔ اسلامیہ انٹر کالج' بریلی کے لائبریرین جناب محمد ہارون صدیقی، جناب محمد اقبال احمد خان نوری ،سید مرتضی علی صاحب اور جناب محمد احمد کا بھی انتہائی مشکور ہوں جنھوں نے کتابوں کی فراہمی میں میری اعانت فرمائی۔ ایسے مخلص کمیاب ہیں۔ باری تعالیٰ انہیں بھی جزائے خیر عطا فرمائے.....آمین

ڈاکٹر محمد حسن قادری
ریسرچ اسکالر
شعبۂ اردو، بریلی کالج، بریلی

باب اول

مولانا نقی علی خاں کے عہد تک اردو نثر کی روایت

"دنیا کی تمام زبانوں کی ابتداء نظم سے ہوئی ہے
گویا نثر کا وجود تمام زبانوں میں شعر کے بعد ہوا
ہے۔اسی اصول کے تحت اردو نثر کا آغاز بھی اردو
نظم کے بعد ہوا ہے۔اردو نثر کی تاریخ آٹھویں
صدی ہجری سے شروع ہوتی ہے۔" [1]

اردو نثر کے نمونے دکن اور گجرات کے فقرا اور صوفیا کے چھوٹے چھوٹے رسالوں کی شکل میں ملتے ہیں۔ابتدائی نثر کے نمونے فارسی اور عربی کی مذہبی کتابوں کے اردو ترجمے ہیں۔نویں صدی ہجری میں **خواجہ بندہ نواز گیسو دراز** اور ان کے نواسہ **سید محمد عبداللہ حسینی** وغیرہ کی تصانیف سے اردو نثر کا آغاز ہوا۔حضرت خواجہ گیسو دراز نے "**معراج العاشقین**" اور سید محمد عبداللہ نے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے "**نشاط العشق**" کا اردو ترجمہ کیا۔اس کا ایک نسخہ ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں موجود تھا۔**شاہ میران جی** نے "**شرح مرغوب القلوب**" لکھی اور ان کے فرزند **شاہ برھان الدین جانم** (م ۹۹۰ھ) نے متعدد اردو نثر کی کتابیں لکھیں جن میں "**کلمۃ الحق**" اور "**وجودیہ ھمدست**" ہیں۔ان کے اسلوب میں ادبیت کی بھی ہلکی سی جھلک ملتی ہے۔ان کا موضوع تصوف اور اخلاق ہے۔

شاہ برہان الدین جانم کے ہم عصر **شیخ محمود الحق خوش دھاں** ہیں۔آپ کا ایک رسالہ "**رسالہ محمود خوش دھان**" ہے۔اسکی نثر میں خوش سلیقگی اور ربط ہے۔

---

[1] تاریخ ادب اردو (حصہ نثر)۔ مصنفہ: رام بابو سکینہ۔ مطبع: نولکشور، لکھنو۔ ص2

1





باب اول

مولانا نقی علی خاں کے عہد تک اردو نثر کی روایت





اسی عہد کے دوسرے صوفی بزرگ سید شاہ امین الدین اعلیٰ (م ۱۰۸٦ھ) ہیں۔ شاہ امین الدین اعلیٰ، شاہ برہان الدین اعلیٰ کے صاحبزادے تھے۔ رسالہ "وجود یہ" اور "کلمۃ الاسرار" ان کی نثری تصانیف ہیں۔ ان کے علاوہ "ارشادات" رسالہ "ظاہر و باطن"، "عشق نامہ" اور "شرح کلمہ طیب" بھی امین الدین اعلیٰ کی تصانیف ہیں۔ ان سب کا موضوع تصوف واخلاق ہے۔

۱۰۴۵ھ میں ملا اسد وجہی (م ۱۰۷۰ھ/1659ء) نے "سب رس" تصنیف کی۔ یہ وجہی کی طبع زاد تصنیف نہیں ہے بلکہ محمد یحییٰ بن سیبک فتاحی نیشاپوری کی فارسی تصنیف "دستور عشق" 1436ء کے نثری خلاصہ "حسن و دل" سے ماخوذ ہے۔ ملا وجہی نے "سب رس" میں نثر ونظم کو گھلا ملا کر لکھا ہے۔ پروفیسر احتشام حسین "سب رس" کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "یہ (سب رس) ملا وجہی کی تخلیقی تصنیف نہ سہی۔ اس کا یہ دعوٰی غلط نہیں ہے کہ اس سے پہلے اردو یا ہندی نثر میں کوئی کتاب اس پایہ کی نہیں لکھی گئی تھی۔ اس کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نہ صرف مواد کے اعتبار سے بلکہ خیالات، اسلوب وفنکاری کے لحاظ سے بھی یہ انوکھی اور غیر معمولی تصنیف ہے" [1]

اس کے علاوہ میران جی حسین خدانما (1595ء_1663ء) نے بعض رسائل تالیف وترجمہ کئے تھے۔ ان کے نام ہیں۔ "چھار وجود"، "شرح تمہیدات ہمدانی" اور "رسالہ مربیہ"۔ "تمہیدات ہمدانی" عربی کی تصنیف ہے اس کی شرح خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے تقریباً تین سو سال بعد فارسی میں لکھی تھی۔ میران جی حسین خدانما کی "شرح تمہیدات ہمدانی" اسی کا دکنی اردو میں ترجمہ ہے۔

---

[1] اردو ادب کی تنقیدی تاریخ مصنفہ: پروفیسر احتشام حسین ص 77

میراں جی خدانما کے ہم عصر **میران یعقوب** نے میر رکن عماد الدین کی فارسی تصنیف **سمائل الاتقیا**" کا اردو ترجمہ بہت سادہ اور سلیس نثر میں کیا۔

اس طرح واضح ہوتا ہے کہ اردو نثر کا آغاز دکن سے ہوا لیکن شمالی ہند میں نثر کا آغاز **فضل علی فضلی** کی "**کربل کتھا**" سے ہوتا ہے۔ فضلی نے "کربل کتھا" 1732ء میں تصنیف کی۔ "**کربل کتھا**" فضلی کی طبع زاد تصنیف نہیں ہے بلکہ کمال الدین حسین بن علی واعظ کاشفی کی فارسی تصنیف "**روضۃ الشہدا**" کا اردو ترجمہ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شمالی ہند میں بھی نثر کا آغاز فارسی کتب کے تراجم سے ہوا۔ کربل کتھا سے پہلے شمالی ہند میں نثر کا کوئی بھی نمونہ دستیاب نہیں ہوا ہے۔ "کربل کتھا" کا نثری نمونہ پیش ہے:

> "تب ماں بہنیں اور پھوپیاں خیمے سے دوڑیں اور علی اکبر کے پاؤں پڑ کر رونے لگیں، حضرت بھی رخصت نہ دیتے تھے اور علی اکبر رو رو عاجزی کر سوگندیں دیتے تھے۔ لاچار حضرت زادی اور رونے اس کے سے، آپ زرہ بکتر علی اکبر کوں پنھائے اور پٹکا حضرت آدم کا اس کمر میں باندھ، خود فولادی سر پر رکھ ہتھیار بندھائے۔ پھر ایک گھوڑے عقاب نام پر سوار فرمائے۔ ماں اور بہنیں علی اکبر کے گھوڑے کی باگ سے لپٹ رونے لگیں تب حضرت فرمائے، ہاتھ اس سے اٹھا کر قصد سفر آخرت کرتا ہے" [1]

اس دور کی دوسری اہم تصنیف "**قصہ مہر افروز دلبر**" ہے جو 1732ء ـــ 1759ء کے دوران لکھی گئی اس کا مصنف عیسوی خاں بہادر ہے۔ اس قصہ کا پورا پلاٹ من گھڑت، غیر مذہبی یا سیکولر ہے۔ کربل کتھا کے مقابلے میں قصہ کی زبان آسان، سادہ، صاف اور کئی لحاظ سے جدید ہے۔

---

[1] کربل کتھا از: فضل علی فضلی ص 175

عیسوی خاں بہادر نے اس قصے کو اپنے عہد کی بول چال کی زبان میں پیش کیا ہے۔ اس دور کی نثر کی مشہور کتاب میر عطا حسین خاں تحسین کی "نو طرز مرصع" ہے جو امیر خسرو کی فارسی تصنیف "قصہ چہار درویش" کا اردو ترجمہ ہے۔

ڈاکٹر عبیدہ بیگم نے "نوطرز مرصع" کا سن تالیف 1775ء لکھا ہے۔ [1] جبکہ ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ نے لکھا ہے کہ "نوطرز مرصع" 1798ء میں منظر عام پر آئی۔ مرزا خلیل بیگ لکھتے ہیں۔

"میر عطا حسین تحسین کی "نوطرز مرصع" (1798ء) منظر عام پر آئی جو فارسی کے مشہور قصہ چہار درویش کا ترجمہ ہے۔ اس کی عبارت بے حد رنگین اور مرقع ہے۔ فارسی و عربی الفاظ کی کثرت ہے" [2]

اردو نثر کے ارتقا میں فورٹ ولیم کالج کی خدمات

اردو نثر کے ارتقا میں شمالی ہندوستان میں فورٹ ولیم کالج کی خدمات اہم ہیں۔ 1800ء میں جان گلکرسٹ نے فورٹ ولیم کالج قائم کیا۔ کالج کے قیام کی غرض و غایت ایسٹ انڈیا کمپنی کے یوروپین ملازمین کو ہندوستانی زبانوں کی تعلیم دینا تھا۔ چنانچہ کالج میں ہندوستانیوں کی ایک ایسی جماعت قائم ہو گئی جس نے نہ صرف انگریزوں کے واسطے درسی کتابیں تیار کیں بلکہ اردو، ہندی میں مستقل معیاری کتب بھی تصنیف کیں۔ اس کالج سے وابستہ اردو کے اہل قلم میر امان خاں امنؔ، میر شیر علی افسوسؔ، میر بہادر علی حسینی، سید حیدر بخش حیدری، مرزا کاظم علی خاں جوانؔ، للو لال جی، نہال چند، اکرام علی، سید محمد منیر، مداری لال گجراتی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

میر امن نے ۱۲۱۷ھ بمطابق 1801ء میں "چہار درویش" کا اردو ترجمہ "باغ و بہار" کے نام سے کیا۔ میر امن نے تحسین کے برخلاف غیر مانوس عربی، فارسی کے استعمال سے پرہیز

---

[1] سہ ماہی ادیب شمارہ جنوری تا دسمبر 1986ء، جامعہ اردو علیگڑھ ص 46

[2] سہ ماہی ادیب جلد نمبر ۷ شمارہ ۲۔۴ جامعہ اردو علیگڑھ ص 113

کیا اور عام فہم زبان میں کتاب لکھی۔ سر سید نے میر امن کے بارے میں صحیح لکھا ہے

"جو مرتبہ میر تقی میر کو نظم میں حاصل ہے وہی میر امن کو نثر میں حاصل ہے۔"[1] باغ و بہار کے دیباچہ میں زبان اردو کی پیدائش کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے۔ "باغ و بہار" کو انگریزوں میں اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ اسکو انگریزی حکام کے اردو امتحان میں داخل نصاب کیا گیا۔

اسی کالج سے وابستہ مظہر علی خاں نے "ھفت گلشن" کا اردو ترجمہ اسی سال 1801ء میں کیا۔ اس کے علاوہ "قصہ ماد ھونل" کا ترجمہ اور فارسی "تاریخ شیر شاھی" کا اردو ترجمہ بھی مظہر علی خاں کا ہی مرہون منت ہے۔ 1802ء میں میر امن نے ملا حسین واعظ کاشفی کی تصنیف "گنجینہ خوبی" "اخلاق محسنی" کی طرز پر تصنیف کی اور میر شیر علی افسوس نے ۱۲۱۴ھ میں "گلستان سعدی" کا ترجمہ "باغ اردو" کے نام سے کیا جو اسی سال 1802ء میں شائع ہوا۔

حفیظ الدین احمد نے 1803ء میں ابوالفضل کی "عیار دانش" کا اردو ترجمہ "خرد افروز" کے نام سے کیا۔ افسوس نے 1804ء میں "آرائش محفل" لکھنا شروع کی جس میں ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور ہندو راجاؤں کی مختصر تاریخ لکھی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ افسوس نے اپنے قلم کو ترجمہ تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ طبعزاد تخلیق بھی پیش کیں جن کا موضوع جغرافیہ اور تاریخ وغیرہ ہیں۔ اسی طرح 1804ء تک اردو نثر میں تاریخ و جغرافیہ کی کتب تصنیف کی جانے لگی تھی۔ فورٹ ولیم کالج کے میر منشی میر بھادر علی حسینی نے ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی فرمائش پر "اخلاق ھندی" تصنیف کی جو حقیقتاً تصنیف نہیں ہے بلکہ "ھتو پدیش" کے فارسی ترجمہ "مفرح القلوب" کا سلیس اردو ترجمہ ہے۔ اسی سال حسینی نے "نثر بے نظیر" تصنیف کی۔ 1811ء میں بینی نرائن نے فارسی قصہ کا ترجمہ "چھار گلشن" کے نام سے کیا۔ اس سے قبل 1809ء میں خلیل علی خاں اشک نے "اکبر نامه" کا اردو ترجمہ "واقعات کربلا" کے نام سے کیا۔ اسی دور میں مرزا جان طپش نے اردو محاورات پر ایک کتاب لکھی۔

---

[1] تاریخ ادب اردو (حصہ نثر) از: بابو رام سکسینہ مطبع: نولکشور لکھنئو ص 7

مرزا کاظم علی خاں جوآن نے "شکنتلا" ناٹک کا اردو میں ترجمہ کیا۔ جوآن نے گلکرسٹ کی فرمائش پر قرآن شریف اور "تاریخ فرشتہ" کا بھی اردو نثر میں ترجمہ کیا۔ 1812ء میں جوآن نے "بارہ ماسہ" کے نام سے ایک اور تصنیف کی جس میں جوآن نے مختلف فصلوں، موسموں اور ہندو، مسلمانوں کے تہواروں کا تذکرہ کیا ہے۔

1813ء میں نہال چند لاہوری نے "مذہب عشق" کے نام سے "قصہ گل بکاولی" کا اردو ترجمہ کیا۔ مولوی اکرام علی نے عربی کی مشہور و معروف کتاب "اخوان الصفی" کا صاف اور سلیس اردو میں ترجمہ کیا۔ مولوی اکرام علی 1814ء میں فورٹ ولیم کالج میں محافظ دفتر تھے۔ "تاریخ آسام" کا اردو ترجمہ قصہ لقمان اور قرآن شریف کا اردو ترجمہ بھی حسینی کے تعاون سے شائع ہوا۔

سید حیدر بخش حیدری جو فورٹ ولیم کالج کی منشی گیری پر تعینات تھے کی اکثر تصانیف فارسی کتب کے تراجم ہیں۔ حیدری نے امیر خسرو کی فارسی تصنیف "طوطی نامہ"، "نادر نامہ" کا اردو ترجمہ "تاریخ نادری "ملا واعظ کاشفی کی کتاب "روضۃ الشھدا" کا اردو ترجمہ "گلشن شھداں "اور شیخ عنایت اللہ کی "بہار دانش" کا اردو ترجمہ "گلزار دانش" کے نام سے کیا۔

اردو نثر کے ارتقا میں علماء کا حصہ

اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے شروع میں مولانا شاہ ولی اللہ دھلوی نے "حجۃ اللہ علی البالغہ"، "ازالۃ الخلفا" تصنیف کیں اور ان کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین نے قرآن شریف کا سب سے پہلا اردو ترجمہ 1839ء میں کیا۔ شاہ ولی اللہ کے تیسرے صاحبزادے شاہ عبد القادر نے ۱۲۱۵ھ میں قرآن شریف کا ایک دوسرا ترجمہ کیا اور ایک تفسیر

"موضوع القرآن" کے نام سے کی۔ ان کا ترجمہ بہت سادہ اور عام فہم ہے۔ کتب درسیہ اور تراجم کے علاوہ ترتیب صرف ونحو پر خاص توجہ دی گئی۔ 1809ء میں ہندوستانی گرامر منظر عام پر آئی۔

اردو نثر کی نشو ونما کا ایک بڑا سبب مولوی اسمٰعیل اور سید احمد رائے بریلوی کی تحریک وہابیت بھی تھا۔ اسمٰعیل دہلوی اور ان کے ہم خیال علماء نے متعدد کتابیں لکھیں۔ مولوی اسمٰعیل کی "تقویت الایمان"، سید احمد کی "ترغیب جہاد"، "ہدایت المومنین"، "نصیحت المومنین" وغیرہ کے جواب میں علمائے اہل سنت نے کثیر تعداد میں رسالے لکھے۔ مولانا عبدالحنی فرنگی محلی نے 1847ء سے 1886ء تک وہابی تحریک کے رد میں "الکلام المتین فی تحریر الوھابین"، "مفیدالخائفین فی جواب من رد علی معین الخالصین"، "تحفۃ الاخیار"، "ابرار الغنئی"، "تذکرۃ الراشد" وغیرہ لکھیں۔ مولانا عبدالحنی فرنگی محلی نے 1865ء میں "نورالایمان فی آثار حبیب الرحمن" اور مولانا عبدالباقی فرنگی محلی نے رسالہ "فی تحقیق علم الغیب" مولانا فضل حق خیر آبادی نے "تحقیق الفتاویٰ"، مولانا فخرالدین الہ بادی نے "ازالۃ الاشکوک والاوھام" مولانا فضل رسول بدایونی نے "سیف الجبار" مولانا نذیر احمد نے "سیف المسئول علی منکر علم غیب الرسول" تصنیف کیں۔ شمالی ہند کے علاوہ چٹاگام سے بھی مولانا مخلص الرحمن نے "شرح الصدور" اور صوبہ پنجاب کے سید مہر علی گولڑوی نے "اعلائے کلمۃ اللہ" تصنیف کیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے والد مولانا خیر الدین نے رد وہابیت میں آٹھ کتابیں لکھیں۔ حیدرآباد دکن سے مولانا عبدالفتح نے "تحفہ، محمدیہ فی رد وھابیہ" اور سلہٹ کے مولانا عبدالقادر نے "رد بعقول" اور صوبہ سرحد سے مولانا عبدالغفور آخون نے "احقاق حق" مولانا عبدالحق غور غشتوی نے "نورالانوار" تصنیف کیں۔ بریلی سے 1840ء میں "تصحیح الایمان فی رد تقویت الایمان" مولانا محمود شاہ خاں نے

تصنیف کی۔ یہ سب کتابیں اسمٰعیل دہلوی اور ان کی تحریک کے رد میں برصغیر ہندو پاک کے گوشہ گوشہ سے شائع ہوئیں۔ مولانا نقی علی خاں بریلوی نے بھی "تقویت الایمان" کی رد میں "اصول الرشاد" تصنیف کی جو انتہائی جامع اور مدلل کتاب ہے۔

اس شر سے ایک پہلوئے خیر یہ برآمد ہوا کہ اردو نثر میں تفسیر، اصول تفسیر، علم الکلام، عقائد، فقہ، اصول فقہ وغیرہ علوم وفنون کی کتابیں جہاں اردو نثر کا سرمایہ بنیں وہیں اردو نثر کے رواج اور مقبولیت میں بھی اضافہ ہوا۔ اہل اردو کی کاوشوں سے اردو زبان میں جمیع علوم وفنون کی کتابیں لکھی گئیں۔

اردو نثر کے ارتقا میں عیسائی پادریوں کا حصہ

اردو نثر کے ارتقا میں عیسائی پادریوں کے کارنامے بھی کم قابل ذکر نہیں ہیں۔ 1805ء میں بائبل سے متعلق "عہد جدید" کا اردو ترجمہ شائع کیا گیا۔ مارٹن نے 1814ء میں "عہد جدید" کا یونانی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ 1816ء سے 1819ء تک پوری بائبل کا اردو ترجمہ پانچ جلدوں میں شائع کیا گیا جس سے زبان اردو کی وسعت وترقی میں تعاون ملا۔

لکھنو سکول کی خدمات

نثر اردو کا آغاز دکن سے ہوا لیکن فورٹ ولیم کالج نے اردو نثر کے نشو ونما اور ارتقا میں اہم کارنامے انجام دیے۔ یہ وہ دور تھا جب مغلیہ سلطنت زوال پذیر تھی۔ دلی تباہ ہو چکی تھی، انجام کار تلاش معاش میں سرگرداں اہل کمال نے لکھنو کا رخ کیا۔ گویا دلی کے بعد لکھنو علم وفن اور شعر وسخن کا مرکز بن گیا۔ چنانچہ اہل لکھنو کی خدمات بھی اس میدان میں کم نہیں۔ 1824ء میں سرور نے "فسانہء عجائب" تصنیف کی جو اپنے اسلوب کے لحاظ سے منفرد ہے۔ ڈاکٹر سید سلیمان حسین نے سرور کی زبان کا اس طرح تجزیہ کیا ہے۔

"فسانہء عجائب کی زبان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے
پہلا دقیق اور رنگین دوسرا آسان جس میں سرورؔ نے اپنے عہد
کی نہایت فصیح ،شگفتہ اور با محاورہ زبان استعمال کی ہے۔دقیق
اور رنگین زبان سنئے بیان تمہید اور ابتدا صبح و شام کی کیفیت یا کسی
کی تعریف و توصیف کے موقع پر ملتی ہے جہاں وہ نئے نئے
استعارے اور تشبیہیں صرف کر کے عبارت آرائی اور
انشاپردازی کے جوہر دکھاتے ہیں" [1]

گو کہ سرورؔ نے طرز قدیم کی پابندیوں سے آزادی حاصل نہیں کی بلکہ مروجہ قیود کی تقلید کی لیکن ان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے نثر کی تازگی اور شگفتگی کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا۔سرورؔ نے شاہ نصیرالدین حیدر کے حکم سے "شمشیر خانی" کا ترجمہ 1847ء میں اردو میں "سرور سلطانی" کے نام سے کیا۔ 1851ء میں نواب سکندر بیگم والیء بھوپال کے حکم سے "شرر عشق" تصنیف کی۔ 1856ء میں رئیس سنڈیلہ نواب امجد علی خاں کی فرمائش پر "شگوفہ محبت" تصنیف کی لکھنو کے باکمال مصنفین نے ادب اردو کے سرمایہ کو وسعت دی اور "بوستان حکمت"، "گل بکاولی"، "گلشن نو بہار"، "گل صنوبر"، "نورتن" وغیرہ تصنیف کیں۔

اس زمانہ میں مقفیٰ، مسجع نثر مقبول تھی اور اس سے اجتناب مشکل تھا لہذا اس دور میں لکھی جانے والی تصنیفات میں سلیس عبارت کا استعمال نہیں کیا گیا بلکہ عبارت میں تکلف و تصنع بہت زیادہ ہے۔ مقفیٰ و مسجع نثر اتنی مقبول تھی کہ "سرور سلطانی" جیسی تاریخی کتاب بھی اسی زبان میں لکھی گئی۔اس دور میں "الف لیلہ" کے متعدد ترجمے منظر عام پر آئے اور مقبولیت حاصل کی۔اس طرح اس زمانہ کی نثر عصری تقاضوں کے تحت دقیق، رنگین اور مقفیٰ و مسجع تھی۔

---

[1] فسانہء عجائب مصنفہ: رجب علی بیگ سرورؔ
مطبوعہ: یو-پی-اردو اکیڈمی، لکھنو، مقدمہ سید سلیمان حسن ص 27

اردو نثر کے ارتقا میں پریس کا حصہ

1837ء میں حکومت نے قانون بنا کر پریس کو آزادی دی جس کے باعث اردو کے اخبارات ملک کے طول وعرض سے شائع ہونے لگے۔ اخبارات کی کثرت اشاعت اور موضوعات کے بہتات نے اردو نثر کے نشو ونما پر بہت اچھا اثر ڈالا جس کے باعث اردو نثر ارتقا کی منزلوں پر تیزی کے ساتھ بڑھنے لگی۔ 1852ء تک صوبہ مغربی اور شمالی میں بتیس پریس تھے اور چھبیس اخبارات شائع ہوتے تھے۔ 1 1853ء میں سینتیس پریس قائم ہو گئے اور اردو کے تیس اخبارات شائع ہونے لگے۔ پریس اور اخبارات کی تعداد سے واضح ہوتا ہے کہ اردو نثر عوام میں کافی مقبول ہو چکی تھی۔ 1854ء میں مزید اضافہ ہوا اردو کے چالیس پریس ہو گئے اور تینتیس اخبارات شائع ہونے لگے۔ صرف 1853ء میں ایک سو پچانوے کتابیں ان پریسوں سے شائع ہوئیں۔ 2

گارساں دتاسی نے اخبارات کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"یہ اخبارات کامیاب ہوئے کیونکہ ان میں دلچسپ مضامین اور خبریں شائع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور تاریخ جغرافیہ، ارضیات اور تعلیم پر اکثر پر مغز اور مفید مضامین نکلتے رہتے ہیں ان اخبارات کا طرز تحریر بہت پاکیزہ ہوتا ہے لیکن پر تکلف نہیں ہوتا کیونکہ ان میں بڑے بڑے اور شاندار الفاظ واستعارات کا استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔" 3

دلی کالج

1804ء کے بعد دلی ایسٹ انڈیا کمپنی کے حلقہ اثر میں آچکی تھی۔ پورے ملک میں جو تبدیلی رونما ہو رہی تھی اس کا اثر یہاں بھی پڑا۔ چنانچہ 1825ء میں دلی کالج قائم ہوا جس میں ہر مضمون کی تعلیم

1،2،3 گارساں دتاسی کے تمہیدی خطبے انجمن ترقی اردو، دھلی ص 43,147,142

دی جاتی تھی۔ جو ایجوکیشن کمیٹی کالج کا نظم ونسق چلاتی تھی وہ کچھ کتابوں کا ترجمہ اردو میں بھی کرا چکی تھی جس کی وجہ سے اردو کی اعلیٰ تعلیم ممکن ہو سکی۔ 1835ء تک اردو زبان ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر چکی تھی اور اس زبان کی نثر بالغ ہو کر مقبولیت عامہ حاصل کر چکی تھی اس لئے فارسی کے بجائے اردو کو سرکاری دفتروں کی زبان قرار دیا گیا۔ اس لئے سرکاری دفتروں میں کام کاج اردو میں کئے جانے لگے جس سے اردو روٹی روزی سے جڑ گئی۔ انجام کار اہل ملک کو اردو کی مہارت حاصل کرنا ان کی زندگی کی اہم ضرورت بن گیا اور اردو نثر کا رواج عام ہو گیا۔ قدیم روش سے ہٹ کر مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ نے بھی اردو نثر میں چھوٹی چھوٹی کتابیں لکھیں اور انہوں نے اپنے معاصرین کو مکتوب بھی اردو میں ہی لکھے۔ انہوں نے مراسلت میں مروجہ قدیم قاعدوں کو توڑ دیا جس سے سہل، شیریں اور بامحاورہ اردو نثر کے اچھے نمونے معرض وجود میں آئے جس کو ہم عصروں نے پسند بھی کیا اور اختیار بھی کیا۔

سرسید اور ان کے رفقاء

اردو نثر کے ارتقا میں سرسید احمد خاں اور ان کے رفقا نے بھی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ 1864ء میں سرسید احمد خاں نے سائنٹفک سوسائٹی قائم کی جس کا مقصد مختلف علوم کی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرنا تھا۔ اس سوسائٹی سے وابستہ اہل قلم نے تاریخ، بایوگرافی، زراعت، فلاحت، اقتصادیات وغیرہ علوم پر کتابیں لکھیں۔ سوسائٹی نے ایک رسالہ "علیگڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ" شائع کیا جس میں مختلف موضوعات پر اردو میں مضامین شائع کئے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی انگریزی اخبارات کے عمدہ مضامین کا اردو ترجمہ بھی شائع کیا جاتا تھا۔ 1870ء میں انہوں نے "تہذیب الاخلاق" کے نام سے ایک ماہوار رسالہ جاری کیا۔ اس رسالہ کے ذریعے سرسید نے جدید اردو نثر کی بنیاد رکھی۔ مولانا حالیؔ تو سرسید کو جدید اردو نثر کا مورث اعلیٰ قرار دیتے ہیں۔ سرسید کی نثر کی خوبی یہ تھی کہ وہ انتہائی پیچیدہ، مشکل اور دقیق مضامین کو خواہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی انتہائی صاف، سلیس اور سادہ نثر میں لکھتے

تھے۔ غالباً مرزا غالب کے طرز کا سب سے زیادہ اثر سرسید نے قبول کیا اور انہوں نے مرزا غالب کے نقش اول کو آگے بڑھایا۔ رام بابو سکینہ کا خیال ہے

"ان (سرسید) کے طرز جدید نے قدیم تصنع نگاری پر جو بیدل اور ظہوری کی فارسی تقلید میں اردو میں بڑھتی جاتی تھی ایک ضرب کاری لگائی اور یہ ثابت کر دیا کہ سادہ اور بے تکلف عبارت میں تصنع سے زیادہ خوبیاں ہیں۔" ؎1

سرسید کی تصانیف آثار الصنادید، تاریخ ضلع بجنور، تاریخ سرکشی بجنور، خطبات احمدیہ، تفسیر قرآن اور انجیل مقدس کی تفسیر سے اردو نثر کے جدید طرز کو فروغ ملا۔ انہیں کے رفیق کار مولانا حالی نے "حیات سعدی"، مقدمہ شعر و شاعری، "یادگار غالب" اور "حیات جاوید" لکھ کر اردو نثر کے سرمایہ میں اضافہ کیا۔ حالی نے 1882ء میں "حیات سعدی" لکھ کر سوانح نگاری کے نئے نقطۂ نظر سے اہل اردو کو آشنا کرایا۔

سرسید کے دیگر رفقا میں نواب محسن الملک نے "تہذیب الاخلاق" میں بے شمار مضامین لکھنے کے علاوہ انگریزی کتاب "فرنچ ریوولیشن اینڈ نپولین" کا اردو ترجمہ "سرگزشت نپولین بونا پارٹ" کے نام سے کیا۔ مولوی چراغ علی نے بھی اس دور میں کثیر تصانیف کیں جن میں "تحقیق الجهاد"، "تعلیقات"، "رسول برحق"، "اسلام کی دنیوی برکتیں"، "قدیم قوموں کی مختصر تاریخ"، "بی بی ھاجرہ" وغیرہ تصنیف کر کے اردو کے سرمایہ میں اضافہ کیا۔

جدید اردو نثر کو فروغ دینے والوں میں مولوی محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد، شبلی نعمانی، مولوی ذکا اللہ، مولوی سید احمد خاں وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ محمد حسین آزاد بے مثال انشاپرداز ہیں۔ آب حیات، نیرنگ خیال، سخندان فارس، دربار اکبری آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

؎1 تاریخ ادب اردو (حصہ نثر) از: بابو رام سکینہ مطبع نولکشور لکھنئو ص 42

"آب حیات" مولانا آزاد کی ادبی صلاحیتوں اور انشا پردازی کا بہترین نمونہ ہے۔ "نیرنگ خیال" میں تمثیلی افسانے ہیں جو انگریزی افسانوں کی تقلید ہیں۔ "سخندان فارس" "علم السنہ پر بے مثال تصنیف ہے۔ "دربار اکبری" میں شہنشاہ اکبر کے عہد کی مکمل تاریخ ادبی پیرائے میں پیش کی گئی ہے۔

آزاد نے اپنی تحریر میں تشبیہ واستعارات کا کثرت سے استعمال کیا ہے مگر تحریر میں روانی ہے۔ آزاد کی تحریر میں زندہ دلی، شگفتگی اور ظرافت بھی موجود ہے۔ آزاد کی یگانہ طرز تحریر اردو انشا پردازی میں اپنی مثال آپ ہے۔

نذیر احمد اردو ناول کے موجد ہیں۔ ان کے ناول اردو ادب کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ نذیر احمد نے قوم کی خستہ حالی، جہالت اور ضعیف الاعتقادی پر "مراۃ العروس" اور "بنات النعش" جیسے بہترین ناول لکھے۔ ان کے ناولوں میں مراۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح اور ابن الوقت انتہائی مقبول ناول ہیں۔ نذیر احمد کے سارے ناول سبق آموز اور نصیحت خیز ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے قرآن مجید کا اردو ترجمہ بھی کیا اس کے علاوہ امہات الامت، منتخبات الحکایات، الحقوق والفرائض جیسی مذہبی کتابیں بھی لکھیں۔ نذیر احمد کا ایک خاص اسلوب ہے۔ ان کا اسلوب صاف اور زوردار ہے۔ آپ نے محاورات، ضرب الامثال اور روزمرہ کے الفاظ کے استعمال سے عبارت میں چاشنی اور کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

اردو نثر کے ارتقا پر مذہبی اختلاف کا اثر:

سرسید احمد خاں بزعم خود مسلمانوں میں عظیم انقلاب لانا چاہتے تھے۔ مسلمان قوم جو سینکڑوں سال تک حکمرانی کرتی رہی تھی وہ اب محکوم ہو چکی تھی۔ مایوسی کا دور دورہ تھا۔ قوم کے زوال کو وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ مسلمان قوم میں قدیم تقلیدی رجحان ہونے کے باعث جدید عصری تقاضوں کو پورا کرنا مشکل تھا۔ اس لئے سرسید نے مسلمانوں میں شعور وادراک پیدا کرنے اور زمانے کے ساتھ چلنے

کے لائق بنانے کیلئے انقلابی تحریک کا آغاز کیا۔ وہ قوم کی ترقی کو حاکم وقت کی زبان، اسکی تعلیم، طرز معاشرت اور اخلاق و آداب کو اختیار کرنے پر منحصر سمجھتے تھے۔ مغربی افکار و نظریات سے وہ اتنا متاثر ہو گئے تھے کہ انہوں نے مشرقی تہذیب و تمدن کو بے وقت کی راگنی قرار دیا۔ مسلم قوم کو بام عروج پر پہنچانے کی دھن ان پر اتنی سوار ہو چکی تھی کہ وہ ہندوستان کے مشرقی معاشرہ کو مغربی انداز فکر میں ڈھالنے کیلئے سرگرداں تھے۔ اس کام کیلئے انہوں نے مسلمانوں کے قدیم اسلامی عقائد پر بھی نشتر زنی کی۔ انجام کار قیامت، حشر نشر، جنت و دوزخ، فرشتہ وغیرہ کی جدید توضیح کی جس کی وجہ سے مسلم قوم میں انتشار پیدا ہوا۔ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ سرسید کے افکار و نظریات اور عقائد کی تردید کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ سرسید اور ان کے رفقاء کے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور ان کے رد میں بہت زیادہ کتابیں لکھی گئیں۔ سرسید کے جدید نظریات کی مخالفت مدرسہ دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی اور "مدرسہ اہل سنت" بریلی کے بانی مولانا نقی علی خاں نے بڑی شد و مد سے کی۔

مولانا نقی علی خاں بریلوی ﷫ نے مغربی لباس، آداب معاشرت وغیرہ (جو سرسید کے محبوب تھے اور جنہیں وہ مسلم معاشرہ میں عام کرنا چاہتے تھے) کی بہت زبردست مخالفت کی اور مسلمانوں کے سیاسی زوال کا سبب اسلام سے دوری قرار دیا اور مسلمانوں کی فلاح اور ترقی کیلئے اسلامی طرز معاشرت اور اخلاق و آداب کو ضروری قرار دیا اور اپنے نظریہ کی تبلیغ کیلئے کتب تصنیف کیں۔ اپنی تصانیف میں مولانا نے اسلامی آداب، طرز معاشرت اور لباس وغیرہ کو مغربی لباس اور طرز معاشرت پر فوقیت دی۔ مولانا نقی علی خاں نے اپنے ہم عصر علما کی ادق طرز تحریر سے ہٹ کر انتہائی صاف، سادہ، سلیس اور بامحاورہ زبان استعمال کی۔ مولانا کی نثر تصنع سے پاک ہے۔

مولانا نقی علی خاں ﷫ جہاں مغربی طرز معاشرت اور آداب و اخلاق کے مخالف تھے وہیں مسلمانوں میں پھیلی ہوئی بے راہ روی اور غلط رسم و رواج کے بھی سخت مخالف تھے۔ وہ ان رسموں کو مسلمانوں کے معاشی اور اقتصادی زوال کا سبب بھی مانتے تھے۔ انہوں نے مسلم معاشرہ میں رائج غیر

اسلامی فضول رسموں کی مخالفت کی اور اصلاح معاشرہ کیلئے "ھدایت البریہ الیٰ شریعۃ الاحمدیہ" لکھی۔ گویا اردو نثر میں اسلامی معاشرت پر لکھی جانے والی یہ سب سے پہلی تصنیف ہے۔

سرسید نے اپنے موقف کی حمایت میں اور ان کے حواریوں نے سرسید کی حمایت میں متعدد کتابیں لکھیں۔ دوسری جانب سرسید کے مخالفین نے بھی سرسید اور ان کے معاونین کے رد میں کثیر تعداد میں کتب تصنیف کیں۔ اس طرح دنیا اور آخرت کے متعلق مختلف موضوعات پر اردو نثر کی کتب میں کثیر اضافہ ہوا۔ چونکہ سرسید کا تخاطب عوام تھے اس لئے انہوں نے عام بول چال کی زبان کو ہی اختیار کیا۔ ساتھ ہی سرسید کے مخالفین کو بھی اپنا پرانا طرز تحریر ترک کر کے عوام کی عام فہم اور روزمرہ کی زبان کو استعمال کرنا پڑا۔ اس لئے علمائے دین نے بھی مسجع، مقفیٰ، مرصع اور ادق زبان سے اجتناب کیا۔ اس باہمی کشمکش سے اردو نثر کو نہ صرف جلد ملی بلکہ اردو نثر کے رواج کو بھی راہ ملی اور سادہ و سلیس اردو مذہبی اداروں میں بھی رواج پا گئی۔

..........................☆☆☆☆☆..........................

2

باب دوم





مولانا نقی علی خاں کے عہد کے تہذیبی، فکری اور ادبی حالات




باب دوم

مولانا نقی علی خاں کے عہد کے تہذیبی، فکری و ادبی حالات

اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کے زوال کا آغاز ہوا۔ انگریز، فرانسیسی، پرتگالی وغیرہ نے مغلوں کے سیاسی زوال سے فائدہ اٹھانے اور سیاسی اقتدار حاصل کرنے کیلئے نئی نئی چالیں چلنا شروع کیں۔ اندرون ملک مرہٹوں و جاٹوں و سکھوں جیسی طاقتیں سر اٹھانے لگیں۔ دلی کی مرکزی حکومت اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ وہ بیرونی طاقتوں کا مقابلہ کرنے میں معذور تھی اور اس میں خودسر طاقتوں کا سر کچلنے کی سکت نہ تھی۔ مرکز کی کمزوری نے صوبیداروں کو بھی بغاوت پر آمادہ کر دیا چنانچہ بنگال، اودھ، پنجاب اور دکن کے صوبیداروں نے آزادی اور خودمختاری کا اعلان کر دیا۔

اسی زمانے میں شمالی ہندوستان میں روہیلوں کی ایک نئی طاقت ابھری۔ جانباز روہیلوں نے علاقہ کٹھیر میں قسمت آزمائی کی اور انجام کار نواب علی محمد خاں (م 1748ء) نے علاقہ کٹھیر میں باقاعدہ روہیلہ حکومت قائم کی اور علاقہ کٹھیر روہیلکھنڈ کے نام سے منسوب ہوا۔ 1774ء میں نواب شجاع الدولہ اور انگریزوں کے اشتراک سے روہیلہ حکومت کو ختم کر دیا گیا۔ روہیلہ سردار حافظ رحمت خاں کی شہادت کے بعد روہیلوں کو بری طرح تباہ و برباد کیا گیا۔ اس تباہی و بربادی کا تذکرہ کرتے ہوئے سید مصطفیٰ علی بریلوی لکھتے ہیں۔

> "روہیلہ سردار کی شہادت کے بعد روہیلکھنڈ بری طرح پامال ہوا۔ رعایا کو خوب لوٹا گیا اور روہیلوں کے گاؤں و بستیاں ویران و خاکستر کر دی گئیں۔ ہزاروں روہیلے روہیلکھنڈ چھوڑ کر گنگا پار چلے گئے۔ حد یہ ہے کہ اسلامی شعائر اور مساجد تک کی توہین کی گئی۔" [1]

---

[1] خان بہادر خاں شہید۔ مرتبہ: سید مصطفیٰ علی بریلوی۔ ناشر: آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی، ص 2

روہیلکھنڈ پوری طرح سے والی ء اودھ نواب شجاع الدولہ کے زیر اقتدار آ گیا۔ 1801ء میں انگریزوں نے روہیلکھنڈ پر اپنا اقتدار جمالیا اور اس طرح 1801ء سے انگریز روہیلکھنڈ پر پوری طرح سے قابض و دخیل ہو گئے لیکن روہیلکھنڈ کے عوام نے والی ء اودھ اور انگریزوں کے اقتدار کو گوارا نہیں کیا۔ چنانچہ 1794ء میں دوجوڑا (فتح گنج پچھمی) کے مقام پر نواب آصف الدولہ اور اس کے حلیف انگریزوں سے روہیلوں کی جنگ ہوئی جس میں روہیلوں نے اپنی روایتی دادِ شجاعت ادا کی لیکن قسمت نے یاوری نہ کی۔ روہیلکھنڈ کے حریت پسند عوام اپنی شکست پر بے چین رہے اور یہ بے چینی بریلی کے عوام نے 1816ء میں مفتی محمد عیوض کی قیادت میں ظاہر کی۔ مفتی محمد عیوض نے سبز ہلالی پرچم حسین باغ بریلی میں لہرایا۔ یہ باغ آج بھی شہر بریلی کے غرب میں واقع ہے۔ ہزاروں ہتھیار بند ہندو مسلمان مفتی محمد عیوض کے ارد گرد جمع ہو گئے اور پیلی بھیت، رام پور و شاہجہاں پور جیسے دور دراز علاقوں کے عوام بھی اس جنگ میں شریک ہوئے۔ انگریزوں کے مقابلہ میں پہلی مرتبہ مجاہدین کو فتح حاصل ہوئی۔ انہوں نے بریلی سے انگریز اور اس کی فوج کو بھاگنے پر مجبور کر دیا اور مجاہدین نے بریلی پر پوری طرح قبضہ کر لیا۔

انگریز نے اپنی شکست فاش کا بدلہ لینے کیلئے اپنی طاقت کو جمع کیا اور پھر مجاہدین پر حملہ کیا۔ ہزاروں مجاہدین شہید ہوئے اور انگریزوں نے بریلی پر پھر قبضہ کر لیا۔ اس شکست کے بعد بھی روہیلکھنڈ کے غیور عوام نے ہمت نہ ہاری اور اپنا کھویا ہوا سیاسی اقتدار اور ملی وقار حاصل کرنے کیلئے برابر کوشش کرتے رہے۔ ان کی آخری کوشش 1857ء کا وہ معرکہ تھی جس میں انہوں نے خان بہادر خاں کی قیادت میں انگریزوں سے جنگ کی اور روہیلکھنڈ کے دارالسلطنت بریلی اور اس کے گرد و نواح پر مشتمل قومی حکومت قائم کر لی۔ بریلی سے انگریزوں کے فرار کی سرگزشت مولوی نجم الغنی خاں کے الفاظ میں اس طرح ہے۔

"صبح یعنی 31 مئی کو اتوار کے دن سب یورو پین اور کرسچین حسب معمول عبادت کے واسطے گرجا میں جمع ہوئے۔ 9 اور 10 بجے

کے دوران مسمی محمد بخش عرف جنرل بخت خاں صوبیدار توپخانہ پلٹن نمبر 18، 68 پیادگان ہندوستانی اور نمبر 8 سواران ہندوستانی متعینہ چھاؤنی بریلی باغی ہوا اور توپ کا فیر ہوا۔ یہ فیر گویا اطلاع اس بات کی تھی کہ فوج باغی ہوگئی۔ فیر کے بعد گولے جلد جلد چلنے لگے مسلح سپاہی دیوانوں کی طرح ادھر ادھر پھر رہے تھے۔" [1]

تقریباً چودہ ماہ تک روہیلکھنڈ کے حریت پسند عوام نے انگریزوں کو آزاد حکومت کے حدود کے قریب پھٹکنے تک نہ دیا۔ یہ دور روہیلکھنڈ کا سنہرا دور تھا۔ عوام میں اعتماد پیدا ہوگیا تھا اور علاقہ روہیلکھنڈ میں خوشحالی نے قدم جمالئے تھے۔ نواب خان بہادر خاں کے دوراقتدار کی خوشحالی کا تذکرہ کرتے ہوئے محترمہ انیس فاطمہ رقم طراز ہیں۔

"اس دور میں کثرت سے شادی بیاہ اور دوسری تقریبات ہوئیں اور ان میں کسی قسم کی بے اطمینانی اور انتشار نہیں پایا جاتا تھا۔ ہر چیز ارزاں اور بہتات سے تھی۔ گرانی کا کہیں نام نہ تھا خان بہادر خاں کے زمانہ حکومت میں پورا شہر رات بھر جاگتا تھا۔ بازار کھلے رہتے، سڑکوں اور گلی کوچوں میں بڑی رونق اور چہل پہل رہتی۔ لوگ نواب کی انتظامی قابلیت اور رعایا پروری کے بڑے مداح تھے۔ مسجدیں، مسافر خانے اور سڑکیں تعمیر ہو رہی تھیں۔ لوگ امن وامان کی ڈونڈی پیٹتے تھے۔ ہر چیز ارزاں ہوگئی تیل روپیہ کا پانچ سیر، گھی روپیہ کا ڈھائی سیر اور گیہوں بیس سیر کے حساب سے فروخت ہو رہا تھا۔" [2]

افسوس روہیلکھنڈ کی یہ فارغ البالی اور خوش حالی عارضی ثابت ہوئی کیونکہ 1857ء کے

---

[1] اخبار الصنادید مرتبہ: نجم الغنی خاں رامپوری مطبع: نولکشور لکھنؤ ص 27

[2] 1857ء کے ہیرو مرتبہ: انیس فاطمہ ناشر: آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی ص 71

معرکہ میں اودھ انگریزوں کے مقابلہ میں شکست کھا چکا تھا۔ نواب رام پور نے انگریزوں کی غلامی کا کلاوہ پہن رکھا تھا۔ خود مرکز نیست ونابود ہو چکا تھا۔ مغلیہ خاندان کا آخری تاجدار بہادشاہ ظفر انگریزوں کی قید میں پہنچ چکا تھا۔ تنہا روہیلکھنڈ انگریزوں کی طاقت کو کہاں تک جھیلتا۔ چنانچہ انگریزوں نے روہیلکھنڈ کے اطراف وجوانب کو اپنے استبدادی پنجے میں جکڑنے کے بعد 6 مئی 1857ء کو روہیلہ نواب کے مقابلہ پر عظیم فوجی طاقت لے کر مقابلہ پر آگئے۔ بریلی کے مشرق میں نکٹیا کے کنارے مجاہدین اور انگریزوں کی فوج کا مقابلہ ہوا۔ مجاہدین نے خوب خوب داد شجاعت دی لیکن تلوار بندوق کا مقابلہ نہ کر سکی، مجاہدین پسپا ہوئے، بریلی اور اس کے نواحی علاقوں پر پھر انگریز کا قبضہ ہو گیا۔ نوابی فوج منتشر ہو گئی اور نواب خان بہادر خاں نے راہ فرار اختیار کی۔ بہادر شاہ ظفر کی شکست اور مجاہدین جنگ آزادی کے استحصال کے بعد انگریز بلا شرکت غیرے ہندوستان کے مالک بن گئے۔

ہندوستان کے عوام ہمیشہ سے فراخدل رہے زمانہ قدیم سے قومیں اس ملک میں آتی رہیں آباد ہوتی رہیں جس کے باعث ہندوستان کے عوام اپنے مذہبی ضابطوں کی پابندی کرتے ہوئے شیر و شکر بن کر رہے جس کے سب سے زیادہ اثرات مغلیہ دور حکومت میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اس دور میں ہندوستان کے افراد نے باہمی اشتراک سے مشترکہ تہذیب وتمدن کو جنم دیا تاکہ اتحاد واتفاق کی جڑیں مضبوط ہوں اور عوام سکون قلب کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ اتحاد واتفاق کا جذبہ اس وقت اور بھی عروج پر پہنچ جاتا ہے جب مذہبی حدیں ختم کر کے ایک مشترکہ مذہب ایجاد کیا گیا۔ یہ انتہا پسند اقدام تھا جس کے باعث اتفاق واتحاد کو فروغ تو نہ ملا لیکن عوام کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہوئے اور ان کو یقین ہونے لگا کہ حکومت وقت ان کے قدیم آبائی مذہب کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ عوام کے اس تصور نے تحفظ مذہب کے نام پر اپنے اپنے مفاد کی نگرانی کیلئے سعی کی جس کے باعث اتحاد واتفاق کی دیوار میں دراڑیں پڑنے لگیں اور مشترکہ مذہب جس اتحاد واتفاق کو قائم کرنے کیلئے وضع کیا گیا تھا وہی مذہب اتحاد

و اتفاق کیلئے مفر ثابت ہوا۔ مرہٹہ، راجپوت اور جاٹ مسلح بغاوت پر آمادہ ہوئے جس کے باعث ملک کے اندر نفرت وانتشار کا ماحول بنا جس سے ہندوستان کی فارغ البالی اور خوشحالی میں رخنہ پڑا۔ اس لئے ہندوستان کے دانشور طبقہ نے ملک میں امن وسکون کے قیام اور انسانیت کی بقا وتحفظ کیلئے انسانیت کا پیغام دیا اور اس کام کو آگے بڑھانے کیلئے عبدالرحیم خانخاناں، ملک محمد جائسی، راجہ رام موہن رائے وغیرہ نے اپنے دھرم کے ماننے والوں کو انسانیت کا پیغام دیگر دھرم کی صحیح تصویر اور مفہوم کو واضح کیا۔ اس کے ساتھ ہی مسلم علماء وفضلا نے بھی امن وسکون قائم کرنے کیلئے عظیم کوششیں کیں۔ یہ کوششیں طویل عرصہ تک جاری رہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دھلوی، آپ کے بیٹے شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی، شاہ فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، سید احمد مشھدی وغیرہ علماء نے انسانیت کو معیار مان کر ملک میں اخوت ومحبت کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اسلام کا صحیح تعارف کرانے کیلئے ماحول کا سازگار اور پرامن ہونا ضروری تھا۔ اس لئے علما ومشائخ نے فراخ دلی کے ساتھ انسانیت کا پیغام دیا۔ مسلم فقرا نے اہل ہنود کو اسلام سے متاثر کرنے کیلئے ان کے دلوں میں جگہ پیدا کی حتیٰ کہ تصوف کے ساتھ ویدانت کو بھی مسلم صوفیوں نے قابل اعتنا سمجھا اور یوگ وزہد میں مطابقت پیدا کی اور بھجن وکیرتن کی طرز پر قوالی کو رواج دیا تا کہ اسلام کا پیغام غیر مسلموں تک پہنچانے میں سہولت ہو۔ علماء صوفیا اور مشائخ کی کوششوں کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ ہندو مسلمان ایک دوسرے کے قریب آئے، انہوں نے مسلمانوں کی زبان کو پڑھا اور سیکھا۔ سرکاری زبان فارسی عام لوگوں کی زبان بنی جس کے باعث اسلام کو سمجھنے میں غیر مسلموں کو کافی سہولت ملی اور ہندو مسلمان ایک دوسرے کے کافی قریب آئے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کے لباس کو پہننا باعث فخر وامتیاز سمجھا جانے لگا۔ ہندوستان کے قدیم لباس کی طرف سے ہندوستانی عوام کی توجہ ہٹی اور مسلمانوں کی لباس کو بڑی حد تک قبول کیا جس کے باعث مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان جذباتی ہم آہنگی پیدا ہوئی اور جذبہء خیر سگالی نے عوام کو قریب سے قریب تر کر دیا۔

جذبۂ خیر سگالی کا فروغ ہی اردو زبان کی شکل میں نمودار ہوا اور اردو مختلف مذاہب کے ماننے والوں کی زبان بنی۔ عربی، فارسی و ترکی کو مسلمانوں کی زبان اور سنسکرت، پالی، پراکرت وغیرہ کو ہندوؤں کی زبان کہا جاتا تھا۔ یہ لسانی فرق بھی اردو نے جنم لے کر ختم کر دیا۔ اردو تمام ہندوستانیوں کی زبان بنی۔ زبان کی یکسانیت کی وجہ سے عوام کے ذہن و فکر میں یکسانیت پیدا ہو گئی۔ اس فکری و ذہنی یکسانیت نے ایک نئی تہذیب کو جنم دیا۔ یہی تہذیب آگے چل کر گنگا جمنی تہذیب کہلائی۔

ہندوستانی عوام ایسٹ انڈیا کمپنی کی چالوں کا شکار ہوئے اور مغلیہ حکومت برائے نام رہ گئی اور انگریز اپنی اصلی غایت حاصل کرنے کیلئے سرگرم ہو گئے۔ ان کا اصل مقصد ہندوستان پر اقتدار جمانا تھا۔ انہوں نے ہندوستان پر اقتدار جمانے کیلئے کہیں علاقائی منافرت کا بیج بویا تو کہیں مذہبی تعصب کو ہوا دی تاکہ ہندوستانی عوام فکری طور پر منتشر ہو جائیں چنانچہ انہوں نے بہت ہی مکاری کے ساتھ مختلف مذاہب کے درمیان حدو رقابت پیدا کرنے کیلئے سیاسی چالیں چلیں۔

ایک طرف انہوں نے ہندو مذہب کے تحفظ و بقا کے نام پر ہندوؤں کو سرگرم کیا تو دوسری جانب مسلمانوں کو ہندوؤں سے بدظن کرنے کیلئے غلط افواہوں کا سہارا لیا۔ راجپوتوں کو مرہٹوں سے، مرہٹوں کو جاٹوں سے بھڑایا۔ ہندوستانی سماج میں انتشار پیدا کرنے کے بعد انہوں نے عیسائیت کی تبلیغ کیلئے مختلف مراکز قائم کیے اور ہندوستانی زبانوں میں عیسائی دھرم کا لٹریچر شائع کیا تاکہ ہندوستانی عوام کو عیسائی بنا کر اور ان کے جذبات عیسائی حکومت سے جوڑ دیئے جائیں۔ اس کام کیلئے انہوں نے ہندوستانی معاشرت کے ساتھ معیشت کو بھی تباہ و برباد کیا۔ جدید مشینوں کی ایجاد اور ان سے بنی ہوئی اشیا کا مقابلہ ہندوستانی کاریگروں کی بنائی ہوئی اشیا کے مقابلہ میں انتہائی سڈول، خوبصورت اور پائیدار ہونے کے ساتھ کم قیمت بھی ہوتی تھیں۔ اس لئے ہندوستانی عوام مشین سے بنی ہوئی اشیا کو ہی قبول کرنے لگے۔ انجام کار ہندوستانی کاریگر اور دستکار بیکاری کا شکار ہو گئے۔

انگریز ہندوستان سے کچا مال معمولی قیمت پر انگلینڈ لے جاتے اور وہاں مشینوں کی مدد سے

اشیا تیار کر کے ہندوستان میں ہی ہندوستانیوں کے ہاتھ فروخت کر کے ہندوستانیوں کو ذہنی اعتبار سے مغلوب کر رہے تھے۔ انگلینڈ کی بنی ہوئی اشیا معیاری اور اعلیٰ تصور کی جاتی تھیں۔ ذہنی اعتبار سے ہندوستانی عوام انگریزوں سے مغلوب اور فکری اعتبار سے انگریزوں کے مقابلہ میں احساس کمتری کا شکار ہو چکے تھے گویا ہندوستانی عوام سیاسی زوال سے ہی دو چار نہ ہوئے بلکہ ذہنی و فکری اعتبار سے بھی مجبور و لاچار ہو گئے تھے۔ غریبی، بے کاری، مفلسی ان کی قسمت میں لکھی جا چکی تھی۔ ملک کی سیاست و معیشت تباہ و برباد ہو چکی تھی۔ ذہنی و فکری اعتبار سے بھی انہوں نے انگریزیت کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے اسی لئے ہندوستانی عوام میں انگریزیت کی جڑیں مضبوط ہونے لگیں اور وہ انگریزی معاشرت کے دلدادہ ہو گئے۔ یہ محسوس کیا جانے لگا تھا کہ انگریز اہل ہند کے مذہب کو ہی ختم کر دیں گے۔

اہل ہند کے دماغ میں یہ بات بھی سرایت کر گئی تھی کہ انگریزوں کا مقصد صرف حکومت کرنا ہی نہیں بلکہ یہاں کے عوام کو عیسائی بنانا ہے۔ ایک طرف بیدار مغز لوگ مضطرب تھے تو دوسری جانب ہندوستانی عوام انگریزوں کی سازشوں سے بے پرواہ ہو کر بٹیر بازی، کبوتر بازی، مرغ بازی، چوسر، پچیسی تاش، پتہ، سوانگ و ناچ رنگ وغیرہ تباہ کن عیوب میں گرفتار تھے۔ ان عیوب نے ملی اعتبار سے عوام کو دیوالیہ بنا دیا تھا۔ عوام ان عیوب و نقائص میں پڑ کر تعلیم سے بے بہرہ ہو کر جہالت کا شکار ہو گئے۔ بہر حال ایک قوم کو خود تباہ و برباد کرنے کیلئے جن مہلک جراثیم کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب ہندوستانیوں میں پرورش پا رہے تھے۔ دوسری جانب فاتح قوم مفتوح قوم کو نیست و نابود کرنے کیلئے جن حالات کو پیدا کرنا لازمی سمجھتی تھی وہ حالات بھی پیدا ہو چکے تھے۔ ہندوستانی معاشرہ کیلئے یہ دور انتہائی صبر آزما تھا۔

ہندوستانی معاشرہ میں نشاۃ ثانیہ کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے عوام کے ذہن و فکر کو انگریزیت کی غلامی سے آزادی دلانا اور فہم و بصیرت پیدا کرنے کیلئے تعلیم کا خاطر خواہ انتظام اہم کام تھا جس کیلئے علماء و مشائخ نے سعی کی۔ عوام کو جہالت سے دور کرنے کیلئے اور ملت اسلامیہ کے تشخص کو

برقرار رکھنے کیلئے تعلیم لازمی تھی چنانچہ دہلی میں **مدرسہ حقانی** ، **مدرسہ رحیمیہ** ،**مدرسہ حسین بخش** اور بریلی میں **مدرسہ اہل سنت** قائم کئے گئے ۔ بنگال و بہار میں بھی مدارس قائم کئے گئے جہاں ایسے مبلغ تیار کئے گئے جو مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے فریضہ کو بخوبی انجام دے سکیں ۔عیسائیت کے خلاف علماء صف آرا ہوئے جگہ جگہ مسلم علما اور پادریوں کے درمیان مناظرے ہوئے جس میں عیسائیوں کو شکست فاش ہوئی اور عیسائیت کی ہوا اکھڑنے لگی ۔اس قسم کے مدارس رام پور، ٹونک، جامع مسجد دہلی ،علیگڑھ والہ آباد وغیرہ میں بھی قائم ہوئے جہاں کے علماء نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھ کر عوام کی رہبری وراہنمائی کی ۔

1801ء سے ہندوستان کے استحصال کی تحریک جتنی زیادہ زور پکڑتی گئی اتنا ہی ہندوستان کے باشعور طبقہ میں انگریزوں کے خلاف نفرت وحقارت کے جذبات بڑھتے لگے اور وہ اپنا کھویا ہوا وقار پھر سے حاصل کرنے کیلئے سرگرداں ہو گئے ۔ ہندوستانی عوام نے اپنے تمام عیوب ونقائص کے باوجود اپنے استحصال کے خلاف انگریزوں سے لڑنے کیلئے اپنی صفوں کو آراستہ کیا اور غم وغصہ کو ظاہر کرنے اور انگریزی اقتدار کو ختم کرنے کیلئے 1857ء میں مسلح انگریزوں سے جہاد کیا ۔یہ مسلح جہاد کامیابی کے ساتھ روہیلکھنڈ میں لڑا گیا ۔روہیلکھنڈ میں اس جہاد کی قیادت **جنرل بخت خان** کے سپرد کی گئی ۔ جہاد کو عملاً کامیاب بنانے کیلئے ایک جہاد کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں سرفہرست **امام العلما مولانا رضا علی خان، علامہ فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا احمد اللہ شاہ، مولانا سید احمد مشہدی بریلوی** اور **مولانا نقی علی خاں بریلوی** کے نام آتے ہیں ۔اس جہاد کمیٹی کے متعلق علامہ عبدالحکیم اشرف لکھتے ہیں :۔

> "جہاد کمیٹی نے فتویٰ جہاد کی تشہیر کے بعد انگریزوں کے خلاف اقدام کرنے کیلئے جنرل بخت خاں کو مجاہدین کی فوج کا کمانڈر انچیف بنایا گیا ۔امام العلما مولانا رضا علی خاں جہاد کمیٹی کے

سرپرست تھے۔ جنرل بخت خاں اور خان بہادر خاں بھی
امام العلما کی ہدایت کے بنا کوئی اقدام نہیں کرتے تھے۔" [1]

جنگ آزادی کے ناکام ہونے کے بعد ہندوستانی معاشرہ ابتلا و آزمائش کے دور سے گزرنے لگا۔ انتقامی کاروائی کی گئی اور ہزاروں بے گناہ افراد کو شہید کر دیا گیا۔ علما و فضلا کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا گیا۔ محض شبہ کی بنیاد پر لوگوں کو گرفتار کیا گیا۔ ان پر بغاوت کے مقدمات چلائے گئے، کالے پانی کی سزائیں دی گئیں، جلاوطن کئے گئے۔ ابن الوقت، ضمیر فروش معاشرہ میں پیدا ہوئے جنہوں نے سرکار بہادر کے گن گائے اور جنہوں نے قوم سے غداری کی ان کو خطابات سے نوازا گیا اور عطیہ میں بڑی بڑی جاگیریں دی گئیں۔ ایسے روح فرسا دور میں **مولانا نقی علی خاں** رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی قوم کو بیدار کر کے عیسائیت کے اثرات سے قوم کو محفوظ رکھنے کیلئے سیف کے بعد قلم کا سہارا لیا۔ حقیقت میں اس دور میں ہندوستانی معاشرہ کی سب سے بڑی خدمت یہی تھی کہ عوام میں خود اعتمادی پیدا کی جائے اور احساس کمتری کو مزاج و فکر سے نکالا جائے تا کہ عوام فکری طور پر انگریزوں سے مورچہ لینے کیلئے تیار ہوں۔ **مولانا نقی علی خاں** رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ مولانا بریلوی نے ہندوستانی عوام کو عزم دیا، حوصلہ دیا اور خود کفیل بننے کا سہارا دیا۔ مغربیت کے طوفان سے بچانے کیلئے انہوں نے مسلمانوں کو ذہنی و فکری اعتبار سے تیار کیا۔ انگریزوں نے پہلی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد اپنے ظلم و تشدد کا سب سے زیادہ نشانہ مسلمانوں کو بنایا کیونکہ اس جنگ کے بانی وہی تھے اور وہی قائد بھی۔ انگریزوں کو مستقبل میں اگر کوئی خطرہ پیدا ہو سکتا تھا تو وہ سب سے بڑا خطرہ مسلمانوں سے ہی تھا۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے اور آپس میں دست و گریبان رکھنے کیلئے ضمیر فروشوں کی ایک ٹولی بنائی جنہوں نے جدید طریقے تراشے اور مسلمانوں میں ان کو عام کرنے کی کوشش کی

اسلام سے لوگوں کو بددل کرنے کیلئے انگریزوں نے بہائی تحریک کو بڑھاوا دیا، فروعی مسائل کو بنیاد بنا کر اختلافی ہنگامے کرائے تا کہ مسلم قوم آپسی انتشار میں سرگرداں رہے اور انگریزوں کی طرف

---

[1] مشعل راہ مرتبہ: عبدالحکیم اشرف مطبوعہ: کراچی پاکستان ص 125

منہ اٹھا کر نہ دیکھ سکے۔اس کے ساتھ ہی مسلمانوں میں مغربیت کو فروغ دینے کیلئے ترقی کے نام پر تحریکیں چلائی گئیں۔مولانا نقی علی خاں ﷫ نے انگریزوں کی ان چالوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔مسلمانوں میں نئے عقائد کی تبلیغ روکنے کیلئے اور اثرات زائل کرنے کیلئے آپ نے "اصول الرشاد "،"ازالۃ الاوھام "وغیرہ کتابیں تصنیف کیں اور عقائد فاسدہ کو مسلم معاشرہ میں پرورش پانے سے روکا۔انگریزی تعلیم کے مضر اثرات سے قوم کو بچانے کیلئے "فضل العلم و العلما" تحریر کی

عیسائیت کی طرف حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت مقدسہ پر نازیبا حملے کیے گئے آپ نے ان کا جواب "سرور القلوب فی ذکر المحبوب" لکھ کر دیا۔ہندوستانی عوام میں انگریزوں کے اقبال کو بلند کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔اس کے ساتھ ہی ہندوستانی عوام بالخصوص مسلمانوں کو انگریزوں کی سازشوں سے محفوظ رکھنے کیلئے ارباب علم وفکر ودانش سرگرم رہے جن میں مولانا نقی علی خاں کا نام سرفہرست آتا ہے۔انہیں دانشوران قوم کی سعی کا ثمرہ تھا کہ انگریزی دور اقتدار میں بھی مسلمانوں نے اپنی دینی واسلامی انفرادیت کو محفوظ رکھا اور انگریزوں کے خلاف جذبہ حقارت باقی رکھا۔یہی وہ سعی تھی جو آگے جا کر پروان چڑھی اور بعد کو جدید فکری تقاضوں کے تحت جنگ آزادی کی لڑائی کا باعث بنی۔حقیقت یہ ہے کہ 1857ء میں پہلی جنگ آزادی کے ناکام ہونے کے بعد سے 1947ء میں ملک آزاد ہونے تک نوے سالہ دور گزرا جس میں ملک کے عوام نے اپنے ملک کو آزاد کرانے کیلئے خود کو سنبھالا۔اس طرح جس کام کا آغاز مولانا نقی علی خاں ﷫ نے اپنی حیات میں کیا تھا اس کا انجام 1947ء میں آزادی کی نعمت کے طور پر ہندوستان کے عوام کو ملا۔

انیسویں صدی کے عوائل میں اردو نثر ونظم کے معیاری ترجمے اور تخلیقات معرض وجود میں آچکی تھیں۔اردو زبان میں زیادہ کام تفریح طبع کیلئے قصے اور کہانیوں پر مبنی ادب تیار ہوا۔شعرا نے بھی داد سخن ادا کی۔عربی کی طرف عوام کا رجحان ختم ہو چکا تھا۔فارسی زبان کا چلن خواص تک محدود ہو گیا تھا۔پھر بھی فارسی وعربی دینی مدارس میں پڑھائی جاتی رہی جو عوام کی زبان نہ رہ کر علما وخواص تک محدود

ہو چکی تھی۔ میر امن نے جس کام کا آغاز کیا تھا وہ انیسویں صدی کی پہلی دہائی میں بھی جاری رہا۔

مثلاً بینی نرائن نے 1811ء میں فارسی قصہ کا اردو ترجمہ "**چھار گلشن**" کے نام سے کیا۔ اس کے ساتھ ہی اردو نثر میں مذہبی کتابوں کے ترجمے اور کچھ تخلیقات بھی معرض وجود میں آئیں۔ خلیل علی خاں اشک نے "اکبر نامہ" کا ترجمہ "واقعات کربلا" کے نام سے کیا۔ کاظم علی خاں جوآن نے اردو میں قران شریف کا ترجمہ اور فارسی زبان میں لکھی گئی "تاریخ فرشتہ" کا اردو میں ترجمہ کیا۔ 19ویں صدی کی تیسری دہائی میں دینی و مذہبی کتابوں کی تصنیفات کا رجحان زیادہ بڑھ گیا۔ شاہ ولی اللہ کی "ازالۃ الخلفا" ان کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین کا قرآن شریف کا ترجمہ اور ان کے تیسرے صاحبزادے شاہ عبدالقادر کا ترجمہ قرآن شریف اور قرآن کی تفسیر "موضوع القرآن" کے نام سے اردو میں لکھی گئیں۔ 19ویں صدی کے نصف کا دور آتے آتے اردو اخبارات بھی کافی تعداد میں شائع ہونے لگے۔ بریلی سے بھی "عمدۃ الاخبار" شائع ہوا جس کے ایڈیٹر لکشمن پرساد تھے۔ اس اخبار کے متعلق گارساں دتاسی لکھتے ہیں۔

> "اخبار مذکور میں حقیقی ادبی دلچسپی کے مضامین
> ہوتے تھے۔ مثلاً ایک مضمون میں لکھنؤ اور
> دہلی کے اردو کا مقابلہ کیا گیا تھا۔" [1]

19ویں صدی کا نصف عہد گزرنے کے بعد اردو نظم ونثر میں قصے کہانیاں لکھنے کا رواج کم ہوا اور مذہبی کتابوں کی تصنیف، تالیف وترتیب میں قابل قدر اضافہ ہوا۔ سر سید احمد خاں اور ڈپٹی نذیر احمد وغیرہ نے معاشرہ کی اصلاح اور جدید علوم کی ترویج واشاعت کا بیڑہ اٹھایا جس کے تحت اردو کے ادیبوں نے مذہب اور اصلاح معاشرت وغیرہ موضوعات پر قلم اٹھایا۔ سر سید نے علیگڑھ انسٹی ٹیوٹ سے "تہذیب الاخلاق" جیسے معیاری رسائل شائع کیے اس کے علاوہ "آثار الصنادید"، تاریخ ضلع بجنور، تاریخ سرکشی بجنور، اسباب بغاوت ہند جیسی تاریخی وسیاسی تصنیفات شائع کر کے اہل اردو میں تاریخ

---

[1] گارساں دتاسی کے تمہیدی خطبے — انجمن ترقی، اردو۔ دھلی ص 140

نویسی کے رجحان کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ سر سید نے خطبات احمدیہ، تفسیر قرآن، تفسیر انجیل وفوز مبین وغیرہ مذہبی، دینی کتب اردو میں لکھیں۔

مولانا حالی نے حیات سعدی اور یادگار غالب کے بعد حیات جاوید لکھ کر اہل اردو کو سوانح نگاری کے نئے اسلوب سے آشنا کرایا۔ اردو میں سب سے زیادہ دینی، مذہبی اور اسلامی کتب تحریک وھابیہ کی حمایت اور اسکی رد میں لکھی گئیں۔ ہندوستان میں علما نمایاں طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ انتہائی مختصر تعداد وہابی تحریک کی حمایت پر کمر بستہ تھی اور علمائے ہند کی کثیر تعداد اس تحریک کے مدمقابل صف بستہ ہو گئی۔ چنانچہ اپنے اپنے موقف کی حمایت میں دونوں گروہوں کے علما نے اردو نثر میں کتابیں لکھیں۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی جو ہندوستان میں اس تحریک کے محرک تھے۔ "تقویت الایمان" اور ان کے روحانی استاد سید احمد رائے بریلوی نے "ترغیب جہاد"، "ہدایت المومنین" اور "نصیحت المومنین" لکھیں۔ جس کے جواب میں علمائے فرنگی محل نے "الکلام المتین فی تحریر الراحین"، "مفید الجائفین"، "تحفۃ الاخیار"، "تذکرۃ الرشید" وغیرہ لکھیں۔ مولینا عبدالحلیم فرنگی محلی نے رسالہ "نورالایمان فی آثار حبیب الرحمن" تصنیف کیا۔ ان کے علاوہ عبدالباقی فرنگی محلی، مولینا فضل حق خیر آبادی، مولینا فضل رسول بدایونی وغیرہ علما نے تحریک وھابیت کے رد میں کتابیں لکھ کر اردو ادب کے سرمایہ میں اضافہ کیا۔

شمالی ہند کے علاوہ بنگال سے بھی "شرح الصدور"، صوبہ پنجاب سے "اعلائے کلمۃ اللہ" جنوب سے "تحفہ ، محمدیہ"، سلہٹ (آسام) سے "رد بعقول" صوبہ سرحد سے "احقاق حق" شائع کیں الغرض مولینا نقی علی خاں کے عہد تک اردو نثر میں تفسیر، اصول تفسیر، عقائد فقہ واصول فقہ وغیرہ موضوعات پر اردو میں کافی لٹریچر تیار ہو چکا تھا۔

مولانا نقی علی خاں ﷫ نے بھی رد وھابیہ میں کافی نمایاں کام کیا۔ آپ نے اس تحریک کی رد میں کتب تصنیف کیں اور بریلی واس کے گردونواح میں مذہبی روح پھونکی۔ علماوفضلا دینی ومذہبی

کتب تصنیف کرنے میں مصروف تھے۔علما چاہتے تھے نئے سیاسی نظام، مغربی طرز معاشرت اور تہذیب وتمدن سے عوام کو بچانے کیلئے دینی اور اسلامی ماحول بنانا انتہائی ضروری ہے۔اس اہمیت کے مدنظر علما نے سارا زورِ قلم مذہبی کتب تصنیف کرنے میں صرف کیا۔لیکن اس کے ساتھ ہی شعرا اور ادبا نے بھی اردو زبان وادب کی خدمت اپنا نصب العین بنایا۔

بریلی کے شاعر بھی دیگر مقامات کے ادبا وشعرا کے ہم آواز رہے۔چنانچہ بریلی کے افق ادب پر جو ادیب وشاعر نمایاں نظر آتے ہیں ان میں نواب محبت خاں محبتؔ (متوفی 1809ء)، میر غلام علی عشرتؔ (متوفی 1821ء)، میر حسین شاہ حقیقت (متوفی 1834ء)، شیخ علی بہادر بیمارؔ (متوفی 1854ء)، نواب عبدالعزیز خاں عزیزؔ (متوفی 1891ء) اور نواب نیاز احمد خاں ہوشؔ کے نام نمایاں ہیں۔

میر غلام علی عشرتؔ نے والیِ رامپور نواب محمد سعد اللہ خاں کی فرمائش پر 1815ء میں "سحر البیان" لکھا۔152 اوراق پر مشتمل "سحر البیان" کا قلمی نسخہ رضا لائبریری۔رامپور میں موجود ہے۔"سحر البیان" ایک نثری داستان ہے جس میں شہزادہ یوسف اور شہزادی حسن آرا کی فرضی عشقیہ کہانی پیش کی گئی ہے۔عشرت زودگو شاعر بھی تھے۔انہوں نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔عشرت کے دیوان کا قلمی مخطوطہ رضا لائبریری۔رامپور میں موجود ہے۔

میر حسین شاہ حقیقتؔ بریلوی نے "صنم کدہ چین" 1795ء میں تصنیف کی۔جو جنوری 1847ء میں مطبع محمدی لکھنؤ سے شائع ہوئی۔یہ کتاب علم صنم بازی سے متعلق ہے جو حقیقتؔ بریلوی کے زمانے میں مروج تھا مگر اب معدوم ہے۔حقیقتؔ بریلوی نے اپنے بڑے بھائی سید محمد حسن شاہ ضبطؔ بریلوی کی فارسی تصنیف کا اردو نثر میں "جذب عشق" کے نام سے ترجمہ کیا۔اصل کتاب ایک سچے واقعہ پر مشتمل ہے۔حقیقتؔ بریلوی کی تیسری تصنیف فارسی کی کتاب "تحفۃ العجم" کے نام سے ہے۔غالباً یہ لغت غیر مطبوعہ ہی رہی کیونکہ مطبوعہ نسخہ کا ہنوز سراغ نہ مل سکا۔اس لغت کا مخطوطہ 1848ء

میں تیار کیا گیا تھا جو آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے حبیب گلکشن میں موجود ہے۔ حقیقت بریلوی کی ایک اور تصنیف "خزینۃ الامسال" ہے جو 1854ء میں مطبع مصطفائی لکھنو سے شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ "تذکرہ احبا" کے نام سے انہوں نے اپنے ہم عصر کاملین کا ایک تذکرہ لکھا۔ یہ تذکرہ ہم دست نہیں ہوا۔ "تذکرہ احبا" کا ذکر "تذکرہ خوش معرکہ زیبا" میں ہے۔

حقیقت بریلوی کی نثری کاوش "مثنوی ھفت گلزار" 1851ء میں لکھنو سے شائع ہوئی جس میں 1476 اشعار ہیں۔ اس کے علاوہ مثنوی "ھیرا من طوطا" 1852ء میں کانتھ پریس لکھنو سے شائع ہوئی۔ یہ مثنوی عشقیہ قصہ پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد علم یوگ پر ہے۔ یہ بریلی کی پہلی مثنوی ہے جو باتصویر شائع ہوئی۔ حقیقت بریلوی قادرالکلام شاعر تھے۔ ان کا دیوان غزل، مزاح، رباعی، خمسہ، مثلث، قطعہ وغیرہ اقسام شعر پر مشتمل ہے۔ حقیقت کا یہ دیوان غالباً شائع نہیں ہوا کیونکہ اس کے مطبوعہ نسخہ کا سراغ نہیں ملتا ہے۔ حقیقت کے دیوان کا قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو، کراچی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ جس کا سائز 1/2 /"8 x "6 ہے اور تعداد صفحات 158 ہے۔ ہر صفحہ میں گیارہ سطریں ہیں۔

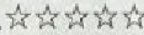
علی بخش بیمار بریلوی نے "بوستان خیال" کا "طلسم بیضا" کے نام سے 1856ء میں ترجمہ کیا۔ اس کا مخطوطہ رضا لائبریری۔ رامپور میں موجود ہے۔

نواب عبدالعزیز خاں عزیز بریلوی بلند پایہ شاعر اور جید عالم تھے۔ انہوں نے "سیل بخشش"، "آئینہ آخرت"، "جزو مدر" اور "مجالس العلوم" کے نام سے چار کتابیں لکھیں جن کا موضوع مذہبی عقائد اور مسائل ہے۔ "مجالس العلوم" کا قلمی نسخہ رضا لائبریری۔ رامپور میں موجود ہے۔ انہوں نے ملا حسن کاشی کے "ھفت ھند" کا اردو نظم میں ترجمہ "ھفت کوکب" کے نام سے کیا جو 1872ء میں شائع ہوا۔

نواب نیاز احمد خاں ہوش بریلوی فن شاعری میں طاق اور شہرہ آفاق تھے۔ علم ہندسہ، ہیئت

کے بھی ماہر تھے۔ ان کی چار تصنیفات ملتی ہیں۔ "حدیقہ، نعت"، "تاریخ روہیلکھنڈ"، "کلیات ہوش" اور "مثنوی ترانہ ہوش"۔ کلیات ہوش 1894ء میں مطبع گلشن فیض لکھنؤ سے شائع ہوا۔ انہوں نے ایک رسالہ گلدستہ ہوش افزا بھی شائع کیا جس کی طباعت مطبع نظامی کانپور سے ہوئی۔

اس طرح واضح ہوتا ہے کہ علما و مشائخ کا رجحان اردو میں مذہبی لٹریچر شائع کرنے کا رہا۔ ادیبوں اور شاعروں کی کاوشوں سے بھی معیاری ادبی و شعری تخلیقات معرض وجود میں آئیں۔



3







باب سوم

مولانا نقی علی خاں کی حیات و شخصیت

باب سوم

مولانا نقی علی خاں کی حیات وشخصیت

انیسویں صدی کا ابتدائی دور ہندوستانیوں اور خصوصاً مسلمانوں کیلئے انتہائی پر آشوب دور تھا۔ مسلمانوں میں نئی نئی تحریکیں جنم لے رہی تھیں جو مسلمانوں کو کافر ومشرک اور بدعتی بنانے میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں، مسلمان زبردست کشمکش کا شکار تھے۔ ایک طرف پوری ملت اسلامیہ مذہبی خانہ جنگی کا شکار تھی۔ کفر وشرک و بدعت کے شور وغوغا سے پورا مذہبی ماحول گرد آلود تھا۔ دوسری جانب انگریز مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے اپنے اقتدار کے مواقع بڑھا رہے تھے۔ یہ ماحول مسلمانوں کیلئے انتہائی کسمپرسی کا تھا۔ مسلمانوں کے جو نامور علما اور دانشور تھے ان میں سے بیشتر جہاد آزادی میں کام آگئے تھے اور جو باقی بچے وہ اس مذہبی اور سیاسی بحران سے ملت اسلامیہ کو بچانے میں مصروف ہو گئے۔

اس مسلم مخالف طوفان کو روکنے کیلئے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جسے علوم نقلی وعقلی دونوں میں پوری دستگاہ حاصل ہو اور تمام علوم وفنون میں ممتاز مقام رکھتا ہو۔ جو ایک جانب توحید کی شمع روشن کرے تو دوسری جانب فخر کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و وارفتگی کا پرچم لہرائے اور نئی نئی مسلم کش تحریکوں کا منہ توڑ جواب دے سکے۔ انیسویں صدی کی تیسری دہائی کے آخری سال میں ایک ایسی ہی گراں مایہ اور عبقری شخصیت نے اس دنیائے آب وگل میں قدم رکھا جسے عالم اسلام مولانا مفتی نقی علی خاں کے نام سے جانتا ہے۔

امام العلما مولانا مفتی رضا علی خاں کے فرزند مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت مسلخ جمادالآخر یا غرہ رجب ۱۲۴۶ھ مطابق 1830ء کو بریلی کے محلہ ذخیرہ میں ہوئی۔ [1] آپ نے جملہ علوم وفنون کی تعلیم اپنے والد ماجد امام العلما مولانا رضا علی خاں سے حاصل کی۔ آپ ایام طفلی سے ہی پرہیزگار اور متقی

---

[1] تقویم جواہر البیان فی اسرار الارکان از: امام احمد رضا فاضل بریلوی ص ۲۵۶

تھے کیوں کہ آپ امام العلما مولانا رضا علی خاں ﷫ کے زیر تربیت رہے جو نامور عالم اور عارف باللہ بزرگ تھے جنکی پرہیز گاری کا جوہر مولانا نقی علی خاں کو ورثہ میں ملا تھا اور پھر بفضل ایزدی میلان طبع بھی نیکی کی طرف تھا۔ مولانا نقی علی خاں علم وعمل کے بحر ذخار تھے۔ آپ کی ذات مرجع خلائق وعلما تھی۔ آپ کی آرا واقوال کو علمائے عصر ترجیح دیتے تھے کثیر علوم میں تصنیفات مطبوعہ وغیر مطبوعہ آپ کے علم وفضل کی شاہد ہیں۔ مولانا نقی علی خاں ﷫ مندرجہ ذیل علوم پر کامل دسترس رکھتے تھے۔

علم قرآن	تاریخ	اخلاق	ہندسہ
علم تفسیر	لغت	اسماالرجال	علم العقائد والکلام
حدیث	ادب (مع جملہ فنون)	بدیع	علم نحو
اصول حدیث	تکسیر	منطق	علم صرف
سلوک	فلسفہ	ہیأت وحساب	معنی وبیان
تصوف	سیر	علم فرائض	قرأت
مربعات	علم جفر	علم زائچہ	علم توقیت
نظم عربی	نظم فارسی	نظم اردو	نثر عربی
نثر فارسی	نثر اردو	خط نسخ	خط نستعلیق
تلاوت مع تجوید	علم معانی وبیان	فقہ حنفی	فقہ جملہ مذاہب
اصول فقہ	جدل مہذب	مناظرہ [1]	

آپ درج بالا تینتالیس علوم وفنون کے علاوہ منطق وفلسفہ کے بھی ماہر تھے۔ آپ کی بہت سی تصانیف غیر مطبوعہ ہیں۔ بعض کے موادات ملے جن کے اول وآخر یا وسط کے اجزا گم ہو گئے تھے۔ اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ موادت کتب کن علوم وفنون سے متعلق تھے۔

مولانا نقی علی خاں ﷫ کا مطالعہ انتہائی وسیع تھا۔ آپ کے تبحر علمی کا اعتراف آپ کے ہم عصر

---

[1] حیات مفتی اعظم ہند از: مرزا عبدالوحید بیگ ناشر: ادارہ تحقیقات و تصنیفات مفتی اعظم بریلی ص 34-35

علما نے بھی کیا۔آپ عالم اسلام کی ان مقدس ترین شخصیتوں میں سے ہیں جنھوں نے تاحیات علم وعرفان کے دریا بہائے۔آپ نے زبان وقلم کے ذریعہ اشاعت دین اور ناموس رسالت کیلئے جہاد پیہم کیا۔آپ کے علم وفضل کی شہادت کیلئے آپ کی تصانیف شاہد وعادل ہیں۔عوام وخواص کی رشد وہدایت کیلئے آپ کے چند جملے لمبی لمبی تقریروں اور کئی کئی صفحات پر بھاری ہوتے تھے۔

ایک بار امام احمد رضا فاضل بریلوی نے نہایت پیچیدہ مسئلہ کا حکم بڑی کوشش وجانفشانی سے لکھا اور اس کی تائید مع تنقیح آٹھ اوراق میں جمع کیں۔جب امام احمد رضا نے اپنا لکھا ہوا فتویٰ مولانا نقی علی خاں ﷫ کے سامنے پیش کیا تو مولانا نے کوئی ایسا جملہ بتایا جس سے یہ سب ورق رد ہو گئے۔اس طرح کے جملوں کا اثر خود اعلیٰحضرت مجدد امام احمد رضا﷫ کے الفاظ میں:۔

"وہی جملے اب تک قلب میں پڑے ہوئے ہیں اور قلب میں اب تک ان کا اثر باقی ہے۔" [1]

مولانا نقی علی خاں کے علم وفضل، انکی تبحر علمی اور جامعیت کا اندازہ امام احمد رضا کی اس ہدایت سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے اپنے شاگرد مولانا احمد اشرف کچھوچھوی کو کی تھی۔امام احمد رضا بیان کرتے ہیں۔

"رد وہابیہ اور افتا یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے۔ان میں بھی طبیب حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے۔میں بھی ایک طبیب حاذق (مولانا نقی علی خاں) کے مطب میں سات برس بیٹھا ہوں۔" [2]

اس طرح مولانا نقی علی خاں﷫ علم وعرفان کا مخزن اور رشد وہدایت کا شاہکار نظر آتے ہیں۔قلمی طور پر آپ نے دین مبین کیلئے جو کارنامے انجام دیئے وہ رہتی دنیا تک آپ کے علم وفضل کی شہادت دیتے رہیں گے۔

---

[1] الملفوظ (حصہ اول) از: مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خاں مطبوعہ: مکتبہ رضاء، بریلی ص 85

[2] ماہنامہ سنی دنیا بریلی۔ شمارہ فروری، مارچ 94۔ مکتبہ رضاء، بریلی، ص 54

عقد اور اولاد

مولانا نقی علی خاں کی شادی مرزا اسفند یار بیگ لکھنوی کی دختر حسینی خانم کے ساتھ ہوئی تھی۔ مرزا اسفند یار بیگ کا آبائی مکان لکھنو میں تھا مگر آپ نے مع اہل وعیال بریلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔آپ مسلکاً سنی تھے۔[1]

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ ذیل اولادیں یادگار تھیں۔

1 : احمدی بیگم زوجہ غلام دستگیر عرف محمد شیر خاں خلف محمد عمران خاں

2 : اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ

3 : مولانا حسن رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ

4 : حجاب بیگم زوجہ وارث علی خاں

5 : مولانا محمد رضا خاں

6 : محمدی بیگم زوجہ کفایت اللہ خاں خلف عطا اللہ خاں

احمدی بیگم امام احمد رضا خاں سے عمر میں بڑی تھیں۔آپ کا نکاح یکم ربیع الاول ۱۲۸۴ھ کو غلام دستگیر خاں عرف محمد شیر خاں خلف محمد عمران خاں سے ہوا جو محلہ جسولی بریلی کے رہنے والے تھے۔[2] احمدی بیگم کے دو فرزند مولوی علی احمد خاں اور مولوی علی محمد خاں تھے اور ایک دختر محمودی جان تھیں جن کا عقد مولوی حشمت اللہ تلمیذ مولانا نقی علی خاں سے ہوا تھا۔مولوی حشمت اللہ خاں علیگڑھ میں ڈپٹی کلکٹر تھے اور ریٹائر ہونے کے بعد بریلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔محمودی جان کے ایک فرزند محمد اسحٰق اللہ خاں عرف پیارے میاں بیرسٹر پروفیسر علیگڑھ تھے۔

احمدی بیگم کے فرزند اکبر علی احمد خاں لاولد فوت ہوئے اور دوسرے فرزند علی محمد خاں کے

---

[1] ماہنامہ سنی دنیا بریلی۔ شمارہ فروری، مارچ 94ء۔ مکتبہ رضا، بریلی، ص 54

[2] قلمی دستاویز نکاح دختر مولانا نقی علی خاں

صرف ایک دختر ذکیہ سلطانہ تھیں۔

2۔ مولانا نقی علی خاں ﷫ کے فرزند اکبر اعلیٰحضرت مجدد امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی تھے۔آپ کا نکاح شیخ فضل حسین عثمانی کی دختر ارشاد بیگم کے ہمراہ ہوا تھا۔شیخ فضل حسین عثمانی کی زوجہ یعقوبی جان تھیں جو غلام فرید خاں کی دختر تھیں۔غلام فرید خاں، غلام دستگیر خاں کے بیٹے تھے۔غلام دستگیر خاں شہزادہ مکرم خاں کے بیٹے تھے۔شہزادہ مکرم خاں، محمد اعظم خاں رحمۃ اللہ علیہ کے برادر اصغر تھے۔

امام احمد رضا خاں کے دو فرزند تھے۔پہلے فرزند مولانا حامد رضا خاں جو حجۃ الاسلام کے نام سے معروف ہوئے اور دوسرے فرزند محمد مصطفےٰ رضا خاں تھے جو مفتیءاعظم ہند کے نام سے مشہور ہوئے

مولانا حامد رضا خاں کی شادی کنیز عائشہ کے ساتھ ہوئی تھی جو مولانا نقی علی خاں کی دختر حجاب بیگم کی بیٹی تھیں۔مفتیءاعظم محمد مصطفےٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا عقد اپنے چچا مولانا محمد رضا خاں کی دختر فاطمہ بیگم کے ساتھ ہوا تھا۔جنکے ایک فرزند انوار رضا خاں ۶ جمادی الاول ۱۳۵۰ھ ہفتہ کے دن ظہر کے وقت پیدا ہوئے۔ایک سال آٹھ ماہ تین دن کی عمر میں ۹ محرم ۱۳۵۲ھ کو شب میں وصال ہوا اور اپنے پردادا مولانا نقی علی خاں کی پائنتی دفن کئے گئے۔مولانا مصطفےٰ رضا خاں مفتیءاعظم ہند کی سات دختران تھیں۔جن میں سے ایک صفیہ بیگم یکم ذوالحجہ ۱۳۴۸ھ کو پیدا ہوئیں اور ۷ محرم ۱۳۵۲ھ بروز بدھ ساڑھے بارہ بجے دن فوت ہوئیں اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن کی گئیں۔

بقیہ چھ دختران (۱) نگار فاطمہ (۲) انوار فاطمہ (۳) برکاتی بیگم (۴) رابعہ بیگم (۵) ہاجرہ بیگم (۶) شاکرہ بیگم ہیں اور صاحب اولاد ہیں۔

امام احمد رضا خاں کی پانچ دختران تھیں۔(۱) مصطفائی بیگم زوجہ حاجی شاہد علی خاں۔دوسری دختر کنیز حسن تھیں جن کا عقد حمید اللہ خاں بن احمد اللہ خاں سے ہوا تھا جو رئیس اعظم شہر کہنہ کفایت اللہ خاں کے بیٹے تھے۔تیسری دختر کنیز حسین کا عقد حکیم حسین رضا خاں ابن مولانا حسن رضا خاں کے ہمراہ ہوا

تھا۔ کنیز حسین کا انتقال امام احمد رضا خاں کے وصال کے ۲۱ دن بعد ہوا۔ چوتھی دختر کنیز حسنین کا عقد مولانا حسنین رضا خاں خلف مولانا حسن رضا خاں حسنؔ کے ساتھ ہوا۔ پانچویں دختر مرتضائی بیگم کا عقد مجید اللہ خاں ابن احمد اللہ خاں ابن حاجی کفایت اللہ خاں رئیس شہر کہنہ روہلی ٹولہ کے ساتھ ہوا۔

3۔ مولانا نقی علی خاں بریلوی ﷫ کے فرزند اوسط مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی کی شادی اصغری بیگم دختر علیم اللہ خاں بن شاہ اعظم خاں بن معظم خاں بن سعادت یار خاں بن شجاعت جنگ سعد اللہ خاں کے ہمراہ ہوئی۔ آپ کے تین فرزند (۱) مولانا حکیم حسین رضا خاں (۲) مولانا حسنین رضا خاں (۳) فاروق رضا خاں پیدا ہوئے۔ فاروق رضا خاں لاولد فوت ہوئے۔ حکیم حسین رضا خاں نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی امام احمد رضا خاں کی دختر کنیز حسن سے ہوئی اور دوسری شادی مولانا حامد رضا خاں کی دختر ام کلثوم سے ہوئی۔

4۔ حجاب بیگم زوجہ وارث علی خاں کے دو فرزند اور تین دختران تھیں۔ فرزند اکبر واجد علی خاں تھے۔ دوسرے فرزند شاہد علی خاں تھے

5۔ مولانا نقی علی خاں ﷫ کے فرزند اصغر مولانا محمد رضا خاں عرف ننھے میاں تھے۔ ابھی آپ کمسن ہی تھے کہ والد ماجد مولانا نقی علی خاں کا انتقال ہوگیا۔ آپکی پرورش اور تعلیم وتربیت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے کی۔ مولانا محمد رضا خاں کی ایک دختر فاطمہ بیگم تھیں جنکا عقد مفتیء اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں سے ہوا۔

6۔ محمدی بیگم کا عقد کفایت اللہ خاں خلف عطا اللہ خاں سے ہوا تھا۔

تذکرۂ پسران

مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ کے تین فرزند تھے جن کے اہل وعیال کا تذکرہ مندرجہ بالا ہو چکا ہے۔ یہاں ہم تینوں پسران کا تفصیلی ذکر کر رہے ہیں۔

اعلیٰحضرت مجدد امام احمد رضا خاں رضی اللہ عنہ

مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ کے فرزند اکبر اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کی ولادت ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق 14 جون 1856ء بروز شنبہ ظہر کے وقت شہر بریلی کے محلّہ ذخیرہ میں اپنی والی مسجد کے پاس آپکے آبائی مکان میں ہوئی۔ [1] آپ کے جد امجد مولانا رضا علی خاں نے آپکا نام احمد رضا تجویز فرمایا۔ [2] آپ کا بچپن بہت ناز ونعم میں گزرا۔ آپ فطری طور پر بہت ذہین تھے اور حافظہ بہت زبردست تھا حقیقت یہ ہے کہ آپ کا بچپن پاکیزہ اخلاق، اتباع سنت اور حسن سیرت سے مزین تھا۔ شروع سے ہی آپ کی پیشانی پر سعادت وارجمندی کے آثار نمایاں تھے۔

تعلیم وتربیت:

آپ کی ذہانت وفطانت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے صرف چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کر لیا تھا اور چھ سال کی عمر میں ماہ ربیع الاول شریف میں بہت بڑے مجمع کے سامنے میلاد شریف پڑھا۔ چودہ سال کی عمر میں تمام علوم درسیہ معقول ومنقول کی تکمیل اپنے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں سے کی۔ ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ کو فاتحہ فراغ ہوا۔ اسی دن رضاعت کے ایک مسئلہ کا جواب لکھ کر والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا جو بالکل صحیح تھا۔ اسی دن فتویٰ نویسی کا کام سپرد کیا جو تاحیات جاری رہا۔ آپ نے فتویٰ نویسی کے کام میں اپنی انفرادیت اور نمایاں حیثیت سبھی اہل علم سے منوالی۔ آپ نے ابتدائی کتب جن اساتذہ سے پڑھیں ان میں مرزا مولوی غلام قادر بیگ بریلوی

---

[1] الملفوظ (جلد اول) از: مفتی اعظم مصطفیٰ رضا خاں مکتبہ رضاء بریلی ص ۱۵

[2] سوانح اعلیٰ حضرت از: مولوی بدرالدین احمد رضا اسلامک مشن، بریلی ص ۷۷

ہیں۔ان سے آپ نے میزانِ منشعب کی تعلیم حاصل کی باقی تمام درسی کتابیں اپنے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ سے پڑھیں۔ان کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالعلی رامپوری، سید شاہ ابوالحسین نوری، سید شاہ آل رسول مارہروی، شیخ احمد بن زین دحلان مکی، شیخ عبدالرحمٰن مکی و شیخ حسین بن صالح ہیں۔ [1] امام احمد رضا کی تعلیم کے سلسلہ میں بعض لوگ غلط بیانی سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام احمد رضا نے فلاں مدرسہ میں تعلیم حاصل کی یا فلاں مولوی سے پڑھا وغیرہ اسی طرح بریلی کالج بریلی کے فارسی کے استاد ایم۔ایم جلالی نے اپنی کتاب "خرمن شعور" میں لکھا ہے کہ امام احمد رضا خاں نے مصباح العلوم بریلی میں درس لیا جو بالکل غلط، تحقیق کے خلاف اور بے بنیاد ہے۔ایم۔ایم۔جلالی صاحب لکھتے ہیں:۔

> مدرسہ مصباح العلوم پورے ہندوستان میں مشہور تھا جس کی بابت معتبر روایت میں ہے کہ اسکی بنیاد مولوی قاسم نانوتوی نے رکھی تھی اور یہاں مفسر اعظم مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے عالمی شہرت کے حامل عرصہ دراز تک درس حدیث و قرآن دیتے رہے۔دنیائے اسلام کے قائد ملت اور امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں جیسے تبحیر تخصیص وجید عالم نے اسی مدرسہ میں فیض شعور وکمال حاصل کیا۔ [2]

جلالی صاحب نے امام احمد رضا خاں کا مدرسہ مصباح العلوم میں فیض وشعور حاصل کرنے کا کوئی ماخذ نہیں لکھا اور نہ ہی کوئی ثبوت پیش کیا ہے۔مصباح العلوم کا ابتدائی نام مصباح التہذیب ہے جو 1872ء میں قائم ہوا۔امام احمد رضا خاں نے ۱۲۸۶ھ/1869ء میں تقریباً چودہ سال کی عمر میں سند فراغت حاصل کر لی تھی۔اس طرح امام احمد رضا خاں نے مصباح التہذیب کے قیام سے تین سال قبل ہی فراغت کی سند حاصل کر لی تھی تو انہوں نے مصباح التہذیب میں کب اور کیسے تعلیم حاصل کی یہ بات سمجھ

---

[1] الاجازت المتینہ از:امام احمد رضا ناشر:ادارہ اشاعت تصنیفات، بریلی ص ۳۰۵ تا ۳۰۷

[2] خرمن شعور از: ایم۔ایم جلالی مطبوعہ بریلی ص ۷۶

سے باہر ہے۔اس کے علاوہ خود امام احمد رضا خاں نے اپنے اساتذہ کے جو اسمائے گرامی رقم فرمائے ہیں ان میں مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا شبیر احمد عثمانی کا کہیں ذکر نہیں ہے۔اس طرح یہ بات ثابت ہے کہ امام احمد رضا نے نہ ہی مصباح العلوم میں تعلیم حاصل کی اور نہ ہی مولوی شبیر احمد عثمانی اور مولانا قاسم نانوتوی آپکے استاد تھے۔

امام احمد رضا خاں نے علوم درسیہ کے علاوہ دیگر علوم وفنون کی بھی تحصیل کی۔حیرت یہ ہے کہ بعض علوم ایسے ہیں جن میں کسی استاد کی راہنمائی کے بغیر آپ نے خداداد ذہانت سے کمال حاصل کیا ایسے تمام علوم وفنون کی تعداد تقریباً چون ہے۔کئی فن اس میں ایسے ہیں کہ دور جدید کے بڑے بڑے محقق اور عالم انہیں جاننا تو درکنار شاید ان کے ناموں سے بھی واقف نہ ہوں گے۔ [1]

شرف بیعت

۵ جمادی الآخر ۱۲۹۴ھ کو اعلیٰ حضرت نے اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں بریلوی ﷫ اور مولانا عبدالقادر بدایونی کے ہمراہ خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف حاضر ہوکر سید شاہ آل رسول قادری برکاتی سے شرف بیعت حاصل کیا۔اسی مجلس میں شاہ صاحب نے آپ کو خلافت و جملہ اجازت سے سرفراز فرمایا۔ [2]

زیارت حج

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے پہلا حج اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں کے ہمراہ ۲۳ویں سال کی عمر میں 1878ء میں اور دوسرا حج اکیاون سال پانچ ماہ کی عمر میں 1905ء میں کیا۔ [3]

حرم مکہ میں امامت

دوران حج مکہ کے جلیل القدر علمائے حنفیہ مثلاً مولانا شیخ کمال مفتی حنفیہ، مولانا

---

[1] ماہنامہ قاری، دھلی (امام احمد رضا نمبر) ماہ اپریل 1989، ص 341

[2] حیات اعلیٰ حضرت از: مولانا ظفر الدین بھاری [3] الملفوظ ص 322

سید اسمٰعیل محافظ کتب حرم حنفی نماز کے وقت اپنی جماعت کرتے تھے جن میں وہ امام احمد رضا خاں کو امام بناتے تھے۔

سچے عاشق رسول

اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا خاں ﷫ سچے عاشق رسول تھے۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ عشق نبوی سے سرشار تھا، آپ کا سینہ عشق رسول کا گنجینہ تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

بحمد اللہ اگر قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں

تو خدا کی قسم ایک پر لا الہ الا اللہ اور

دوسرے پر محمد رسول اللہ ہوگا۔[1]

تاجدار علوم و فنون

تحریر، تدریس و تقریر یہ تینوں چیزیں ابلاغ و تبلیغ کا موثر ترین ذریعہ ہیں۔ امام احمد رضا نے تحریر کو سب سے زیادہ اہمیت دی اور پوری زندگی تصنیف و تالیف میں گزاری۔ آپ نے پچاس سے زیادہ علوم پر تقریباً ایک ہزار کتب تصنیف کیں۔ [2] عالم اسلام میں ایسا کوئی عالم نہیں گزرا جو اس قدر علوم و فنون پر دسترس رکھتا ہو۔ امام احمد رضا خاں اپنی ذات سے ایک یونیورسٹی تھے۔ یوں تو امام احمد رضا کے بہت سے علمی امتیازات ہیں لیکن مندرجہ ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

قرآنیات

اعلیٰحضرت مجدد امام احمد رضا خاں ﷫ کو اردو، عربی، فارسی پر پورا عبور حاصل تھا، آپ نے عشق و محبت کی زبان میں قرآن مقدس کا عدیم المثال اردو ترجمہ کیا جو اردو نثر کا عظیم شاہکار ہے۔ آپ کے ترجمہ قرآن مجید "کنز الایمان" میں حفظ مراتب کے ساتھ عشق رسول اس طرح جاری ہے جس

---

[1] امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں از: مولانا یسین اختر مصباحی مطبوعہ: مبارکپور ص 65

[2] تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ از: مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی مطبوعہ بنارس ص 107

طرح لہو شریانوں میں۔ یہ ترجمہ 1911ء میں پہلی بار منظر عام پر آیا۔ اس ترجمہ کی اہمیت وانفرادیت کا اندازہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد کے اس تبصرہ سے لگایا جاسکتا ہے:۔

''امام احمد رضا کا ترجمہء قرآن ''کنزالایمان'' اپنی مثال آپ ہے۔ کسی کتاب کا ترجمہ کرنا اتنا آسان نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے۔ حقیقت میں ترجمہ کرنا ایک سینہ سے دل نکال کر دوسرے سینہ میں رکھنا ہے۔ ظاہر ہے یہ کام آسان نہیں، پھر قرآن مقدس جیسی کتاب کا ترجمہ کرنا اور بھی مشکل ہے۔ ہر ترجمہ کیلئے یہ ضروری ہے کہ مترجم جس زبان کی کتاب کا ترجمہ کررہا ہے اور جس زبان میں کررہا ہے دونوں زبانوں کے نشیب وفراز سے باخبر ہو اگر وہ کتاب مترجم کے عہد سے بہت پہلے کی ہے تو پھر الفاظ کے ان معنی کا جاننا بھی بہت ضروری ہے جو اس عہد میں لئے جاتے تھے جس عہد میں کتاب سامنے آئی کیونکہ زمانے کے ساتھ ساتھ الفاظ کے تلفظ اور معنی میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔

اردو کے تمام مترجمین میں امام احمد رضا اس لئے فوقیت رکھتے ہیں کہ ان کا ذہنی افق نہایت وسیع تھا وہ نہ صرف اردو، عربی زبان داں اور ماہر تھے بلکہ ان علوم وفنون پر بھی دسترس رکھتے تھے جن سے قرآن بحث کرتا ہے۔ ایک مترجم قرآن وہ ہے جس کی نظر عربی، اردو وادب پر بھی ہے، لفظیات، لسانیات پر بھی ہے۔ فقہ پر بھی ہے۔ فلکیات، ریاضیات اور طبیعات

پر بھی الغرض 55 علوم وفنون پر دستگاہ رکھتا ہے

کنزالایمان میں امام احمد رضا کی ذہنی وفکری وسعت کا

اندازہ ہوتا ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ جب ایک صاحب علم و

عمل ترجمہ کرتا ہے تو برسوں کے مطالعات ومشاہدات اس

کے سامنے آتے چلے جاتے ہیں۔" [1]

امام احمد رضا خاں کا اردو ترجمہ قرآن "کنزالایمان" عالم اسلام میں انتہائی مقبول ہو چکا ہے اور اب اس کا ترجمہ دیگر زبانوں میں بھی ہو رہا ہے چنانچہ پاکستان میں پروفیسر شاہ فرید الحق صاحب نے کنزالایمان کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ لندن یونیورسٹی کے ڈاکٹر حنیف فاطمی نے انگریزی میں ترجمہ کیا جو مجلس رضا مانچسٹر کے تعاون سے قرآن کمپنی لاہور نے شائع کیا ہے۔

سائنسی بصیرت

اعلیٰحضرت مجدد امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کو سائنسی علوم پر بھی اتنا ہی عبور حاصل تھا جتنا دینی علوم پر۔ آپ کے سامنے چاہے کتنا ہی پیچیدہ سائنسی مسئلہ پیش ہوتا آپ اس کو فی الفور حل کر دیتے تھے اور سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی کہ کتابوں کی مدد کے بغیر اس مسئلہ کا حل پیش کر دیتے تھے۔ مثلاً

سان فرانسسکو (امریکہ) کے ایک سائنسدان پروفیسر البرٹ ایف۔ پورٹا کی یہ پیش گوئی کہ 17 دسمبر 1919ء کو آفتاب کے سامنے کئی ستاروں کا اجتماع ہوگا اور ان کی مجموعی کشش کے نتیجہ میں دنیا میں عموماً اور امریکہ میں خصوصاً زبردست تباہی مچے گی۔ یہ پیش گوئی ایکسپریس، بانکی پور، پٹنہ کے 28 اکتوبر 1919ء کے شمارہ میں شائع ہوئی۔

امام احمد رضا سے جب اس پیش گوئی پر استفسار کیا گیا تو آپ نے اس پیش گوئی کو لغو قرار دیا

---

[1] معارف رضا، کراچی شمارہ نہم۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی ص 107

اور اس کی رد میں اردو میں ایک سائنسی رسالہ بعنوان "معین مبین بھر دور شمس و سکون زمین" (۱۳۳۸ھ) تحریر کیا۔ دنیا نے دیکھا کہ البرٹ ایف۔ پوٹا کی پیش گوئی غلط ثابت ہوئی اور امام احمد رضا نے جو لکھا وہی ظہور میں آیا۔ اس رسالے کے علاوہ آپ نے آئن سٹائن اور آئزک نیوٹن کے خیالات کا بھی تعاقب کیا اور تین مزید سائنسی رسالے تحریر کئے اول الکلمۃ الملهمد دوم فوز مبین در رد حرکت زمین ۱۳۳۸ھ اور سوم نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان ۱۳۳۸ھ مطبوعہ لاہور۔ پاکستان

امام احمد رضا نے مذکورہ بالا سائنسدانوں کے نظریات کا رد کیا اور قرآن سے ثابت کیا کہ زمین ساکن ہے اور سورج و دوسرے سیارے زمین کے گرد گردش میں مصروف ہیں۔ علامہ اقبال اوپن یورنیورسٹی، اسلام آباد کے پروفیسر ابرار حسین نے "فوز مبین در رد حرکت زمین" کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے اور اس پر حواشی بھی لکھے ہیں۔ اٹلی کے طبیعات مرکز TRIEST میں اس کتاب کے بعض اوراق کا عکس موجود ہے۔ امام احمد رضا نے سائنس، ریاضی، کیمیا، طب وغیرہ علوم پر جو بھی کتابیں لکھیں وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں تحریر کیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ آپ کو قرآن مجید اور احادیث پر پورا عبور حاصل تھا اور اسی وجہ سے آپ نے قرآن اور سائنس کو کبھی علیحدہ نہیں کیا اور سائنس کے ہر موضوع پر لکھ کر یہ ثابت کیا کہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں تمام علوم وفنون موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا کسی علم وفن کو مذہب سے علیحدہ نہیں سمجھتے تھے اور اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ جب پروفیسر حاکم علی خاں (م 1944ء) نے جو اسلامیہ کالج، لاہور میں ریاضی کے پروفیسر تھے اور اپنے فن کے ماہرین میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے امام احمد رضا سے نظریہ حرکت زمین سے متعلق استفسار کرتے ہوئے ایک خط میں لکھا:۔

"غریب نواز کرم فرما کر میرے ساتھ متفق ہو جائیں
تو پھر انشاء اللہ سائنس کو مسلمان کیا ہوا پائیں گے"۔ ؎

؎ معارف رضا، کراچی شمارہ نہم ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی ص 89,90

امام احمد رضا نے جو جواب لکھا وہ مسلمان سائنسدانوں کیلئے انتہائی قابل غور ہے۔

''محب فقیر سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات ونصوص میں تاویلات دور ازکار کر کے سائنس کے مطابق کرلیا جائے یوں تو معاذاللہ اسلام نے سائنس قبول کی نہ کہ سائنس نے اسلام۔ وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اسے اختلاف ہے سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے۔ دلائل سائنس کو مردود و پامال کیا جائے جابجا سائنس کے اقوال سے اسلامی مسئلہ کا اثبات ہو سائنس کا ابطال و اسکات ہو۔ یوں قابو میں آئے گی اور یہ آپ جیسے فہیم سائنسدانوں کو باذنہ تعالیٰ دشوار نہیں۔'' [1]

فقہیات

اعلیٰحضرت مجدد امام احمد رضا ﷫ نے فقہی تحقیقات کا اعلیٰ معیار قائم کیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہ تمام تر بصیرت عطا فرمائی تھی جسکی ایک فقیہہ کو ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپکی خدمت میں جو بھی مسائل آتے تھے آپ ان کا محققانہ جواب تحریر فرماتے تھے۔ آپ کا ایک بہت بڑا کارنامہ فتاویٰ رضویہ ہے جو پانچ ہزار صفحات میں بارہ حصوں پر مشتمل ہے جس میں آپ نے فقہ حنفی کو نہایت مدلل انداز میں قلم بند کیا ہے فتاویٰ رضویہ کے بعد کسی دوسرے مجموعہ فتاویٰ کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ فتاویٰ رضویہ کا بہت بڑا حصہ اردو زبان میں ہے۔ اس سے قبل اتنا بڑا اور اتنا مدلل مجموعہ فتاویٰ اردو زبان میں شائع نہیں ہوا۔ اہم بات یہ ہے کہ امام احمد رضا سے جس زبان میں سوال کیا جاتا تھا آپ اسی زبان میں جواب دیتے تھے۔ بقول ڈاکٹر حسن رضا خاں

---

[1] معارف رضا، کراچی شمارہ نہم۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی ص 90,91

''اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا) کی بارگاہ میں جس زبان میں استفسار کیا جاتا تھا اسی زبان میں فتویٰ صادر فرماتے تھے حد یہ ہے کہ اگر کسی نے منظوم سوال کیا تو جواب بھی منظوم ہی دیا۔ منظوم سوال جس بحر میں ہے جواب کیلئے بھی اسی بحر کا اہتمام کیا گیا ہے۔ جس سے زبان پر قدرت اور قادرالکلامی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اعلیٰحضرت کی بارگاہ سے مندرجہ ذیل زبانوں میں جواب دیئے گئے (۱) اردو نثر و نظم (۲) فارسی (۳) عربی (۴) انگریزی۔'' ۱

مجدد امام احمد رضا کی فقیہانہ بصیرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے فتاویٰ میں دلائل کی کثرت ہے ایک ایک استفتا کے جواب میں دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے مسائل جدیدہ کا حل بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں بڑے استدلال کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مثلاً بعض مصنوعات میں شراب کی آمیزش یا کسی اور حرام چیز کی آمیزش کا شبہ ہو اس کا کیا حکم ہوگا؟ ٹیلیفون، ٹیلیگرام، ریڈیو وغیرہ کی خبروں کا اعتبار ہوگا کہ نہیں؟ ان سے قرآن حکیم کی تلاوت سننا اور آیت سجدہ پر سجدہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح حکومتوں کے تغیر سے ہندوستان وغیرہ کو دارالحرب مانا جائے یا دارالسلام؟ اس طرح کے ہزاروں مسائل کا حل امام احمد رضا نے بڑے دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔

امام احمد رضا کے دور کے مشاہیر علما وفقہا جو خود مرجع فتویٰ اور ماہر فقیہ تھے انہوں نے بھی امام احمد رضا سے استفادہ حاصل کیا۔ یہ سلسلہ پاک وہند تک ہی نہیں بلکہ حجاز مقدس تک کے علمائے کرام نے بھی استفادہ حاصل کیا۔ چنانچہ ۱۳۲۲ھ میں جب آپ دوبارہ حج کیلئے گئے تو حرم شریف میں قاضی مکہ مفتی حنفیہ، حضرت مولانا صالح کمال قدس سرہ نے علم غیب سے متعلق پانچ سوال کئے۔ آپ نے صرف آٹھ گھنٹے میں بغیر کسی کتاب کی مدد کے انتہائی مدلل جواب "الدولة المكيه بالمادات الغيبيه"

---

۱ فقیہ اسلام از: ڈاکٹر حسن رضا اسلامک پبلیکیشنز سینٹر، پٹنہ ص 168-162

رسالہ لکھا اس کے علاوہ حرم شریف میں ہی خطیب حرم مولانا عبداللہ اور مولانا حامد محمد احمد نے استفتا پیش کیے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے جواب میں قوت استدلال کو دیکھ کر مکہ معظمہ کے اکابر علما وفقہا بھی عش عش کرا ٹھے۔

امام احمد رضا اور عشق رسول

اعلیحضرت مجدد امام احمد رضا ﷺ سچے عاشق رسول تھے۔ آپ کی پوری زندگی عشق رسول کا آئینہ ہے۔ آپکی زندگی کا ایک ایک لمحہ عشق رسول سے سرشار ہے۔ آپکی نعتیہ شاعری عشق رسول کا مظہر ہے۔ امام احمد رضا خاں ﷺ نعتیہ شاعری میں بھی امامت کے درجہ پر فائز ہیں۔

جملہ اصناف سخن میں نعت گوئی انتہائی دشوار گزار فن ہے۔ نعت کے تقاضوں کو وہی پورا کرسکتا ہے جس کا دل سرکار مدینہ ﷺ کی محبت کا گنجینہ ہو اور علم شریعت سے پوری طرح واقفیت ہو۔

امام احمد رضا کا مجموعہ نعت ''حدائق بخشش'' عشق حبیب کی شعری تصویر ہے اور قرآن وحدیث کے مطابق ایسے سلیقہ سے آراستہ کیا ہے کہ شاعرانہ عظمت کی تصویر منھ سے بول رہی ہے۔ آپ نے وارفتگیء شوق کے باوجود ہوش کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور ہر طرح سے نعت کے آداب ملحوظ خاطر رکھے۔

اعلیحضرت مجدد امام احمد رضا کا شعر وسخن میں کوئی استاد نہیں تھا ان کے سامنے شاعر نبی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عاشقانہ کلام اور محبت رسول پر جان نچھاور کردینے والی زندگی آپ کے سامنے تھی۔ آپ خود فرماتے ہیں۔

رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو
نقش قدم حضرت حساں بس ہے

اعلیحضرت مجدد امام احمد رضا ﷺ نے نعت گوئی کو مسلک شعری کے طور پر اپنایا اور اس میدان میں خوب داد تحسین حاصل کی۔ آپ کے اشعار کے ہر ہر لفظ سے رسول اللہ ﷺ کی الفت ومحبت کا سمندر

موجزن ہے۔ ایک محب صادق محبوب کی بارگارہ میں نغمہء محبت اس طرح چھیڑتا ہے۔

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

امام احمد رضا کے کلام سے خلوص و محبت کی خوشبو آتی ہے وہ اپنے درد کا مداوا اور غمخوار سرکار انبیاء ﷺ کو سمجھتے ہیں یہی آپ کا ایمان ہے۔

انہیں کی بو مایہء سمن ہے، انہیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انہیں سے گلشن مہک رہے ہیں، انہیں کی رنگت گلاب میں ہے

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ شاعری کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے چار زبانوں میں ایک نعت کہی اس سے پہلے امیر خسرو نے تین زبانوں میں غزل ضرور کہی لیکن اس میں وہ مضمون آفرینی، بندشوں کی چستی اور گداز کی کیفیتیں نظر نہیں آتیں جو کلام رضا میں ہیں:۔

لم یات نظیرك فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اردو کے پہلے نعت گو شاعر ہیں جنہوں نے مجازیہ شاعری کی طرف قطعی توجہ نہیں دی کیونکہ ان کے نزدیک مجازیہ شاعری محمود نہیں تھی۔ مجازیہ شاعری کے بارے میں آپ کا ذوق یہ تھا کہ مجازیہ شعر پڑھنے کے بعد تجدید وضو مستحب ہے۔ جیسے حقہ، بیڑی، سگریٹ وغیرہ پینا مکروہ ہے، ان کے استعمال سے وضو نہیں ٹوٹتا مگر وضو کرنا مستحب ہے اسی طرح مجازیہ شعر پڑھنے کے بعد امام احمد رضا کے نزدیک وضو کرنا مستحب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

''حمد، نعت، منقبت کے علاوہ کوئی دنیوی شعر پڑھنے

کے بعد تجدید وضو مستحب ہے۔'' [1]

مولانا صرف حمد، نعت و منقبت کو ہی مستحسن سمجھتے ہیں اور ان کے ریاض شعری نے حمد، نعت، منقبت کا ہی احاطہ کیا ہے۔ عشق نبوی کی شدت آپ کی حمد میں بھی نمایاں ہے جسکی مثال اردو کی نعتیہ شاعری میں کہیں نظر نہیں آتی۔ مولانا فرماتے ہیں

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا

ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا

تجھے حمد ہے خدایا، تجھے حمد ہے خدایا

امام احمد رضا ﷺ کی وجدانی شاعری پر پروفیسر الٰہی بخش اس طرح تبصرہ کرتے ہیں:۔

''ان کے جذب دروں نے ان کے کلام کو سوز و ساز بخشا اور ان کے علم وفن نے ان کے پیرایہ اظہار کو جلا بخشی۔ مولانا ایک طرف عاشق صادق تھے تو وہیں دوسری طرف علوم دینی و دنیوی کی گہرائی و گیرائی، فکری و ذہنی صلاحیت، فقیہانہ بصیرت عالمانہ تبحر نے ان کے کلام کو لافانی بنادیا ہے''۔ [2]

نثر نگاری

اعلیٰحضرت مجدد امام احمد رضا ﷺ کو نظم کی طرح نثر پر بھی پورا عبور حاصل تھا۔ آپ زبردست کہنہ مشق ادیب اور نثر نگار تھے۔ آپ کی تحریر میں بلا کی سلاست وروانی ہے۔ برمحل شیریں الفاظ کا استعمال، استعارات کی جودت، ان کے حسین انداز بیان اور نفاست جذبات کا آئینہ دار ہیں۔

جب ایک عیسائی نے قرآن مجید پر اعتراض کرنے کی گستاخی کی تو آپ نے اپنی کتاب

---

[1] فتاوی رضویہ جلد اول ناشر: رضا اکیڈمی ص 190

[2] عرفان رضا از: پروفیسر الٰہی بخش ص 73

"الصمصام" میں عیسائیوں کے عقائد پر اسطرح تبصرہ کیا:۔

'' خدارا انصاف وہ عقل کے دشمن، دین کے رہزن، جنم کے کودن۔ ایک اور تین میں فرق نہ جانیں۔ ایک خدا کو تین مانیں۔ پھر ان تینوں کو ایک ہی جانیں۔ بے مثل بے کفو کیلئے جورو بتائیں بیٹا ٹھہرائیں۔ اس کی پاک بندی، ستھری کنواری ماں وپاکیزہ بتول مریم پر ایک بڑھئی کی جورو ہونے کی تہمت لگائیں۔ باپ کی خدائی اور بیٹے کو سولی۔ باپ خدا اور بیٹا کس کھیت کی مولی، باپ کے جہنم کو بیٹے سے ہی لاگ۔ سرکشوں کی چھٹی۔ بے گناہ پر آگ۔ امتی ناجی، رسول ملعون۔ معبود پر لعنت، بندے مامون۔ تف تف۔ وہ بندے جو اپنے ہی خدا کا خون چوسیں۔ اس کے گوشت پر دانت رکھیں۔ اف اف وہ گندے جو انبیاء رسل پر الزام لگائیں کہ بھنگی چمار بھی جن سے گھن کھائیں۔ سخت فحش بیہودہ کلام گڑھیں اور کلام الٰہی ٹھہرا کر پڑھیں۔ زہ زہ بندگی! خہ خہ تعظیم۔ پہ پہ تہذیب قہ قہ تعلیم۔ [1]

مذکورہ بالا اقتباس پڑھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا کے قلم میں بلا کی روانی اور فکر کی جولانی ہے جو برسوں ریاض کے بعد بھی شاذ ونادر ہی پیدا ہوتی ہے۔ وہ ایک مفتی سے زیادہ قادر الکلام ادیب معلوم ہوتے ہیں۔

سفر آخرت

آپ نے ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق 28 اکتوبر 1921ء بروز جمعہ وصال سے دو گھنٹہ سترہ منٹ قبل تجہیز وتکفین سے متعلق ضروری وصیت جو چودہ اہم باتوں پر مشتمل ہے قلم بند کرائے۔

---

[1] الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام از: امام احمد رضا، مطبوعہ، لاہور ص 19 تا 21

عین اذان جمعہ میں ادھر حی علی الفلاح کی آواز سنی ادھر روح پر فتوح نے داعی الی اللہ پر لبیک کہا۔ [1]

اعلیٰحضرت مجدد امام احمد رضاؒ کی شخصیت ایسی عبقری اور تابناک ہے کہ آج اندرون و بیرون ملک بہت سے ادارے اور یونیورسٹیاں ان پر تحقیقی کام کر رہے ہیں جن میں سے چند کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

ادارے

(1) : ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی (پاکستان)

(2) : معارف رضا، لاہور (پاکستان)

(3) : مرکزی مجلس رضا، لاہور، مانچسٹر انگلینڈ

(4) : ادارہ امام احمد رضا، کراچی (پاکستان)، بریلی (انڈیا)

(5) : المجمع الاسلامی، مبارکپور

(6) : رضا اکیڈمی، بمبئی۔

یونیورسٹیاں

لندن یونیورسٹی	لیڈن یونیورسٹی ھالینڈ	شکاگو یونیورسٹی
کیلیفورنیا یونیورسٹی	الازہر یونیورسٹی مصر	عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد (دکن)
جلبپور یونیورسٹی	مسلم یونیورسٹی علیگڑھ	کراچی یونیورسٹی پاکستان
حیدرآباد یونیورسٹی	کلکتہ یونیورسٹی	پٹنہ یونیورسٹی (بہار)
پنجاب یونیورسٹی [1] اور	روہیلکھنڈ یونیورسٹی بریلی	

بریلی کالج بریلی میں شعبہء اردو کے سابق ریڈر، عاشق رسول، شیدائی امام احمد رضا، محب اردو حضرت نواب حسن خاں نظامی صاحب جب روہیلکھنڈ یونیورسٹی میں نصاب کمیٹی کے کنوینر مقرر ہوئے تو آپ نے اہم کارنامہ یہ انجام دیا کہ یونیورسٹی کے ایم۔اے اردو کے نصاب میں نعت گوئی کے

[1] معارف رضا، کراچی شمارہ نہم، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی ص 106

نعت امام احمد رضا خاں اور مولانا حسن رضا خاں بریلوی کے نعتیہ کلام کو شامل کیا۔اس کے علاوہ ایم۔اے اردو کے اس ساتویں پرچہ میں کسی ایک مصنف کے تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ کے تحت امام احمد رضا کا اسم گرامی اور آپ کا نعتیہ کلام ''حدائق بخشش'' کو نصاب میں داخل کیا۔اس طرح اردو کے ہزاروں طلبا روہیلکھنڈ یونیورسٹی میں امام احمد رضا کے علمی وادبی کارناموں کا مطالعہ کر رہے ہیں۔

حضرت نظامی صاحب کا یہ کارنامہ ایسا ہے جس کی نظیر ہندوپاک کی کسی یونیورسٹی میں نہیں ملتی

مولانا حسن رضا خاں رضی اللہ عنہ

مولانا حسن رضا خاں، مولانا نقی علی خاں رضی اللہ عنہ کے دوسرے فرزند تھے۔مولانا حسن رضا خاں کی ولادت ۱۲۷۶ھ مطابق 19 اکتوبر 1859ء کو محلہ سوداگران، بریلی میں ہوئی۔آپ کی ولادت کی خبر جدامجد امام العلما حضرت علامہ رضا علی خاں کو دی گئی تو آپ نے اظہار مسرت کرتے ہوئے فرمایا ''یہ میرا بیٹا مست ہوگا'' امام العلماء کا یہ قول بالکل سچ ثابت ہوا۔اس سلسلہ میں ڈاکٹر شمیم گوہر لکھتے ہیں:۔

> ''عشق رسالت میں ڈوبی ہوئی اپنی نعتیہ شاعری سے
> حضرت حسنؔ خود بھی مست ہوئے اور دوسروں کو بھی
> مست و بیخود کرتے رہے۔'' [1]

مولانا حسن رضا خاں رضی اللہ عنہ نے تعلیم وتربیت مکمل طور پر اپنے والد بزرگوار مولانا نقی علی خاں رضی اللہ عنہ اور برادر اکبر مجدد امام احمد رضا رضی اللہ عنہ سے حاصل کی۔شرف بیعت خاتم الاکابر حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری سے حاصل کیا تھا۔فاضل بریلوی امام احمد رضا نے دار العلوم منظر اسلام بریلی کا پہلا مہتمم آپ کو ہی نامزد کیا تھا۔آپ نے ''مطبع اہل سنت وجماعت'' قائم کیا جس میں امام احمد رضا اور دوسرے علماء کرام کی کتب طبع ہوتی تھیں۔ایک شعری گلدستہ "بہار بے خزاں" اور ایک

---

[1] نعت کے چند شعرائے متقدمین از: ڈاکٹر شمیم گوہر مطبوعہ: الہ آباد ص 107

ہفتہ وار اخبار" روز افزوں " آپ کی نگرانی میں شائع ہوتا تھا۔ شعروشاعری کا شوق بدرجہ اتم تھا۔ استاد داغؔ کی شاعری کا شہرہ چاروں طرف تھا چنانچہ حسنؔ بریلوی نے داغؔ دہلوی کی شاگردی اختیار کی۔ مشہور زمانہ اردو شاعر لالہ سری رام لکھتے ہیں:

''جس زمانہ میں حضرت داغؔ رامپور میں تھے آپ (حسنؔ بریلوی) ان کے شاگرد ہوئے اور ہر سال ایک دو مہینہ ان کی خدمت میں رہ کر صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔'' ۱

امام احمد رضا کی تحریک ''تحفظ ناموس رسالت'' سے متاثر ہوکر مجازی اور رومانی شاعری کو ترک کر کے نعت گوئی کی طرف راغب ہوئے اور اس صنف سخن میں اپنے برادر اکبر حضرت امام احمد رضا سے مستفیض ہوئے ۲ خود امام احمد رضا خاں اپنے برادر اصغر حسن رضا خاں کی نعتیہ شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مولانا کافیؔ اور حسن میاں کا کلام اول سے آخر تک شریعت کے دائرے میں ہے ان کو میں نے نعت گوئی کے اصول بتا دیئے تھے۔ ان کی طبیعت میں ایسا رنگ رچا کہ ہمیشہ کلام اسی اعتدال و معیار پر صادر ہوتا۔ جہاں شبہ ہوتا مجھ سے دریافت کر لیتے۔'' ۲

آپ کا مجموعہ غزل "ثمر فصاحت" کے نام سے شائع ہوا۔ مجموعہ نعت "ذوق نعت" اور "نگارستان لطافت" کے نام سے شائع ہوئے جن کو خوب شہرت ملی۔

مولانا حسن رضا خاں بہترین قادر الکلام شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ نثر نگار بھی تھے۔ اگر چہ آپ کی نثری تصانیف کی تعداد زیادہ نہیں ہے تاہم جو بھی تصانیف ہیں اردو نثر کی تاریخ میں ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ آپ نے اپنے دور کی روش سے ہٹ کر جدید طرز اختیار کیا۔ مولانا حسن

---

۱ خم خانہ جاوید (جلد دوم) مطبوعہ: دہلی 1911ء، ص 45

۲ الملفوظ (حصہ دوم) از: مفتی اعظم مصطفیٰ رضا مکتبہ رضا، بریلی ص 41

رضا کی طرز نگارش کا تذکرہ کرتے ہوئے مرزا عبدالوحید بیگ لکھتے ہیں:۔

''ان (حسن رضا) کے مضامین انتہائی فکر انگیز، جاندار، بصیرت افروز اور پر اثر ہوتے تھے۔ان کے یہاں سادگی ہے، سلاست ہے، تصنع اور تکلف ان کی نثر میں نہیں۔وہ بے تکلف لکھتے ہیں۔ بجا طور پر ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ جدید اردو نثر کو رواج عام اور مقبولیت عطا کرنے میں ان کا اہم کردار ہے۔'' [1]

آپ کا وصال ۲۲/رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ مطابق 1908ء میں ہوا اور اپنے والد کے مقبرہ کے جانب شرق اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔آپ کے جنازہ کی نماز اعلیحضرت مجدد امام احمد رضا ﷫ نے پڑھائی اور اپنے دست شفقت سے قبر میں اتارا۔

آپ کے شاگردوں کی تعداد کثیر تھی، کچھ شاگردوں کے نام درج ذیل ہیں:

حکیم سید برکت علی نامی بریلوی، حافظ احمد محشر، سید محمود علی عاشق، مولانا ہدایت یار خاں قیس، منشی اختر حسین اختر، منشی برج موہن کشور، منشی مظہر حسین مظہر، سید مسعود غوث فیض، منشی تہور علی تہور، محمود حسین اثر بدایونی، اعجاز احمد قیصر مرادآبادی، منشی دوارکا پرساد حلم و جمیل بریلوی

حسن بریلوی کی تصانیف

حسن بریلوی صاحب تصنیف، جید عالم اور عاشق رسول نعت گو تھے۔آپ کی تصانیف میں "دیوان عاشق" کے علاوہ باقی کل کتابوں پر مذہبی رنگ غالب ہے۔آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف شائع ہو چکی ہیں:۔

(۱) تزک مرتضوی در اثبات تفضیل شیخین

(۲) نگارستان لطافت در ذکر میلاد شریف

---

[1] ماهنامۂ سنی دنیا بریلی (حسن رضا نمبر)۔ ماہ اگست 1994ء، ص 23

(۳) بے موقع فریاد کا جواب در مسئلہ قربانی

(۴) آئینہ ء قیامت در ذکر کربلائے معلی

(۵) دین حسن در حقانیت اسلام

(۶) وسائل بخشش در ذکر کرامات غوث اعظم

(۷) ذوق نعت بہ صلہ ء آخرت مجموعہ ء نعت (اردو)

(۸) ثمر فصاحت کلام مجاز اردو مع قند پارسی

آپ کی ابتدائی چھ کتابیں آپ کی حیات میں چھپ کر مقبول خاص و عام ہو چکی ہیں۔ ''دیوان نعت'' زیر طبع تھا کہ سفر حج سے واپس آ کر انتقال فرمایا ''دیوان عاشق'' آپ کے انتقال کے بعد ۱۳۲۷ھ میں طبع ہوا۔

نمونہ ء کلام

عجب رنگ پر ہے بہار مدینہ — کہ سب جنتیں ہیں نثار مدینہ

کونین بنائے گئے سرکار کی خاطر — کونین کی خاطر تمہیں سرکار بنایا

تم ذات خدا سے نہ جدا ہو نہ خدا ہو — اللہ کو معلوم ہے کیا جانیے کیا ہو

آپ کہتے ہیں جاؤ دیکھ لیا دل ترا — کہیے تو اپنے سوا دل میں میرے کیا دیکھا

مولانا محمد رضا خاں رضی اللہ عنہ

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے چھوٹے بیٹے مولانا محمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ تھے۔آپ نے تعلیم وتربیت اپنے برادر بزرگ امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔مولانا محمد رضا خاں جید عالم تھے اور علم الفرائض میں زبردست مہارت رکھتے تھے۔دارالافتاء بریلی میں جب کثرت سے فتوے آنے لگے تو علم الفرائض سے متعلق فتوؤں کا جواب مولانا محمد رضا خاں لکھتے تھے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو علم الفرائض سے شغف خاص تھا

مولانا محمد رضا خاں کی شادی سکینہ بیگم دختر غلام علی خاں ساکن خواجہ قطب بریلی سے ہوئی۔علم وفضل کے علاوہ حسن انتظام میں یکتائے زمانہ تھے۔امام احمد رضا خاں کے آپ اس طرح قوت بازو بنے کہ اپنی جاگیر کے علاوہ امام احمد رضا کی جاگیر کا انتظام بھی آپ ہی کرتے تھے۔آپ نے امام احمد رضا خاں کو خدمت دینی کیلئے مستثنیٰ کردیا تھا۔آپ کاشت وزراعت کے علاوہ ضروریات زندگی کی تمام اشیاء فراہم کرتے تھے حتیٰ کہ امام احمد رضا کی دختران کی شادیوں کا اول تا آخر خود ہی انتظام کرتے تھے۔ان تمام امور میں وہ خودمختار تھے اور امام احمد رضا ان پر کلی طور پر اعتماد رکھتے تھے۔ترکہ ووراثت کے فتوے لکھنے کے علاوہ آپ امام احمد رضا کی تصنیفات ملاحظہ کرتے اور ان کی تصدیق وتائید کرتے۔امام احمد رضا کی کثیر تصانیف پر آپ نے تائیدی وتصدیقی دستخط کیے ہیں۔آپ کا وصال 15 اکتوبر 1939ء کو ہوا [1] اور اپنے آبائی قبرستان میں جانب شرق لب سڑک دفن کیے گئے جس پر مفتی اعظم ہند مصطفےٰ رضا خاں نے مقبرہ تعمیر کرایا تھا۔حیات اعلیٰحضرت میں مولانا محمد رضا خاں کو مولانا نقی علی خاں کے تلامذہ میں شامل کیا گیا ہے جبکہ مولانا محمد رضا خاں اپنے والد مولانا نقی علی خاں کے انتقال کے وقت صرف چار سال کے تھے۔[2] (ممکن ہے کہ مولانا نقی علی خاں نے آپکی بسم اللہ کرائی ہو اس اعتبار سے آپ کو مولانا نقی علی خاں کا شاگرد کہا جاسکتا ہے) حالانکہ آپ کو اپنے برادر بزرگ امام احمد رضا خاں سے ہی شرف تلمذ حاصل تھا

---

[1] فیصلہ منصف شہر بریلی مقدمہ 48/1944 مولوی تقدس علی خاں بنام مصطفےٰ رضا خاں مفصلہ 22 جنوری 1947ء

[2] مقدمہ منصف شہر بریلی مقدمہ 411/1884

مولانا نقی علی خاں رضی اللہ عنہ کا سلسلہ ءنسب وخاندان

مولانا نقی علی خاں رضی اللہ عنہ کا نسلی علاقہ افغانیوں کا معروف قبیلہ بھڑیچ ہے۔قبیلہ بھڑیچ افغانیوں کا معزز وموقر قبیلہ ہے جس میں جلیل القدر علماء صوفیاء مشائخ ہوئے۔ان کے مزارات افغانستان و ہندوستان میں آج بھی مرجع خلائق ہیں۔قبیلہ بھڑیچ کا مستند شجرہ اس قبیلہ کے معروف صاحب علم وفن والی ء روہیلکھنڈ حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں نے اپنی معروف تصنیف ''خلاصۃ الانساب'' میں حضرت آدم علیہ السلام تک درج کیا جو مندرجہ ذیل ہے:۔

ابوالبشر صفی اللہ حضرت آدم علیہ السلام ← حضرت شیث علیہ السلام ← انوش ← قینان ← مہلاجیل ← بیارد ← حضرت ادریس علیہ السلام ← ملک متلاشخ ← لانک ← حضرت نوح علیہ السلام ← سام ← ارفخشد ← شالخ ← عابد ← حضرت ہود علیہ السلام ← شروع یا اشرغ ← ماخود یا ناحود ← تارخ ← خلیل اللہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام ← حضرت سیدنا اسحٰق علیہ السلام ← حضرت سیدنا یعقوب علیہ السلام ← یہودا ← روئیل ← طلس ← عتبہ ← قیس ← سارو الملقب بہ ملک طالوت ← افغنہ یا ارمیہ ← سلیم یا سلم ← مندول ← ارزند ← تارج ← عامیل ← لوئی ← طلل ← صہب ← ابی ← قمر ← ہارون ← اشمول ← علم یا علیم ← قبل ← متہال ← حدیقہ ← ثمال ← کرم ← فیلول ← عشم ← شیر ← قلج ← نصرت ← نخل ← شرود ← اشعث ← اکرم ← نعیم ← اشموائیل ← نصر ← قارون ← صلاح ← سلم ← بہلول ← عنین ← زمان ← ملک اسکندر ← ملک جلندر ← مرہ ← نعیم ← عتبہ ← سلول ← عیص ← حضرت قیس عبدالرشید ← ابراہیم عرف سربھن ← شرف الدین عرف شرخبون ← بھڑیچ ← داؤد خاں ← دولت خاں ← یوسف خاں قندھاری ← عبدالرحمٰن ← شجاعت جنگ سعید اللہ خاں قندھاری ← محمد سعادت یار خاں ← مولانا حافظ کاظم علی خاں ← مولانا شاہ محمد اعظم خاں ← امام العلماء مولانا رضا علی خاں ← رئیس الاتقیا مولانا نقی علی خاں [1]

---

[1] حیات مفتی اعظم ہند از: مرزا عبدالوحید بیگ مطبوعہ: بریلی ص 15,16

قبیلہ بھڑیچ میں مندرجہ ذیل انبیائے کرام ہوئے:۔

(۱) حضرت آدم علیہ السلام (۲) حضرت شیث علیہ السلام (۳) حضرت ادریس علیہ السلام (۴) حضرت نوح علیہ السلام

(۵) حضرت ہود علیہ السلام (۶) حضرت ابراہیم علیہ السلام (۷) حضرت اسحٰق علیہ السلام (۸) حضرت یعقوب علیہ السلام

افغانیوں میں اسی وجہ سے قبیلہ بھڑیچ کو موقر، معزز اور مقدس سمجھا جاتا ہے۔

قبیلہ بھڑیچ کے معروف بزرگوں کا تعارف مندرجہ ذیل ہے:۔

ملک طالوت

یعقوب علیہ السلام کی چھٹی پشت میں ملک طالوت پیدا ہوئے۔ آپ بھی اسرائیل کے بادشاہ ہوئے۔ آپ نے بنی اسرائیل کو متحد کر کے کفار وقت سے جنگ کی۔ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہم عصر تھے۔ کفار وقت کو شکست دینے کے بعد امور سلطنت حضرت داؤد علیہ السلام کے سپرد کئے اور اپنی بیٹی کا عقد بھی حضرت داؤد علیہ السلام سے کیا اور خود جذبۂ شہادت سے سرشار کفار سے جنگ میں مصروف ہوئے اور منزل مقصود کو پہنچے۔ ملک طالوت کے بیٹے ارمیہ تھے جو نہایت اولوالعزم تھے۔ ارمیہ کے ایک فرزند پیدا ہوئے جن کا نام افغنہ رکھا گیا۔ افغنہ ملک طالوت کے پوتے تھے آپ کی اولاد افغان کہلائی۔ [1]

افغنہ

حضرت ملک طالوت کی شہادت کے بعد آپ کے فرزند ارمیہ کی سرپرستی حضرت داؤد علیہ السلام نے کی اور فوج کا سپہ سالار بنایا۔ آپ انتہائی شجاع اور دلیر تھے آپ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے مخالفین کی سرکوبی کی۔ ارمیہ کے انتقال کے بعد افغنہ اپنے والد کے جانشین اور فوج کے سپہ سالار ہوئے۔ آپ کو شجاعت و جرأت کا جوہر ورثہ میں ملا تھا لہٰذا تمام جنگوں میں فتح آپ کی ہم سفر رہی۔ افغنہ سلیمان علیہ السلام کے ہم عصر تھے اور ان کے دور اقتدار میں اعلیٰ خدمات پر مامور تھے۔ افغنہ سے نسبی علاقہ رکھنے والے افغان کہلائے۔ [1]

[1] حیات مفتی اعظم ہند از: مرزا عبدالوحید بیگ مطبوعہ: بریلی ص 17

افغنہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد نے بیت المقدس کے قریب ایک پہاڑ کو اپنا مسکن بنایا جو سلیمان علیہ السلام کی مناسبت سے کوہ سلیمانی کہلایا۔ ۱۲۳۹ قبل ہجری بخت نصر کے ظلم سے گھبرا کر کوہ سلیمانی کے ساکنان نے راہ ہجرت اختیار کی اور ملک خراسان میں بود وباش اختیار کی۔ گردش زمانہ سے متاثر ہو کر افغان قبیلہ ملک ''روہ'' میں سکونت پذیر ہوئے۔ ''روہ'' ایک وسیع کوہستانی سلسلہ افغانستان میں ہے۔ شمال میں کوہ کاشغر جنوب میں بلوچستان، مشرق میں کشمیر کے پہاڑ اور مغرب میں دریائے اہلمند جو قندھار کے قریب ہے، تک پھیلا ہوا ہے۔ علاقہ ''روہ'' میں ہجرت کے اکتیسویں سال میں افغانی قبیلہ کے سربراہ قیس عبدالرشید مشرف بہ اسلام ہوئے۔

قیس عبدالرشید

قیس عبدالرشید کا نسبی علاقہ افغنہ سے ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب 43 واسطوں سے افغنہ اور 45 واسطوں سے حضرت ملک طالوت سے ملتا ہے۔ آپ کے والد کا نام عیص تھا۔ آپ افغانیوں کے سردار تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی دعوت پر آپ افغانیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: قیس عبرانی لفظ ہے اور میں عرب ہوں لہذا حضور ﷺ نے آپ کا نام ''عبدالرشید'' رکھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے قیس عبدالرشید سے فرمایا: تم ملک طالوت کی اولاد ہو جنکو اللہ تعالیٰ نے ''ملکی'' خطاب سے یاد فرمایا اس لئے تم کو بھی ملک کہا جائے۔ اس طرح آپ کو بارگاہ نبوت سے ''ملک'' کا خطاب عطا ہوا۔ انہی ایام میں حضور نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کی رغبت فرمائی اور ملک عبدالرشید کو افغانیوں کی جماعت کے ساتھ حضرت خالد بن ولید کی سربراہی میں اپنے لشکر کے ہراول میں مقرر کیا فتح مکہ کی جنگ میں افغانیوں نے بڑی شجاعت اور جوانمردی کا مظاہرہ کیا۔ حضرت ملک عبدالرشید نے اس جنگ میں ستر کفار کو واصل جہنم کیا۔ حضرت ملک عبدالرشید اور آپ کے ساتھیوں کی جرأت وشجاعت سے حضور نبی اکرم ﷺ بہت خوش ہوئے اور

دعائے خیر کے ساتھ فرمایا کہ عبدالرشید کی اولاد سے سلسلہء عظیم پیدا ہوگا جو قیامت تک دین کو مستحکم کرے گا اوراس قوم کا استحکام اس لکڑی کے مثل ہے جس پر جہاز کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔اس لکڑی کو بتان کہتے ہیں۔[1]

پٹھان

حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت ملک عبدالرشید کی اولاد کیلئے فرمایا تھا کہ یہ دین کو مستحکم کرے گی اوراس قوم کا استحکام بتان کی مانند ہے۔اس لئے قیس عبدالرشید "بتان" کے نام سے مشہور ہوئے۔

لفظ بتان آہستہ آہستہ زبان زد عام ہوکر"پٹھان" بولا جانے لگا اور حضرت ملک عبدالرشید سے نسبی علاقہ رکھنے والے پٹھان کہے جانے لگے۔[2]

حضرت ملک عبدالرشید کا عقد حضرت خالد بن ولید کی دختر مطاہرہ کے ساتھ ہوا۔آپ کے فرزند حضرت ابراہیم سڑھبن تھے۔آپ کا وصال ستاسی برس کی عمر میں ہوا۔

حضرت ابراہیم سڑبن

حضرت ابراہیم سڑبن انتہائی متقی، پرہیز گار اور حلیم الطبع تھے۔اسلئے آپ کی عرفیت سڑبن ہوئی کیونکہ پشتو زبان میں سڑھبن کے معنی "حلیم الطبع" کے ہیں۔آپ کے بڑے بیٹے حضرت شرجنون المعروف بہ شرف الدین کے بیٹے بھڑیچ ہوئے۔[3]

آپ ہی قبیلہ بھڑیچ کے مورث اعلیٰ ہوئے۔قبیلہ بھڑیچ قندھار کے پشتین اور شوراوک کے علاقہ میں سکونت پذیر ہوا اوراپنی شجاعت و جوانمردی اورعزم واستقلال سے قندھار پر برسراقتدار ہو گیا۔قندھار اور افغانستان پر سینکڑوں سال تک قبیلہ بھڑیچ کی حکمرانی رہی۔

---

[1] اخبار الضنادید مصنفہ: نجم الغنی خاں رامپوری مطبع: نولکشور لکھنئو ص 165

[2،3] شاہ احمد رضا خاں بھڑیچ از: محمد اکبر خاں اعوان المختار پبلی کیشنز کراچی ص 35,26

شجاعت جنگ محمد سعید اللہ خاں

آپ قبیلہ بھڑیچ کے معزز سردار تھے۔آپ نادر شاہ کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے۔نادر شاہ نے ہندوستان پر 1731ء میں حملہ کیا تھا۔نادر شاہ ہندوستان کو تہس نہس کر کے واپس چلا گیا لیکن شجاعت جنگ محمد سعید اللہ خاں نے ہندوستان میں ہی سکونت اختیار کر لی۔محمد شاہ نے آپ کو لاہور کا شیش محل بطور جاگیر عطا کیا جس میں آپ قیام فرما ہوئے۔محمد شاہ بادشاہ نے آپ کو منصب شش ہزاری بھی دیا اور شجاعت جنگ کے خطاب سے نوازا اور ریاست رامپور کے بہت سے مواضعات معافی و دوامی عطا کیے۔آپ کے فرزند سعادت یار خاں سعادت مند تھے جن کے سن بلوغ کو پہنچنے پر حضرت شجاعت جنگ سعد اللہ خاں نے دربار شاہی سے علیحدگی اختیار کر لی اور باقی عمر یاد الٰہی میں متوکلانہ زندگی بسر کی۔[1]

آپ ہی مولانا نقی علی خاں ﷫ کے جد امجد ہیں جو اس خاندان کو ہندوستان میں لانے اور آباد کرنے کے بانی ہیں۔

سعادت یار خاں

شجاعت جنگ محمد سعید اللہ خاں کے سعادت مند فرزند سعادت یار خاں محمد شاہ بادشاہ کے دربار سے وابستہ ہو کر وزیر مال کے منصب پر فائز کیے گئے۔آپ کو بادشاہ ہند محمد شاہ نے کچھ مواضعات رامپور میں عطا کیے۔1857ء کی شکست کے بعد انگریزوں نے اس جاگیر کو ضبط کر لیا اور ریاست رامپور میں ضم کر دیا۔[2]

علاقہ کٹھیر جو بعد کو روہیلکھنڈ مشہور ہوا سلطنت دہلی کی گرفت اس پر ڈھیلی پڑ گئی تو سلطنت دہلی نے روہیلکھنڈ کے باغیوں کے خلاف تادیبی کاروائی کیلئے فوج کشی کا ارادہ کیا اور اس مہم کو سر کرنے کیلئے قرعہ فال سعادت یار خاں کے نام نکلا۔سعادت یار خاں نے جبلی شجاعت اور جنگی مہارت کے خوب جوہر دکھائے۔انجام کار 2 جون 1745ء کو روہیلوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور نواب علی محمد خاں

---

[1] تذکرہ جمیل مولفہ: ابراھیم خوشتر ناشر: سنی رضوی اکادمی ماریشس ص 90

[2] سیرت اعلیٰ حضرت مرتبہ: حسنین رضا خاں، مکتبہ مشرق، بریلی ص 41

بادشاہ کے روبرو ہاتھ باندھ کر حاضر ہوا۔ [1] اس طرح فتح بریلی کا سہرا انہیں کے سر رہا۔ شاہ نے مسرور ہوکر آپ کو بریلی کا صوبیدار بنانے کا فرمان جاری کردیا لیکن فرمان شاہی ایسے وقت ملا کہ آپ بستر مرگ پر تھے اس لئے بریلی نہ صوبہ بن پایا اور نہ آپ صوبہ دار بن پائے۔ [2]

سعادت یار خاں نے اپنے دور وزارت میں دہلی میں دو نشانیاں چھوڑیں اول: بازار سعادت گنج دوم: سعادت نہر حوادث روزگار کے دست ستم سے ان دونوں میں سے کوئی نشانی نہ بچ سکی۔ مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ کے پوتے مولانا حسنین رضا خاں کا قول ہے کہ

"سعادت یار خاں کی مہر وزارت ان کی جوانی کی عمر تک خاندان میں موجود تھی اور انہوں نے اس مہر کو دیکھا بھی تھا۔ [3]

مولانا حسنین رضا خاں 1892ء میں پیدا ہوئے اگر ان کی جوانی کی عمر چالیس سال مان لی جائے تو اس طرح 1932ء تک سعادت یار خاں کی مہر وزارت آپ کے خاندان میں موجود تھی۔ اس دور میں عبدالعزیز خاں عاصی "تاریخ روہیلکھنڈ" مرتب کر رہے تھے انہوں نے حضور مفتی اعظم ہند مصطفےٰ رضا خاں سے اس تاریخ کی ترتیب میں معاونت کی استدعا کی تھی۔ مفتی اعظم ہند نے اس خاندان میں محفوظ شاہی دور کے سکے اور مہریں ان کو دی تھیں۔ ان میں سے کچھ سکوں کے عکس کو مولانا عاصی نے "تاریخ روہیلکھنڈ" میں حضور مفتی اعظم ہند کے حوالے سے شائع کیا۔ وہ سکے اور مہر عاصی بریلوی نے واپس نہیں کیے اور بربنائے وضعداری حضور مفتی اعظم ہند نے واپس بھی نہیں مانگے۔ آخر عمر میں عبدالعزیز خاں عاصی مفلوک الحال ہوگئے تھے اور بریلی کے محلہ کنگھر میں لب سڑک ایک جھونپڑی میں ان کا انتقال ہوا۔ غالباً یہ سکے اور مہریں عاصی بریلوی کی مفلوک الحالی کی بھینٹ چڑھ کر کسی سونار کی بھٹی کی ستم کاری کا شکار بن گئے۔

سعادت یار خاں کے تین فرزند شہزادہ محمد اعظم خاں، شہزادہ محمد معظم خاں اور شہزادہ محمد مکرم خاں تھے۔

---

[1] تذکرہ آنند رام مخلص ص 294 [2] تذکرہ جمیل مولفہ: ابراھیم خوشتر ص 93

[3] سیرت اعلیٰ حضرت مرتبہ: حسنین رضا خان مکتبہ مشرق، بریلی ص 41

حضرت مولانا محمد اعظم خاں

سلطان محمد شاہ کے وزیر دولت سعادت یار خاں کے فرزند اکبر حضرت مولانا محمد اعظم خاں تھے۔ آپ بھی دربار شاہی سے وابستہ تھے اور دربار شاہی سے منصب ملا تھا لیکن آپ کا میلان طبع دربار شاہی سے مطابقت نہیں رکھتا تھا اس لئے آپ نے جلد ہی درباری مراعات و مناصب سے کنارہ کشی اختیار کر لی چونکہ آپ کی طبیعت مائل بہ زہد تھی اس لئے آپ نے امور دنیا سے سبکدوش ہو کر زہد و ریاضت کی راہ لی۔ ساری عمر یاد الٰہی میں گزاری۔

اعظم خاں نے دو شادیاں کیں۔ زوجہ اولیٰ سے حافظ کاظم علی خاں اور زوجہ ثانیہ سے چار صاحبزادیاں تھیں جن میں ایک کا نام فہمیدہ بیگم تھا جن کا عقد ولی محمد خاں رفیع کے ہمراہ ہوا تھا۔ فہمیدہ بیگم کا انتقال 1838ء میں ہوا۔

محمد اعظم خاں نے اپنی رفیقہ حیات سلطان خانم کے نام سے دہلی میں ۲۹ جمادی الاول ۱۱۶۸ھ کو کٹہرا خریدا۔ یہ کٹہرا متصل جاں نثار خاں لاہوری دروازہ میں واقع تھا۔ اس کٹہرہ کے حدود اربعہ درج ذیل ہیں:

شرق:	شارع عام وللہ الباب	غرب:	حویلی ورثا جوالا ناتھ تمبا کو والے
جنوب:	حویلی شاہ غلام حسین وغیرہ	شمال:	حویلی مشترکہ مدعی دوار کا داس

اسی مقام پر اعظم خاں کی ایک حویلی بھی تھی جیسا کہ مذکورہ کٹہرے کے حد شمال سے واضح ہے غالباً اسی حویلی کا نصف حصہ اعظم خاں نے دربار شاہی سے قطع تعلق کرنے کے بعد دوار کا داس کے ہاتھ بیچ دیا اور نصف حصہ میں خود سکونت پذیر تھے۔ محمد اعظم خاں، صاحب جائیداد آدمی تھے انہوں نے اپنی بیوی کی جائیداد کی دیکھ بھال کیلئے مختار کار ولی محمد خاں شوہر فہمیدہ بیگم دختر خود کو مقرر کیا تھا۔ مذکورہ کٹہرہ کی ملکیت کے تنازعہ سے متعلق ایک مقدمہ نمبر 55، 1845ء دہلی کی دیوانی کچہری میں 28 اپریل 1845ء کو صدر الصدور مولوی صدر الدین خاں کی عدالت میں شجاعت علی خاں نے اعظم خاں کے

پوتے رضا علی خاں کے خلاف دائر کیا تھا اس مقدمہ کے فیصلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی محمد اعظم خاں کا انتقال 1815ء کے آس پاس ہوا ہوگا۔ مفتی صدرالدین کی عدالت سے وراثت کی بنیاد پر مذکورہ کٹہرہ اعظم خاں کی ملکیت قرار دیا گیا جس کو انہوں نے مسماۃ امتیاز بیگم زوجہ عطا اللہ خاں کے حق میں بیع کر دیا تھا۔ اعظم خاں کے بعد ان کے بیٹے کاظم علی خاں نے 7 مارچ 1829ء کو سعد اللہ خاں جو اعظم خاں کے پرنواسہ تھے کو مختار عام مقرر کیا۔ [1]

اعظم خاں نے تارک الدینا ہونے کے بعد دہلی کی سکونت ترک کردی اور بریلی کے محلہ معماران کو اپنا جائے مسکن بنایا جس جگہ آپ نے قیام کیا شہزادہ کے تکیہ کے نام سے مشہور ہوا اور اسی تکیہ کے گوشہ میں مدفون ہوئے۔ ''تذکرہ جمیل'' کے مصنف اعظم خاں کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''اعظم خاں نے منصب وزارت سے سبکدوش ہو کر زہد و ریاضت کی۔ وادی میں قدم رکھا اور ملک کو چھوڑ کر مالک الملک کو اپنانے کی ادہمی اور سمدانی مثال ایک بار پھر پیش کی اور حکومت کی کرسی سے الگ ہو کر قبرستان کو اپنا مسکن بنایا''۔ [2]

مولانا حافظ کاظم علی خاں

سلطنت مغلیہ کا زوال شروع ہوا جس کی وجہ سے حافظ کاظم علی خاں سلطنت اودھ سے وابستہ ہو گئے۔ فرض منصبی کی ادائیگی کی اور عظیم کارہائے نمایاں انجام دیئے جس کے صلہ میں آپ کو سلطنت اودھ سے بدایوں کا نظم ونسق سپرد کیا گیا۔ دو سو سواروں کی بٹالین آپ کی خدمت میں رہتی تھی۔ آٹھ گاؤں آپ کو ملے تھے جس میں سے دو گاؤں آپ نے اپنے متعلقین کو عطا کر دیئے تھے۔ بقیہ چھ گاؤں آپ کی جاگیر میں رہے۔ آپ کی جاگیر مندرجہ ذیل گاؤوں میں تھی:

---

[1] فیصلہ مقدمہ نمبر 55، 1845ء بہ اجلاس مولوی صدرالدین خاں دیوانہ کچہری دہلی

[2] تذکرہ جمیل ابراہیم خوشتر سنی رضوی اکادمی ماریشس ص ۹٤

(۱)اسپیت (۲)نبھوڑ (۳)نقی پور (۴)کرتولی (۵)مرزاپور(۶)اگلا۔ [1]

یہ گاؤں معافی ودوامی تھے اور نسلاً درنسلاً آپ کے خاندان کے پاس رہے۔قانون خاتمہ زمینداری 1952ء کے نفاذ کے بعد ضبط کیے گئے ۔ [2] سیر کاشت مذکورہ بالا اب بھی آپ کے ورثا کے پاس موجود ہے۔

مولانا کاظم علی خاں دیندار صحیح العقیدہ، اہل وسنت و جماعت تھے ۔آپ اعلیٰحضرت امام احمد رضا کے پیر طریقت حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی کے استاد حضرت مولانا شاہ انوارالحق فرنگی محلی سے سلسلہ رزاقیہ میں بیعت تھے اور آپ کو اپنے پیر ومرشد سے اجازت و خلافت بھی حاصل تھی ۔آپ بڑے عاشق رسول تھے۔ یہ سلسلہ آج بھی آپ کی نسل میں برقرار ہے۔امام احمد رضا فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا کاظم علی خاں ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو
محفل میلادمبارکہ بڑے التزام سے منعقد کرتے تھے
الحمدللہ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔" [3]

سلطنت مغلیہ کی بیخ کنی کے بعد انگریزوں نے تمام اصول وضابطے اور قانون کو بالائے طاق رکھ کر اہل ہند پر ظلم وزیادتی کی تو دربار دہلی اور انگریزوں کے درمیان خلیج وسیع ہوگئی آپ بادشاہ دہلی کی وکالت کرنے وائسرائے کے پاس کلکتہ گئے۔انجام کیا نکلا اس کا حال دریافت نہ ہوسکا۔ [4]

قیاس یہ کہتا ہے کہ انگریز نے دربار دہلی کے موقف کو تسلیم نہیں کیا شاید اسی لئے (یعنی انگریزوں کی اہل ہند پر ظلم وزیادتی کی وجہ سے) آپ اور آپ کے صاحبزادے امام العلما مولانا رضا علی خاں انگریزوں کے خلاف تھے اور پہلی جنگ آزادی میں انگریزوں کی زبردست مخالفت کی تھی۔

مولانا کاظم علی خاں کی زوجہ اولیٰ سے دوفرزند مولانا رضا علی خاں اور حکیم تقی علی خاں تھے اور ایک دختر زینت بیگم عرف موتی بیگم تھیں ۔زوجہ ثانیہ سے تین دختران بدرالنساء، صدرالنساء اور قمرالنساء

---

[1] مقدمہ تفریق کلکٹری ضلع بدایوں بہ اجلاس سر جارج لارنس منفصلہ 20 جولائی 1862ء

[2] سیرت اعلیٰ حضرت ص 41 [3] فتاوی رضویہ جلد دوم ص 302 [4] حیات مفتی اعظم ہند ص 23

تھیں۔ زوجہ ثالثہ کا نام سلونی بیگم تھا جن کے بطن سے جعفر علی خاں پیدا ہوئے جو لاولد فوت ہوئے۔ حافظ کاظم علی خاں کی نسل آپ کے دونوں فرزندوں سے چلی۔ زینت بیگم عرف موتی بیگم کی شادی بندے علی خاں سے ہوئی تھی۔ یہ قول کہ ان کی شادی خان محمد حیات خاں سے ہوئی تھی اور یہ یوسف زئی تھے۔ بے بنیاد اور غلط ہے۔ زینت بیگم کی شادی بندے علی خاں سے ہوئی تھی۔ 19 مئی 1832ء کو ورثا کے درمیان تقسیم جائیداد عمل میں آئی۔ ۱؎ تقسیم نامہ میں زینت بیگم عرف موتی بیگم کے شوہر کا نام بندے علی خاں درج ہے۔ اس تقسیم نامہ پر بندے علی خاں کی مہر ہے اور موتی بیگم کے کارمختار کی حیثیت سے کوچک علی خاں کے دستخط ہیں۔ کچھ اور لوگوں کے علاوہ اردو کے معروف نعت گو لطف علی خاں لطفؔ بریلی کے بھی دستخط ہیں۔ ایک اور دستاویز 17 مارچ 1839ء کا بیعنامہ ہے یہ بیعنامہ موتی بیگم نے اپنے بیٹے کوچک علی خاں ولد بندے علی خاں کی بیوی بیگم جان کے حق میں موضع اسہیت وموضع کرتولی کی جائیداد بیع کی ہے۔ اس بیعنامہ کی سطر اول اس طرح ہے:

''من کہ مسماۃ موتی بیگم بنت محمد کاظم علی خاں زوجہ بندے علی خاں مرحوم ساکن شہر بریلی''۔ ۲؎

یہ بیعنامہ فارسی میں ہے۔ اس بیعنامہ میں اور کچھ لوگوں کے علاوہ مولانا رضا علی خاں کے بھی دستخط ہیں۔ مولانا رضا علی خاں موتی بیگم کے حقیقی بھائی ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ موتی بیگم کی شادی بندے علی خاں سے ہوئی تھی۔ موتی بیگم کے دو فرزند نعمت علی خاں عرف بزرگ علی خاں و کوچک علی خاں تھے۔ نعمت علی خاں کے بیٹے حاجی وارث علی خاں تھے جن سے مولانا نقی علی خاں کی بڑی بیٹی حجاب بیگم کا عقد ہوا تھا۔ ان کی نسل سرسبز وشاداب ہے۔

امام العلما مولانا رضا علی خاں

حافظ کاظم علی خاں کے فرزند اکبر امام العلما مولانا رضا علی خاں تھے۔ آپ کی ولادت بریلی میں ۱۲۲۴ھ میں ہوئی اور بعمر باسٹھ سال ۶ جمادی الاول ۱۲۸۶ھ کو وصال ہوا۔ ۳؎ نزد ٹی اسٹیشن بریلی

۱؎۲؎ بیعنامہ کی زیر اکس کاپی مخزونہ مرزا عبدالوحید بیگ بریلی

۳؎ تذکرہ علمائے ہند مصنفہ: رحمن علی مطبع: نولکشور لکھنؤ ص 170

واقع قبرستان بہاری پور سول لائن آپ کی آخری آرامگاہ ہے۔ آپ نے جملہ علوم و فنون کی تکمیل ۱۲۴۷ھ میں حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب رامپوری ابن ملا عرفان ولایتی رامپوری سے رامپور اور ٹونک میں حاصل کی۔ تذکرہ علمائے اہل سنت میں آپ کی سن ولادت ۱۲۶۴ھ لکھی ہے۔[۱] جو غلط ہے

فقہ میں آپ کو دسترس خاص حاصل تھا۔ روہیلہ دور کے شاہی خاندان کے آخری چشم و چراغ مفتی محمد عیوض صاحب کی 1816ء میں انگریزوں سے شکست کھانے کے بعد مسند افتا خالی تھی۔ 1816ء میں مفتی محمد عیوض بریلی سے ٹونک تشریف لے گئے اور 1818ء میں وہیں فوت ہوئے۔[۲] ایسے نازک دور میں امام العلما مولانا رضا علی خاں نے مسند افتا کو رونق بخشی۔ آپ اپنے دور میں مرجع فتویٰ تھے۔ آپ کی تقریر انتہائی موثر ہوتی تھی۔ محفل خوف خدا اور خشیت الٰہی سے آہ و بکا کر اٹھتی تھی چونکہ خود بڑے تقویٰ شعار تھے اسی لئے آپ کی نصیحت کا بہت اثر ہوتا تھا۔ انتہائی منکسر المزاج تھے۔ سلام کرنے میں سبقت فرماتے تھے۔ دنیا کی طرف سے استغنا آپ کا شیوہ تھا۔ زہد و قناعت اور تجرید جیسے اوصاف حمیدہ میں بھی آپ ممتاز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عشق نبوی کی دولت سے نوازا تھا اس لئے آپ ناموس رسالت کے دشمنوں سے متنفر رہتے تھے۔

امام العلما کو اجازت و خلافت اور سند حدیث مولانا خلیل الرحمٰن اور ان کو فاضل محمد سند یلوی سے اور ان کو ملک العلما بحر العلوم ابو العیاش محمد عبد العلی لکھنوی سے تھی۔[۳]

امام العلماء مطیع سنت تھے اور کسی بھی بدعت کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ عہد آصف الدولہ میں بریلی کی جامع مسجد میں شرق کی جانب ایک سہ دری تھی جس کو ضعیف الاعتقاد افراد نے امام باڑہ کے نام سے منسوب کر کے تعزیہ اور علم رکھ دیئے۔ آصف الدولہ کے عہد کے خاتمہ کے بعد حکیم مرزا حسین جان بیگ نے جامع مسجد کا متولی ہونے کے بعد سہ داری کو مقفل کر دیا تا کہ تعزیے اور علم حدود جامع مسجد میں نہ رکھے جاسکیں۔ حکیم صاحب کے وصال کے بعد راقم کے پرنانا مرزا مولوی مطیع بیگ جامع مسجد کے متولی ہوئے تو انہوں نے امام العلما کی ہدایت کے مطابق سہ دری سے تعزیے اور علم علیحدہ کرا

---

[۱] تذکرہ علمائے اہل سنت مصنفہ: محمود احمد قادری ناشر: سنی دارالاشاعت فیصل آباد ص 88

[۲] نواب خان بہادر خان شہید مرتبہ: سید مصطفیٰ علی ص 327 [۳] الاجازات المتینہ از: اعلیحضرت ص 153

ویلا اور اس سہ دری کا نام نبی خانہ رکھ دیا۔ جہلائے شہر نے متولی مذکور کو بزعم خود بد عقیدہ کہنا شروع کر دیا۔ شور و غوغا اتنا بڑھا کہ تعزیے اور علم دونوں دوبارہ نبی خانہ میں رکھنے کی کوشش کی جانے لگی۔ چنانچہ امام العلما کی ذات مقدسہ متنازعہ نہ تھی اور عوام کیلئے معتبر و موقر تھی۔ آپ نے فتویٰ جاری کر کے متولی کے اقدام کو درست اور متولی کو صحیح العقیدہ سنی قرار دیا۔ بریلی کے دیگر علماء نے بھی تصدیقات کیں۔ امام العلما بہ نفس نفیس ہر جمعرات کی شب کو جامع مسجد میں تشریف لا کر سہ دری موسومہ بہ نبی خانہ میں محفل میلاد منعقد کرتے جس سے شہر کے جہلا کا واویلا اور شور و غوغا ختم ہوا۔ ۲

خطبات امام العلما (خطبات علمی)

امام العلما نے جمعہ اور عیدین کیلئے عربی زبان میں خطبات تصنیف کیے جن کو آپ کے شاگرد و مرید محمد حسن علمی نے ترتیب دے کر ''خطبات علمی'' کے نام سے شائع کیا۔ یہ خطبات برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش میں آج بھی جمعہ اور عیدین کو پڑھے جاتے ہیں۔ خطبات میں اردو کے منظوم خطبات مولانا محمد حسن علمی کے ہیں اس لئے ''خطبات علمی'' پر مولانا محمد حسن علمی کا نام بطور مولف لکھا ہے۔ خطبات علمی کے اختتام پر مولانا علمی اپنے استاد و پیر طریقت کو خراج عقیدات پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس مولف عاصی محمد حسن علمی کو امیدواری جناب ہادی عنبر اسمہ سے یہ ہے کہ اپنے فضل عمیم اور طفیل رسول کریم مقلب بہ رنگ عالی خلق عظیم کے ہم سب مومنین کو بعفو جرائم و عصیاں اور فیضان توفیق و احسان کے عزت بخشے اور ہمارے مرشد و مولا عالم علم زمانی مقبول بارگاہ سبحانی، اسرار معقول و منقول، کاشف استارع فروع و اصول، مطلع العلوم، مجمع الفہوم، عالم باعمل، فاضل بے بدل، منبع الاخلاق مصدر احسان و مظہر امتنان، مولانا و مخدومنہ لودعی زماں

مولوی رضا علی خاں کو بیچ دونوں جہاں کے رحمت خاصہ میں اپنے
رکھ کر افقی مراتب قبولیت کو پہنچائے۔آمین یارب العالمین''۔ [1]

شاگرد

امام العلما مولانا رضا علی خاں کے شاگردوں کی تعداد کا صحیح اندازہ نہیں ہے کیونکہ آپ کے شاگردوں کی کبھی کوئی فہرست تیار نہیں کی گئی مگر مطبوعہ وغیر مطبوعہ متعدد پرانی کتابوں میں مصنفین نے آپ کا اپنا استاد بتایا ہے۔آپ کے ایک شاگرد مولانا محمد حسن علمی مولف خطبات علمی تھے۔دوسرے شاگرد ملک محمد علی خاں ابن حاجی ملک محمد خاں ابن ملک سعید خاں مرتب "تصیح الایمان رد تقویت الایمان" بہت مشہور ہیں۔''تصیح الایمان ردتقویت الایمان'' کا مطبوعہ نسخہ نایاب ہے مگر رضا لائبریری رامپور میں قلمی نسخہ ۳۶/۷۵۷۹ م محفوظ ہے۔آپ کے تیسرے شاگرد و مرید مولانا فخر الدین قادری سنڈیلوی تھے۔مولانا قادری انگریزوں کے خلاف شریک جہاد ہوئے اور بریلی میں ہی شہید ہوئے۔ [2]

مجاہد جنگ آزادی

امام العلما مولانا رضا علی خاں جید عالم باعمل اور معروف مفتی ءوقت ہونے کے ساتھ ساتھ جلیل القدر مجاہد آزادی بھی تھے۔آپ تمام عمر انگریز سامراجیت کے خلاف برسر پیکار رہے۔آپ جنگ آزادی کے عظیم رہنما تھے۔آپ کے مجاہدانہ مزاج اور کارناموں نے انگریز سامراجیت کی راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام کردیا تھا۔اس سلسلہ میں ''ترجمان اہلسنت'' لکھتا ہے:

> ''جنگ آزادی کا مورخ رقم طراز ہے کہ آپ (مولانا رضا علی)
> جنگ آزادی کے عظیم راہنما تھے۔عمر بھر فرنگی اقتدار کے خلاف
> برسر پیکار رہے۔آپ ایک بہترین جنگجو اور بیباک سپاہی تھے۔

---

[1] ترقیمہ خطبات علمی مولفہ: محمد حسن علمی

[2] حیات مفتی اعظم ہند از: مرزا عبدالوحید بیگ مطبوعہ: بریلی ص ۲۷

لارڈ ہسٹنگ آپ کے نام سے کانپتا تھا۔جنرل ہڈسن جیسے برطانوی جنرل نے آپ کا سر قلم کرنے کا انعام پانچ سو روپیہ مقرر کیا تھا۔مگر اپنے مقصد میں عمر بھر ناکام رہا۔جب آپ نے برطانوی حکام کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تو انگریزوں نے آپ کے احاطہ میں نقب زنی کر کے پچیس گھوڑے چوری کر لیے کیونکہ آپ نے اپنے تمام گھوڑے مجاہدین آزادی کو انگریزوں کی پناہ گاہ پر شب خون مارنے کیلئے مفت دیئے تھے۔"[1]

امام العلما نے آزادی میں عملاً خود بھی حصہ لیا اور اپنی تحریر وتقریر کے ذریعہ بھی عوام اور بالخصوص مسلمانوں کے جذبہ حریت کو بیدار کیا۔انگریزوں کی بیخ کنی کرنے کیلئے جہاد کمیٹی بنائی گئی اس میں امام العلما رضا علی خاں سرفہرست تھے۔علما کے فتوے جہاد کا عوام نے زبردست اثر لیا اور مسلمان جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر میدان جہاد میں کود پڑے۔

امام العلما کی جائیداد ضبط

امام العلما کی مجاہدانہ سرگرمیوں سے تنگ آ کر انگریز نے آپ کا سر قلم کرنے پر انعام رکھ دیا تھا مگر باوجود کوشش کے جنرل ہڈسن نہ تو آپ کو قتل کرا سکا اور نہ ہی گرفتار کرا سکا۔جب بھی انگریز سپاہی آپ کو تلاش کرتے،آپ مسجد میں مشغول عبادت ہوتے،مگر اللہ تعالی انگریز سپاہیوں کو اندھا کر دیتا۔امام العلما کبھی انگریزوں کو نظر نہ آتے۔اللہ تعالی نے اپنے ولی کی آپ حفاظت فرمائی۔آپ کی آبائی جائیداد موضع تحصیل ملک ضلع رامپور کے نزدیک تھی۔اس میں موضع دھنیلی بہت بڑا موضع تھا۔انگریزوں نے جہاد کرنے کے جرم میں امام العلما کی جائیداد ضبط کر لی۔۵۸-۱۸۵۷ میں نواب رامپور نے انگریزوں کی مدد کی تھی اس لئے بطور انعام امام العلما کی مذکورہ جاگیر ریاست رامپور میں ضم کر دی گئی

---

[1] ترجمان اہل سنت کراچی (جنگ آزادی نمبر) ماہ: جولائی 1975ء

مولانا نقی علی خاں ﷫ کے تلامذہ

مولانا نقی علی خاں کے مندرجہ ذیل تلامذہ معروف زمانہ ہوئے:

۱): اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں ۲): مولانا حسن رضا خاں ۳): مولوی برکات احمد

۴): مولوی ہدایت رسول لکھنوی ۵): مفتی حافظ بخش آنولوی ۶): مولوی حشمت اللہ خاں

۷): مولوی سید امیر احمد بریلوی ۸): مولوی حکیم عبدالصمد

بیعت وخلافت

مولانا نقی علی خاں ﷫ اپنے صاجزادے مجدد امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی اور مولانا عبدالقادر بدایونی کے ہمراہ ۵ جمادی الآخر ۱۲۹۴ھ کو خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف حاضر ہوئے اور سیدنا شاہ آل رسول قادری برکاتی مارہروی سے شرف بیعت حاصل کیا۔ امام احمد رضا خاں بھی سیدنا شاہ آل رسول کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ اسی مجلس میں میں شاہ صاحب نے دونوں افراد کو خلافت وجملہ اجازت سے سرفراز فرمایا۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی اس مجلس بیعت وخلافت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''پنجم جمادی الآخر ۱۲۹۴ھ کو مارہرہ مطہرہ میں دست حق پرست آقائے نعمت، دریائے رحمت سید الواصلین سند الکاملین قطب قطب ادانہ، امام زمانہ حضور پرنور سیدنا مرشدنا مولانا وماؤنا ذخرقی وعذی سیدنا شاہ آل رسول احمدی تاجدار مارہرہ رضی اللہ عنہ ارضاہ اخاض علینا من برکاتہ ونعمائہ پر شرف بیعت حاصل فرمایا حضور پرنور مرشد برحق نے مثال خلافت واجازت جمیع سلاسل وسند حدیث عطا فرمائی۔ یہ غلام ناکارہ (امام احمد رضا)

بھی اسی جلسہ میں اس جناب کے طفیل ان برکات سے شرف یاب

ہوا والحمد للہ رب العالمین۔" [1]

مولانا نقی علی خاں ﷫ کو اپنے مرشد گرامی حضرت سیدنا شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ سے مندرجہ ذیل سلوک کی اجازت حاصل تھی۔

۱): طریقہ عالیہ قادریہ برکاتیہ جدیدہ
۲): طریقہ قادریہ قدیمہ
۳): طریقہ عالیہ قادریہ اہدایہ
۴): طریقہ قادریہ منوریہ
۵): طریقہ چشتیہ جدیدہ
۶): طریقہ چشتیہ قدیمہ
۷): طریقہ سہروردیہ جدیدہ
۸): طریقہ سہروردیہ قدیمہ
۹): طریقہ نقشبندیہ علویہ
۱۰): طریقہ سلسلہ بدیعیہ
۱۱): طریقہ سلسلہ علویہ
۱۲): طریقہ سلسلہ منامیہ
۱۳): طریقہ سلسلہ منوریہ

مولانا نقی علی خاں کو ان کے پیر مرشد نے مندرجہ ذیل چار مصافحوں کے شرف سے بھی نوازا:

۱): مصافحہ خضریہ
۲): مصافحہ جنیہ
۳): مصافحہ معمریہ
۴): مصافحہ منامیہ [2]

سلسلہ عالیہ قادریہ میں مولانا نقی علی خاں ﷫ کا شجرہ طریقت مندرجہ ذیل ہے:

مولانا نقی علی خاں نے شرف بیعت حاصل کیا اپنے پیرومرشد سید شاہ آل رسول مارہروی سے ← انہوں نے سید آل احمد عرف اچھے میاں سے ← انہوں نے اپنے والد سید شاہ حمزہ سے ← انہوں نے اپنے والد سید شاہ آل محمد سے ← انہوں نے اپنے والد سید شاہ برکت اللہ سے ← انہوں نے سید جلیل الشان فضل اللہ سے ← انہوں نے اپنے والد سید احمد سے ← انہوں نے اپنے والد سید محمد شاہ سے ← انہوں نے جمال الاولیا جمال الدین سے ← انہوں نے قاضی ضیا الدین سے ← انہوں نے محمد نظام الدین بھکاری

---

[1] ازھار الانور — از: امام احمد رضا — مطبوعہ: بریلی

[2] الاجازت المتینہ — از: امام احمد رضا — ادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی ص 123

سے ← انہوں نے سید شاہ ابراہیم ایرجی سے ← انہوں نے حضرت بہاالدین سے ← انہوں نے سید احمد جیلانی سے ← انہوں نے سید شاہ حسن سے ← انہوں نے سید شاہ موسیٰ رضا سے ← انہوں نے سید شاہ علی سے ← انہوں نے ابونصر سید محی الدین سے ← انہوں نے سید قاضی ابوصالح سے ← انہوں نے اپنے والد سید ابوبکر عبدالرزاق سے ← انہوں نے اپنے والد ماجد غوث اعظم امام سیدنا محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی سے ← انہوں نے امام ابوسعید مخرمی سے ← انہوں نے شیخ الاسلام ابوالحسن علی قرشی سے ← انہوں نے امام ابوفرح طرطوسی سے ← انہوں نے ابوالفضل عبدالواحد سے ← انہوں نے امام ابوبکر سے ← انہوں نے سید الطائفہ ابوالقاسم جنید بغدادی سے ← انہوں نے اپنے ماموں امام سری سقطی سے ← انہوں نے امام معروف کرخی سے ← انہوں نے سید اجل امام علی رضا سے جو فرزند ہیں امام موسیٰ کاظم کے ← انہوں نے اپنے والد امام موسیٰ کاظم سے ← انہوں نے امام علی رضا کے دادا جعفر صادق سے ← انہوں نے امام علی رضا کے والد کے دادا امام باقی سے ← انہوں نے سیدنا امام علی رضا کے دادا کے داد کے باپ سیدنا امام حسن سے ← انہوں نے اپنے والد مولا علی شیر خدا سے ← انہوں نے نبیوں کے خاتم رسول کے سردار محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے [1]

اجازت سند حدیث

مولانا نقی علی خاں ﷫ کو سند حدیث مندرجہ ذیل چار سلسلوں سے حاصل تھی:

۱) سیدنا شاہ آل رسول مارہروی سے اور وہ اپنے جلیل القدر مشائخ سے بیان کرتے ہیں جن میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بھی ہیں اور وہ اپنے والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے کثیر العلم اور قوی الفہم محدث ہیں۔ اس سند حدیث کا سلسلہ مندرجہ ذیل ہے:

مولانا نقی علی خاں ← مولانا سید شاہ آل رسول مارہروی ← مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ←

---

[1] الاجازت المتینہ از: امام احمد رضا ادارہ تصنیفات رضا بریلی، ص 123تا127

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ← سید عمر ← شیخ عبداللہ بن سالم البصری ← شیخ یحییٰ بن محمد شادی ← شیخ سعید بن ابراہیم الجزائری ← شیخ محقق سعید بن محمد المقری ← شیخ محمد نجی الوہرانی ← شیخ سید ابراہیم التازی ← شیخ ابوالفتح محمد بن ابوبکر بن حسین المراغی ← زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی ← ابوالفتح محمد بن محمد بن ابراہیم المیدوی ← ابوالفرج عبداللطیف بن عبدالمنعم ← حافظ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی الجوزی ← ابوسعید اسمٰعیل بن ابی صالح احمد بن عبدالملک ← ابوطاہر محمد بن محمد محمش الزیادی ← ابوحامد احمد بن محمد بن یحییٰ بن بلال البزار ← عبدالرحمٰن بن بشر بن الحکم ← سفیان بن عیینہ ← سفیان بن عمر ← ابوقاموس عبداللہ بن عمرو بن العاص ← عبداللہ بن عبداللہ بن حمزہ [1]

۲): اپنے والد امام العلما مولانا محمد رضا علی خاں سے وہ مولانا خلیل الرحمٰن محمود آبادی سے وہ فاضل محمد سندیلوی سے اور وہ ابوالعیاش محمد عبدالعلی سے [2]

۳): سید احمد بن زینی دحلان مکی سے اور وہ شیخ عثمان دمیاتی سے [3]

۴): مولانا نقی علی خاں بریلوی کو شیخ محقق مولانا عبدالحق محقق دہلوی کی طرف سے بھی حدیث مسلسل بالاولیت کی سند حاصل تھی جس کی ترتیب درج ذیل ہے:

سیدنا شاہ آل رسول مارہروی ← سیدنا شاہ آل احمد اچھے میاں ← عارف باللہ سیدنا شاہ حمزہ حسینی واسطی ← سیدنا شاہ فضیل محمد اترولوی ← سیدنا شاہ مبارک فخرالدین بلگرامی ← شیخ استاد ابولرضا بن شیخ اسمٰعیل ← افضل المحدثین شاہ عبدالحق محدث دہلوی ← شیخ صالح صاحب توفیق عبدالوہاب ← شیخ کبیر محمد بن افلاح یمنی ← شیخ وجیہہ الدین عبدالرحمٰن بن ابراہیم علوی ← شیخ شمس الدین سخاوی ← ابوالفضل احمد بن معروف بہ ابن حجر ← ابوالفضل عبدالرحمٰن بن حسین عراقی ← شیخ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد تدمری ← ابوفتح محمد بن محمد بن ابراہیم میدومی ← النجیب عبداللطیف بن عبدالمنعم حرانی ← شیخ عبدالرحمٰن بن علی جوزی ← ابوسعید اسمٰعیل بن علی صالح احمد بن عبدالملک نیشاپوری ← ابوصالح احمد بن عبدالمالک ← ابوطاہر محمد بن محمد محمش ← ابوحامد احمد بن محمد بن یحییٰ بن بلال ← حضرت شیخ بن عبدالرحمٰن

---

[1] بیاض قلمی امام احمدرضا مخزونہ سید شاہ یحییٰ حسن مارہروی خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف

[2،3] الاجازت المتینہ از: امام احمد رضا اداره اشاعت تصنیفات رضا بریلی ص 123تا127

بن بشر بن الحکم ← حضرت سفیان بن عیینہ ← حضرت شیخ بن عمر بن دینار ← حضرت عبداللہ بن عمر بن عاص ← ابوالقاموس شیخ حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عمرو ← حضور نبی ءکریم ﷺ [1]

فقہ حنفی

مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو سیدنا شاہ آل رسول کے علاوہ حضرت شیخ عبدالرحمٰن حنفی مکی سے بھی سند فقہ حاصل تھی۔ حضرت مکی کا سلسلہ سات واسطوں سے حضرت شیخ احمد بن یونس شبلی تک پہنچتا ہے اور حضرت شیخ شبلی کا سلسلہ سولہ واسطوں سے امام اعظم حضرت ابوحنیفہ تک پہنچتا ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ کا سلسلہ تین واسطوں سے سیدنا عبداللہ بن مسعود تک پہنچتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود کا سلسلہ براہ راست حضور نبی ءکریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک۔ چھبیس واسطوں سے ہوتا ہوا منتہی ہوتا ہے۔ [2]

حج وزیارت

مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ۲۶ شوال ۱۲۹۵ھ کو حج وزیارت کیلئے روانہ ہوئے۔ یہ وہ دور تھا کہ مولانا شدت سے علیل تھے اور ضعف انتہا کو تھا۔ اس سلسلہ میں امام احمد رضا خاں فرماتے ہیں:

> "عزم زیارت وحج مصمم فرمایا یہ غلام (امام احمد رضا) اور چند اصحاب وخدام ہمراہ رکاب تھے۔ ہر چند احباب نے عرض کیا کہ علالت کی یہ حالت ہے آئندہ سال پر ملتوی فرمایئے۔ ارشاد فرمایا۔ مدینہ طیبہ کے قصد سے قدم دروازے سے باہر رکھ لوں پھر چاہے روح اسی وقت پرواز کر جائے۔ دیکھنے والے جانتے ہیں کہ تمام مشاہد میں تندرستوں سے کسی بات میں کمی نہ فرمائی بلکہ مرض ہی خود نبی اکرم ﷺ کے ایک

---

[1] الاجازت المتینہ از: امام احمد رضا ادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی ص 195تا197

[2] فتاویٰ رضویہ (جلد اول) از: امام احمد رضا ناشر: رضا اکیڈمی، بمبئی ص 5

آبخورہ میں دوا عطا فرمانے سے کہ من رانی فقد رای الحق (رواہ احمد الشیخان عن ابی قتادہ) حد منع پر نہ رہا۔“ [1]

مولانا نقی علی خاں ﷫ حج وزیارت کے سلسلہ میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں تقریباً تین ماہ مقیم رہے۔ حج میں آپ کے معلم احمد سیبونی بن محمد سیبونی مکی تھے۔ [2]

اوراد ووظائف

مولانا نقی علی خاں بریلوی ﷫ کو ان کے پیرو مرشد سیدنا آل رسول مارہروی نے مندرجہ ذیل اوراد ووظائف کی اجازت عطا فرمائی:

قرآن عظیم کے خواص	اسماالٰہیہ	دلائل الخیرات
حصن حصین	قصر متین	اسماالعینہ
حزب البحر	حزب البر	حزب النصر
سلسلہ شاذلیہ کے تمام احزاب	ایک لاکھ چار ولیوں کا حرز	حرز الامیرین
حرز ایمانی	دعا حیدری	دعا عزرائیل
دعا مغنی	قصیدہ غوثیہ	صلوٰۃ غوثیہ (صلوٰۃ الاسرار)
دعا سریانی	نیم تکبیر	تکبیر عاشقاں
قصیدہ بردہ	ارسال الہواتف	(الاجازات المتینہ ص 167)

مندرجہ بالا اوراد ووظائف، اذکار، اشغال، اوفاق اور اعمال کی اجازت اس شرط کے ساتھ عطا کی گئی کہ قطع رحمی اور ناجائز کام کیلئے نہ پڑھے جائیں اور ان سے کسی مسلمان کو نقصان نہ پہنچایا جائے اگرچہ اس نے تمہارے ساتھ ظلم کیا ہو۔

---

[1] جواھر البیان فی اسرر الارکان۔مولانا نقی علی خاں (حالات مصنف از امام احمد رضا) ص 10

[2] بیان احمد سیونی بن محمد سیونی مقدمہ نمبر 47/1883 بہ اجلاس مولوی عبدالقیوم خاں سب جج بریلی

مولانا نقی علی خاں بریلوی رضی اللہ عنہ کے احباب

مولانا نقی علی خاں بریلوی نے اپنے زبان وقلم سے اپنے خاص احباب کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے۔آپ کی حیات کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شریعت مطہرہ کے مقابلہ میں آپ کا نہ کوئی اپنا تھا نہ پرایا۔نہ یگانہ تھا اور نہ بیگانہ۔آپ کی دوستی اور دشمنی کی بنیاد الحب فی اللہ و البغض فی اللہ پر تھی۔تاہم آپ کی چند تصنیفات اور اصحاب قلم کی تحریرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل چند حضرات آپ کے مقربین خاص تھے:۔

مولانا حکیم غلام قادر بیگ:

حضرت مولانا حکیم غلام قادر بیگ ابن مرزا حسن جان بیگ یکم محرم الحرام ۱۲۴۳ھ مطابق 25 جولائی 1827ء کو محلہ جھوائی ٹولہ لکھنو میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد ماجد نے لکھنو سے ترک سکونت کر کے بریلی میں سکونت اختیار کی۔آپ کی رہائش جامع مسجد بریلی کے جانب شرق محلہ قلعہ میں تھی۔آپ نسلاً ایرانی یا ترکستانی مغل نہیں ہیں بلکہ شاہان مغلیہ نے آپ کے اجداد کو مرزا اور بیگ کے خطبات سے نوازا تھا۔آپ کا سلسلہ نسب خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔حضرت احرار نسلاً فاروقی تھے اس طرح آپ کا سلسلہ ءنسب حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔سلطان ظہیر الدین بابر اور ان کے والد دونوں حضرت خواجہ عبید اللہ احرار سے بیعت تھے اور ان سے روحانی فیض حاصل کرتے تھے۔

مولانا نقی علی خاں رضی اللہ عنہ کے اجداد کرام بھی شاہان مغلیہ سے وابستہ رہے۔اسی زمانے میں دونوں خاندانوں کے قریبی روابط رہے۔اسی بناء پر مولوی مرزا غلام قادر بیگ اور مولانا نقی علی خاں کے درمیان انتہائی قریبی تعلقات تھے۔اسی لئے مولانا نقی علی خاں کے خلف اکبر امام احمد رضا کی تعلیم آپ نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔دیگر طلباء آپ کے مطب واقع محلہ قلعہ نزد جامع مسجد بریلی میں درس لیا کرتے

تھے مگر مولانا نقی علی خاں سے قریبی تعلقات ودوستی اور خاندانی وجاہت کی وجہ سے امام احمد رضا کو ان کے مکان پر ہی درس دیتے تھے۔امام احمد رضا نے ابتدائی کتب میزان منشعب وغیرہ مولانا غلام قادر بیگ سے پڑھیں۔

مرزا غلام قادر بیگ اپنے وقت کے مشہور عالم، عابد اور متقی تھے۔آپ انتہائی منکسر المزاج اور خلیق تھے۔پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود نے اپنی تصنیف ''حیات مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی'' میں آپ کا سن وصال 1883ء لکھا ہے۔[1] جو صحیح نہیں ہے۔مرزا غلام قادر بیگ کے حقیقی بھتیجے اور راقم السطور کے حقیقی نانا حضرت مرزا مولوی محمد جان بیگ رضوی علیہ الرحمہ کی بیاض کے مطابق مولانا حکیم مرزا غلام قادر بیگ کا وصال یکم محرم الحرام ۱۳۳۶ھ مطابق 1917ء کو نوے سال کی عمر میں ہوا اور محلہ باقر گنج واقع حسین باغ بریلی میں دفن ہوئے آپ کے بھائی مرزا مطیع اللہ بیگ بھی وہیں مدفون ہیں۔

نواب نیاز احمد خاں ہوشؔ

نواب نیاز احمد خاں ہوشؔ عرف بنے میاں بریلی کے مشہور شاعر اور صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ہوشؔ بریلوی نواب حافظ محمد یار خاں کی اولاد میں تھے۔نواب حافظ محمد یار خاں، حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں کے پانچویں بیٹے تھے۔ہوشؔ فن شعر میں استاد تھے۔بڑی تعداد میں آپ کے تلامذہ تھے۔بریلی اور اطراف وجوانب میں آپ کی بڑی شہرت تھی۔خلیفہ امیر الدین آزادؔ مرحوم بریلوی سے فارسی کی تحصیل کی۔کتب معقول ومنقول مختلف علما سے پڑھیں۔فن طب میں حکیم محمد ابراہیم لکھنوی کے شاگرد تھے اور شاعری میں اسیر لکھنوی کی شاگردی اختیار کی۔نعت، قصیدہ رباعی سب کچھ لکھتے تھے۔1857ء کے غدر نے بے چین کردیا۔مختلف شہروں کی سیاحی کی۔طویل عرصہ تک لکھنؤ میں قیام پذیر رہ کر وہاں کے جلسوں اور محفلوں کو رونق بخشی۔تاریخ روہیلکھنڈ، کلیات ہوشؔ، مثنوی ترانہ ہوش اور حدیقۂ نعت (مولود نامہ) ان کی مطبوعہ تصانیف ہیں۔شہادت نامہ بے نظیر، فسانۂ غرائب اور واسوخت ہوشؔ

---

[1] حیات مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی مولفہ: ڈاکٹر محمد مسعود احمد مطبوعہ: سیالکوٹ ص 122

آپ کی غیر مطبوعہ کتابیں ہیں۔

نواب نیاز احمد خاں ہوش مولانا نقی علی خاں کے ہم عصر اور مقربین میں سے تھے۔ ہوش بریلوی مولانا نقی علی خاں کی علمی بصیرت، مومنانہ فراست اور مجاہدانہ عزیمت کے بہت زیادہ قائل تھے اور اس کا اعتراف مولانا نقی علی خاں کی تصنیف ''سرور القلوب فی ذکر المحبوب'' کی تقریظ میں انتہائی عقیدت ومحبت کے ساتھ کیا ہے۔ مولانا نقی علی خاں بھی آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور ہوش بریلوی کی علم دوستی اور علما نوازی پر بہت خوش ہوتے تھے۔

ہوش بریلوی کا انتقال بریلی میں 30 جون 1892ء مطابق ۵ ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ کو ہوا۔ مقبرہ حافظ الملک سے ملحق چار دیواری میں دفن ہوئے۔

مولوی ہدایت علی بریلوی

سید ہدایت علی بریلوی خلف سید بہادر علی بریلوی بریلی میں تولد ہوئے۔ درسیات میں مفتی محمد عیوض (م 1816ء) کے شاگرد تھے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی سے بھی تحصیل علم کیا۔ شاعری میں خلیفہ امیر الدین آزاد کے شاگرد تھے۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں کلام کہا ہے۔ نعتیہ دیوان اردو ''ہدایت فیاض'' 1894ء میں مطبع قادری بریلی میں چھپا تھا مگر اب نایاب ہے۔ مولانا ہدایت علی کی نعتیں برصغیر میں بڑے ذوق وشوق سے پڑھی اور سنی جاتی تھیں۔ آپ مولانا نقی علی خاں سے بہت عقیدت ومحبت رکھتے تھے اور ان کے علم سے فضل سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ آپ نے مولانا نقی علی خاں کی مشہور ومعروف تصنیف ''سرور القلوب فی ذکر المحبوب'' پر شاندار تقریظ لکھی ہے۔ اس میں آپ نے مولانا بریلوی کے لئے جو القاب وآداب قلمبند کئے ہیں ان سے مولانا کے روحانی وعلمی منصب کا اندازہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی ان سے قلبی لگاؤ کا بھی پتہ چلتا ہے۔ مولانا نقی علی خاں بھی آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کی علمی بصیرت کی قدر کرتے تھے۔ اثر بن عباس کے تنازعہ میں مولانا ہدایت علی

بریلوی، مولانا نقی علی خاں کے حمایتی تھے اور آپ نے مولانا نقی علی خاں کے نظریہ کی حمایت اور محمد احسن نانوتوی کی رد میں ایک رسالہ " الکلام الحسن تحریر کیا۔ ۱

مولانا یعقوب علی

مولانا یعقوب علی خاں شہر کہنہ بریلی کے رئیس تھے۔ آپ مدرسہ اکبری بریلی کے صدر مدرس اور بھوپال میں قاضی شرع رہے۔ ۲ آپ اپنے وقت کے زبردست عالم و فاضل اور فقیہ تھے۔ حنفی المذہب تھے اور فتویٰ نویسی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ شاہ اسحٰق دہلوی کے شاگرد تھے۔ علم وفضل میں باکمال آپ ڈپٹی مدارس اور آنریری مجسٹریٹ بھی رہے۔ آخر عمر میں پنشن یاب تھے۔ مولانا نقی علی خاں کی تبحر علمی سے حد درجہ متاثر تھے۔ دینی معاملات میں مولانا نقی علی خاں کی رائے کو ترجیح واہمیت دیتے تھے۔ چنانچہ مولانا نقی علی خاں اور مولانا احسن نانوتوی کے مابین اثر ابن عباس کی بحث میں مولانا یعقوب علی خاں، مولانا نقی علی خاں کے زبردست حمایتی ومعاون تھے اور مولانا نقی علی خاں کے نظریہ کو درست مانتے تھے۔ مولانا نقی علی خاں بھی آپ کی بہت عزت کرتے تھے

نواب عبدالعزیز خاں

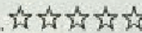
نواب عبدالعزیز خاں بن سعادت یار خاں بن نواب محمد یار خاں بن حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں باعتبار علم وفضل علامہ وقت اور بلحاظ جود وسخا بے مثل تھے۔ ابتدائی عمر سے ہی نہایت ذکی اور ذہین تھے۔ ابتدائی تعلیم مولوی اللہ یار خاں سے حاصل کی۔ معقول ومنقول علامہ مفتی عنایت احمد اور مولوی یعقوب علی خاں سے پڑھیں۔ فارسی وعربی پر دسترس حاصل کرنے کے بعد سنسکرت کا شوق ہوا تو قلیل مدت میں اس پر عبور حاصل کر لیا اور بڑے بڑے پنڈتوں پر سبقت لے گئے۔

حافظہ زبردست تھا، قرآن حفظ کر کے رمضان شریف میں سنانے کا شوق ہوا۔ یکم رمضان سے ایک پارہ یاد کر کے مسجد نواب ایوب خاں بریلی میں تراویح میں سنا دیتے۔ اسطرح ۲۸ رمضان کو

ا؎ مولانا محمد احسن نانوتوی از: پروفیسر ایوب قادری مکتبہ عثمانیہ کراچی ص 63,91

قرآن شریف ختم کر دیا۔ اس روز بڑے اہتمام سے مسجد میں چراغاں اور شیرینی تقسیم کرائی۔ آپ اردو و فارسی کے زبردست ادیب تھے۔ آپ دونوں زبانوں میں ایسی عبارت لکھنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے جس کے ہر فقرہ سے مادہ تاریخ نکلتا ہو۔ نواب صاحب کی تصانیف میں **سبیل بخشش، آئینہ آخرت، جزر ومد، مجالس العلوم** بہت مقبول ہوئیں۔ نواب صاحب اردو، فارسی کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ شاعری میں مولوی عبدالملک ممتاز بریلوی سے تلمذ کیا۔ عزیز تخلص اختیار کیا اور اتنے مشہور ہوئے کہ بریلی میں کسی شاعر کو اتنی شہرت نصیب نہ ہوئی۔ آپ انتہائی عابد و زاہد و متقی و پرہیز گار تھے۔ وکالت کا پیشہ اختیار کیا اور اس پیشہ میں ایمانداری اور دیانت داری کے باعث تمام عدالتیں بہت زیادہ احترام کرتی تھیں۔

مولانا نقی علی خاں سے آپ کے بہت قریبی روابط تھے۔ آپ شرعی معاملات میں مولانا نقی علی خاں کی آرا کو سند تسلیم کرتے تھے۔ مولانا نقی علی خاں اور مولانا احسن نانوتوی کے درمیان اثر بن عباس کے مسئلہ پر تنازعہ ہوا اور مولانا نقی علی خاں نے ۱۲۹۰ھ مطابق 1873ء میں عیدگاہ میں مولانا احسن کے نماز پڑھانے کو ناپسند کیا تو مولانا احسن کی امامت کے خلاف دیگر علما اور معززین شہر کے علاوہ نواب عبدالعزیز خاں دستخط کرنے والوں میں پیش پیش تھے۔ مولانا نقی علی خاں بھی نواب صاحب کی نیکی، شرفا نوازی، غربا پروری اور علم دوستی کی بنا پر بہت ادب واحترام کرتے تھے۔



شکل وشباہت

مولانا نقی علی خاں بریلوی ﷫ افغانستان کے مشہور قبیلہ بھڑیچ سے تعلق رکھتے تھے۔افغانی قوی الجثہ اور خوبصورت ہوتے ہیں۔مولانا نقی علی خاں میں بھی یہ خوبیاں موجود تھیں۔آپ دراز قد اور مضبوط جسم کے مالک تھے۔گول نورانی چہرہ، کشادہ پیشانی، بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں جن سے مہرو محبت عیاں، علم وفضل اور عشق رسول سے معمور چوڑا چکلا سینہ، ستواں ناک، گورا چٹا رنگ۔چہرہ پر گھنی داڑھی جو آخر عمر میں کچھ سفید ہوگئی تھی چہرہ کو اور زیادہ جاذبیت عطا کرتی تھی۔باریک گلابی ہونٹ جن پر مسکراہٹ رقصاں رہتی تھی۔مجموعی اعتبار سے انتہائی حسین، خوبصورت و دلکش شخصیت کے مالک تھے۔متانت اور سنجیدگی ابتداء ہی سے تھی۔مزاج میں انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔منکسر المزاجی کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی کو اس بات کا گمان نہیں ہونے دیا کہ آپ بڑے باپ کے بیٹے ہیں۔اپنے بڑوں اور بزرگوں کا انتہائی ادب واحترام کرتے تھے۔

معمولات دینی ودنیاوی

کتب بینی

مولانا نقی علی خاں ﷫ کو کتب بینی کا بہت شوق تھا۔آپ کا بیشتر وقت دینی کتابوں کے مطالعہ میں گزرتا تھا۔آپ کے مطالعہ کا طریقہ یہ تھا کہ جس کتاب کو پڑھتے اول سے آخر تک پڑھتے درمیان میں نہیں چھوڑتے تھے۔آپ کے وسعت مطالعہ کا اندازہ آپ کی تصنیفات سے لگایا جاسکتا ہے۔مثلاً آپ نے "الکلام الاوضح فی تفسیر سورہ الم نشرح" میں ستاسی سے زیادہ کتابوں کے حوالے دیئے ہیں جس سے علمی ودینی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

فتویٰ نویسی

تیرہویں صدی ہجری میں مولانا نقی علی خاں ﷫ کے والد ماجد امام العلما مولانا رضا علی خاں ﷫ نے ۱۲۴۶ھ مطابق 1831ء میں سرزمین بریلی پر مسند افتا کی بنیاد رکھی اور چونتیس سال تک فتویٰ نویسی کا کام بحسن وخوبی انجام دیا۔[1] امام العلما نے اپنے فرزند سعید مولانا نقی علی خاں کو خصوصی تعلیم دے کر مسند افتا پر فائز کیا۔ مولانا نقی علی خاں نے مسند افتا پر رونق افزا ہونے کے بعد سے ۱۲۹۷ھ تک نہ صرف فتویٰ نویسی کا گراں قدر فریضہ انجام دیا بلکہ معاصر علما وفقہا سے اپنی علمی بصیرت کا لوہا منوالیا۔ مولانا نے طویل عرصہ تک ملک و بیرون ملک سے آنے والے سوالات کے جوابات انتہائی فقیہانہ بصیرت کے ساتھ فی سبیل اللہ تحریر کیے۔ مولانا کے فتاووں کا مجموعہ تیار نہ ہوسکا اس لئے ان کی فتویٰ نویسی پر سیر حاصل گفتگو نہیں کی جاسکتی لیکن مختلف علوم وفنون پر آپکی مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصانیف آپ کے علم و فضل کی شاہد ہیں۔ آپ کے اقوال وآرا کو علمائے عصر سند تسلیم کرتے تھے اور اپنے فتووں پر مولانا نقی علی خاں ﷫ کی تصدیق لازمی وضروری سمجھتے تھے۔ آپ کے پاس عام طور پر فتاوے تصدیقات کیلئے آتے تھے۔ آپ انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اگر جوابات صحیح ہوتے دستخط کر کے مہر ثبت کردیتے تھے اور اگر جواب غلط ہوتے تو علیحدہ کاغذ پر جواب لکھ دیتے تھے کسی کی تحریر سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ اس بارے میں مفتی حافظ بخش آنولوی لکھتے ہیں:

> ''مولوی صاحب ممدوح (مولانا نقی علی خاں) کو کسی کی تکفیر مشتہر کرنے سے کیا غرض تھی نہ آپ کی یہ عادت۔ مسائل جو مہر کے واسطے آتے ہیں اگر صحیح ہوتے ہیں مہر ثبت فرماتے ہیں اور جو خلاف کتاب ہوتے ہیں جواب علیحدہ سے لکھ دیتے ہیں کسی کی تحریر سے تعرض نہیں کرتے۔'' [2]

---

[1] حیات مولانا امام احمد رضا خاں از: پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد خاں المختار پبلیکیشنز کراچی ص 28

[2] تنبیہ الجہال از: مفتی حافظ بخش آنولوی مطبع: بہارستان کشمیر، لکھنؤ ص 23

تصنیف وتالیف

مولانا نقی علی خاں ﷫ کو کتب بینی، فتویٰ نویسی، درس وتدریس، عبادت وریاضت، خدمات دینی وملی کے علاوہ تصنیف وتالیف سے بھی بہت زیادہ شغف تھا۔ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی آپ اپنے دور میں نادرروزگار تھے اور جامعیت علوم میں ہم عصر علما پر فوقیت رکھتے تھے۔ آپ کو متعدد علوم پر دسترس حاصل تھی۔ آپ نے اردو زبان کو اپنی گراں قدر تصانیف سے مالا مال کیا۔ آپ نے مختلف علوم وفنون اور موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ خاص طور پر سیرت نبوی، اصلاح معاشرہ، تعلیم وتعلم، علم معاشرت، تصوف وغیرہ موضوعات ومسائل پر نہایت جامع اور بلند پایہ تصانیف قلم بند کی ہیں۔ آپ کے خلف اکبر مولانا احمد رضا نے چھبیس کتابوں کا ذکر کیا ہے اور باقی کتابوں کے مسودات ملے ہیں جن کے اول وآخر یا وسط کے اوراق غائب ہیں اس طرح ایک اندازہ کے مطابق آپ نے چالیس کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آپ کی بیش بہا تصانیف اور دینی تحقیقات آپ کی حیات میں طبع نہ ہوسکیں اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم وفضل کی دولت کے ساتھ استغنا کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ جس وقت کچھ علما اپنے علم کو جنس تجارت بنا کر برطانوی حکام سے نذرانے وصول کر کے اور دولت مندوں سے چندہ لے کر اپنے عقائد ونظریات کی ترویج واشاعت کر رہے تھے اس وقت مولانا نقی علی خاں ﷫ کی غیرت دینی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنے ہم مسلک اور معتقدین روسا کے پاس جانا بھی منظور نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی مذہبی تصانیف اور دینی تحقیقات آپ کی حیات میں زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکیں۔

درس وتدریس

مولانا نقی علی خاں ﷫ ایک بلند پایہ عالم اور اپنے وقت کے بے مثال فقیہ تھے۔ آپ نے درس کی طرف خصوصی توجہ دی۔ آپ کا درس مشہور تھا۔ طلبا دور دور سے آپ کے پاس اکتساب علم کیلئے آتے تھے۔ آپ بہت ذوق وشوق کے ساتھ طلبا کو تعلیم دیتے تھے۔ مولانا قوم کی فلاح وبہبود کیلئے دینی

تعلیم کو لازمی قرار دیتے تھے۔ مولانا کو مسلمانوں کی علم دین کی جانب سے لاپرواہی پر بہت تشویش تھی۔ چنانچہ مولانا نے دینی تعلیم کے فروغ کیلئے بریلی میں **"مدرسہ اہل سنت"** قائم کیا۔

مدرسہ اہل سنت کا قیام

مولانا نقی علی خاں ﷫ کے عہد تک بریلی میں مختلف علمائے کرام انفرادی طور پر دینی و مذہبی تعلیم دیتے تھے۔ جن میں مولوی ہدایت علی فاروقی اور مولوی یعقوب علی کے نام قابل ذکر ہیں۔ مولوی ہدایت علی بریلوی، بریلی کے محلہ قرولان کے ساکن تھے اور مولانا فضل حق خیر آبادی کے شاگرد تھے۔ مولوی ہدایت علی نے "مدرسہ شریعت" کے نام سے بریلی میں ایک مدرسہ قائم کیا جس میں آپ دینی تعلیم دیتے تھے اکبر حسین کمبوہ کی بیوی نے بھی ایک مدرسہ قائم کیا تھا وہ تنہا اس مدرسہ کے مصارف برداشت کرتی تھیں۔ بریلی میں یہ پہلا دینی مدرسہ تھا۔ [1] مدرسہ میں شہر کہنہ کے رئیس مولوی یعقوب علی نے بھی کچھ عرصہ تک درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔

ان مدارس کے باوجود بریلی میں کوئی ایسا مدرسہ نہ تھا جو باقاعدہ مذہبی تعلیم دے سکتا اس لئے مولانا نقی علی خاں بریلوی نے کوٹھی رحیم داد خاں واقع محلّہ گلاب نگر، بریلی میں **"مدرسہ اہل سنت"** کے نام سے ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ [2]

تلاش و جستجو کے باوجود مدرسہ کے قیام کی سن و تاریخ کا کوئی دستاویزی ثبوت حاصل نہیں ہو سکا۔ مدرسہ کے مصارف عوام کے مدد و تعاون سے پورے ہوتے تھے۔

مولانا احسن نانوتوی نے بھی بعد میں محلّہ مداوی دروازہ کی ایک مسجد میں "مصباح التہذیب" نام سے ایک مدرسہ 1872ء میں قائم کیا۔ [3] "حیات اعلیٰ حضرت" میں "مصباح التہذیب بریلی" کا بانی مولانا نقی علی خاں کو قرار دیا گیا ہے۔ [4]

اس تسامح کو اعلیحضرت کے کبھی سوانح نگاروں نے بھی قائم رکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ "مدرسہ اہل سنت"

---

[1] تنبیہ الجہال ص ۲۳ [2] سوانح مولانا احسن نانوتوی از: پروفیسر ایوب قادری، ص 82,83

[3][4] حیات اعلیٰ حضرت مکتبہ رضویہ کراچی ص 211

اور ''مدرسہ مصباح التہذیب'' کے بارے میں مولانا نقی علی خاں کے شاگرد مفتی حافظ بخش آنولوی اس طرح رقم طراز ہیں:۔

''حالانکہ بہت سے صاحب ہرگز ''مصباح التہذیب'' میں چندہ نہیں دیتے بلکہ مدرسہ اہل سنت میں شریک ہیں اور عمائد شہر کہنہ کا چندہ وہاں کے مدرسہ سے متعلق ہے اور بعض صاحب محض خاطر داری اہل شوریٰ اراکین مصباح التہذیب یا بوجہ ملال وخصومت معاملات دینی ودنیوی کہ فاضل بریلوی (مولانا نقی علی خاں) اور مہتمم ''مدرسہ اہل سنت'' سے رکھتے ہیں اس طرف شریک ہیں۔ کچھ لوگ ابھی اس حال سے واقف نہیں کہ نانوتوی صاحب نے مدرسہ بوجہ خلاف عقیدہ ''مدرسہ اہل سنت'' سے علیحدہ کر لیا اور بعض حضرات سرے سے اختلاف عقیدہ فریقین کو اختلاف جزئیہ کے قبیل سمجھتے ہیں اور فریقین کو ہم عقیدہ جانتے ہیں۔'' [1]

مفتی حافظ بخش آنولوی کی مندرجہ بالا تحریر ''مدرسہ اہل سنت'' اور ''مدرسہ مصباح التہذیب'' کے چندہ سے متعلق ہے مگر اس تحریر سے مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:۔

- مولانا نقی علی خاں اور مولانا احسن نانوتوی کے مابین عقیدہ کا اختلاف تھا۔
- ''مدرسہ اہل سنت'' مولانا نقی علی خاں نے قائم کیا تھا اور مولانا نانوتوی نے ''مدرسہ مصباح التہذیب'' قائم کیا تھا
- مدرسہ اہل سنت، مدرسہ مصباح التہذیب سے قبل قائم ہوا۔
- اب سے تقریباً سوا سو سال قبل ذرائع ابلاغ کی کمی کی وجہ سے شہر کہنے کے عوام نئے شہر کے حالات سے جلدی باخبر نہیں ہو پاتے تھے اس لئے شہر کہنہ کے سارے مسلمان اس بات سے

---

[1] تنبیہ الجہال از: مفتی حافظ بخش آنولوی مطبع: بہارستان کشمیر، لکھنئو ص 39

واقف نہیں ہوسکے تھے کہ مولانا نقی علی خاں اور مولانا نانوتوی کے درمیان عقیدہ کا اختلاف ہے اس لئے مدرسہ مصباح التہذیب میں چندہ دیتے تھے۔

- مدرسہ مصباح التہذیب 1872ء قائم ہوا اس لئے مدرسہ اہل سنت اس سے قبل قائم ہوا ہوگا۔

"**مدرسہ اہل سنت**" اپنے وقت کا معروف اور معیاری دینی مدرسہ تھا۔ مولانا نانوتوی کا مدرسہ مصباح التہذیب، مدرسہ اہل سنت کے مقابلہ کا نہ تھا۔ اس میں ابتدائی درجات کے بہت کم طلبا تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس کا ثبوت مفتی حافظ بخش آنولوی کی مندرجہ ذیل تحریر ہے:۔

> "نانوتوی صاحب فرمائیں کہ مصباح التہذیب میں "شرح شمسیہ" کی سند کوئی پڑھتا ہے؟ یا ان کے مدرس اعلیٰ یہ کتابیں پڑھا سکتے ہیں وہاں صرف چند طلبا صرف ونحو اور چند لڑکے قرآن خوانی کے، کون پڑھتا ہے۔ بتایئے مصباح التہذیب کے قیام سے مسلمانوں کو کیا فائدہ ہوا۔"[1]

مولانا نقی علی خاں ﷫ درس وتدریس سے خاص شغف رکھتے تھے۔ مسلمانوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ آپ علم معقول ومنقول پر پوری دسترس رکھتے تھے۔ مولانا کے شغف اور علم وفضل کے کمال کا اعتراف کرتے ہوئے مولانا کے ہم عصر اور دوست نواب نیاز احمد خاں ہوشؔ لکھتے ہیں:

> "مولوی صاحب سلمہ تعالیٰ (مولانا نقی علی خاں) کا گل اسلام تازہ رنگ لایا یعنی اکثر اشخاص کو تعلیم کا شوق دلاتے ہیں اپنا وقت دینیات کے پڑھانے میں بہت صرف فرماتے ہیں۔ ہنگام کلام کا دریا بہہ جاتا ہے۔ العالم اذا تکلم فھو البحر وتموج (عالم جب گفتگو کرتا ہے تو علم کے سمندر میں غوطہ لگاتا ہے) کا

[1] تنبیہ الجہال از: مفتی حافظ بخش آنولوی مطبع: بہارستان کشمیر، لکھنؤ ص 39

مضمون انہیں کی ذات مجمع حسنات پر صادق آتا ہے۔ کسی علم میں عار نہیں۔ ہر علم میں دخل معقول ہونا بجز عنایت باری نہیں اور خیر میں اپنی اوقات عزیز صرف کرنے میں دشواری نہیں۔ مسائل مشکلہ معقول نے ان کے سامنے مرتبہ حضوری پایا۔ منقول میں بدوں حوالہ آیت وحدیث کلام نہ کرنا ان کا قائدہ کلی نظر آیا۔ ان کے حضور اکثر منطقی اپنے اپنے قیاس و شعور کے مطابق صغرائے ثنا اور کبرائے مدح شکل بدیہی الاتباع بنا کر دعویٰ توصیف ثابت کر دکھاتے ہیں۔ آخرالامر نتیجہ نکالتے ہیں یہ شعر زبان پر لاتے ہیں۔

کیا عجب مدرسہ علم میں اس عالم کے
شمس آ کر سبق شمسیہ پڑھتا ہو اگر"[1]
ہوش

عبادت وریاضت

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ زبردست عالم، مفتی ءوقت، فقیہہ عصر، پابند شرع اور عابد شب بیدار تھے۔ پرہیزگاری اور خداپرستی میں آپ اپنی مثال آپ تھے۔ ہر وقت باوضو رہتے تھے۔ نماز باجماعت کے پابند تھے اور قلب درود شریف کا ذاکر۔ روزے پابندی سے رکھتے تھے۔ آپ کی زندگی کا ہر شعبہ اتباع سنت کے انوار سے منور تھا۔ طبیعت ناساز ہوتی تب بھی نماز باجماعت مسجد میں ہی ادا کرتے۔ فرض روزوں کے علاوہ اکثر نفل روزے بھی رکھتے۔ تصنیفی، تبلیغی اور علمی مصروفیات کے باوجود آپ نہ صرف فرائض وواجبات بلکہ نوافل مستحبہ، اوراد ووظائف، ارشاد شعبہ جات عبادت کو محیط تھے

[1] سرور القلوب فی ذکر المحبوب مصنف مولانا نقی علی خاں تقریظ: امام احمد رضا ص 6

اخلاق وعادات

مولانا نقی علی خاں ﷫ کے اخلاق وعادات بہت عمدہ تھے۔ پوری زندگی عشق رسول ﷺ اور اتباع سنت میں گزری۔ اپنی ذات کیلئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا دوسروں کو بھی یہی تلقین کرتے تھے، سلام کرنے میں ہمیشہ سبقت کرتے ،قبلہ کی طرف کبھی پاؤں نہ کرتے اور نہ احتراما کبھی قبلہ کی طرف تھوکتے تھے۔ غربا ومساکین اور طلبہ کیساتھ انتہائی شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے اور اکثر ان کی مالی مدد بھی کرتے تھے۔ علما وطلبا کا بہت احترام کرتے تھے، ان کے آنے پر بہت خوش ہوتے تھے۔ انتہائی خوش مزاج اور بااخلاق تھے۔ غرور وتکبر نام کو نہ تھا، خدام اور ملازمین سے بہت خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے۔ خدا کی رضا کیلئے خدمت دین آپ کا مشغلہ تھا۔ کسی غرض یا ذاتی مفاد کا معمولی شائبہ بھی نہ تھا۔

خصوصیات

مولانا نقی علی خاں ﷫ تقویٰ وپرہیزگاری کے ساتھ ہی دقت نظر اور اصابت فکر میں اپنے ہم عصر علما پر فوقیت رکھتے تھے۔ ایک فقیہ کیلئے جس دینی فہم وفراست، زیرکی ودانائی کی ضرورت ہوتی ہے مولانا میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ آپ بلندی اقبال اور علو ہمت کے مالک تھے۔ مروت، سخاوت، شجاعت وقناعت، دبدبہ وجلال، علم وعقل وغیرہ فضائل کے جامع تھے۔ مولانا کی خصوصیات کا ذکر امام احمد رضا اس طرح کرتے ہیں:۔

> جو دقت نظر وحدت افکار صائب الرائے ثاقب حضرت حق جل وعلا نے انہیں عطا فرمائی ان دیار امصار میں اسکی نظیر نظر نہ آئی۔ فراست صادقہ کی یہ حالت تھی کہ جس معاملہ میں جو کچھ فرما دیا وہی ظہور میں آیا۔ عقل معاش ومعاد دونوں کا بدرجہ کمال اجتماع بہت کم سنا، یہاں آنکھوں نے دیکھا۔ بریں سخاوت

وشجاعت علو ہمت صدقات خفیہ میراث جلیہ وغیر ذٰلک فضائل جلیلہ اور خصائل جمیلہ کا حال وہی جانتے ہیں جس نے اس جناب کی برکت وصحبت سے فیض پایا ہے۔'' ؎۱

عاشق رسول ﷺ

عشق رسول ﷺ ہی عشق الٰہی کا ذریعہ ہے۔ عشق رسول کے بغیر بندہ عشق الٰہی سے محروم رہتا ہے۔ عاشق رسول کا سینہ جتنا عشق رسول سے معمور ہوتا ہے اتنا ہی عبادت وطاعت میں حلاوت محسوس ہوتی ہے۔ مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو تاجدار کائنات ﷺ سے سچا عشق تھا۔ مولانا کے ہر قول و فعل سے عشق رسول کی جھلک نمایاں ہے۔ آپ کو حضور نبی ٔکریم ﷺ سے زبردست گرویدگی اور وارفتگی تھی۔ سفر میں، حضر میں، گھر ہو یا عوام کا عظیم اجتماع ہر جگہ سنت رسول ﷺ کی اتباع کی ترغیب وتلقین میں مصروف ومشغول رہے کبھی غیر ضروری گفتگو نہیں فرمائی۔ آپ تمام عمر پورے عالم کو اتباع نبوی ﷺ میں ڈھالنے کی کوشش کرتے رہے۔ عوام ہوں یا علماء حاجت مند ہوں یا سرمایہ دار، دانشور ہوں یا کم عقل غرض یہ کہ سب کے سامنے آپ کی گفتگو کا موضوع حضور نبی ٔکریم ﷺ کا عشق ومحبت ہوتا اور اتباع کی تلقین ہوتی۔

ایک بار مولانا نقی علی خاں بیمار ہو گئے جس کی وجہ سے کافی نقاہت ہو گئی۔ محبوب رب العالمین ﷺ نے اپنے فدائی کے جذبۂ محبت کی لاج رکھی اور خواب ہی میں ایک پیالے میں دوا عنایت فرمائی جس کے پینے سے افاقہ ہوا اور وہ جلد ہی روبصحت ہو گئے:

پیر ومرشد سے عقیدت

مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے پیر ومرشد سید شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ سے انتہائی عقیدت ومحبت تھی۔ آپ اپنی حیات میں اپنے پیر ومرشد کے عرس شریف کا نہایت اعلیٰ اہتمام و

؎۱ تقدیم سرورالقلوب فی ذکر المحبوب از: امام احمد رضا ص ب

انتظام کرتے تھے۔مولانا کے وصال کے بعد آپ کے خلف اکبر امام احمد رضا نے اس روایت کو برقرار رکھا مگر اب یہ روایت ختم ہو چکی ہے۔امام احمد رضا نے ایک بار سید شاہ سمٰعیل حسن مارہروی کی فرمائش پر مولانا نقی علی خاں بریلوی کی تصنیف "**سرور القلوب فی ذکر المحبوب**" حضرت خاتم الاکابر سید شاہ برکت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر پڑھی تھی۔[1]

آپ اپنے پیرو مرشد کا ذکر انتہائی عزت واحترام کے ساتھ کرتے تھے اور فرماتے تھے میرا پیر سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔

مجاہد جنگ آزادی

مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو ملک میں انگریزی اقتدار سے سخت نفرت تھی۔آپ نے تا حیات انگریزوں کی سخت مخالفت کی اور انگریزی اقتدار کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کیلئے ہمیشہ کوشاں رہے۔وطن عزیز کو انگریزوں کے جبر واستبداد سے آزاد کرانے کیلئے آپ نے زبردست قلمی ولسانی جہاد کیا۔اس بارے میں چندہ شاہ حسینی لکھتے ہیں:

> ''مولانا رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ انگریزوں کے خلاف لسانی وقلمی جہاد میں مشہور ہو چکے تھے۔انگریز مولانا کی علمی وجاہت ودبدبہ سے بہت گھبراتا تھا۔آپ کے صاحبزادے مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ بھی انگریزوں کے خلاف جہاد میں مصروف تھے۔مولانا نقی علی خاں کا ہند کے علما میں بہت اونچا مقام تھا۔انگریزوں کے خلاف آپ کی عظیم قربانیاں ہیں۔'' [2]

ملک سے انگریزوں کو نکال باہر کرنے کیلئے ہند کے علما نے ایک جہاد کمیٹی بنائی۔انگریزوں

[1] حیات اعلیٰ حضرت مصنفہ: مولانا ظفر الدین بہاری مکتبہ رضویہ، کراچی ص 41

[2] شمس التواریخ مولفہ: چندہ شاہ حسینی ناشر: امجدی بک ڈپو ناگپور، ص 95

کے خلاف عملاً جہاد کا آغاز کرنے کیلئے جہاد کمیٹی نے جہاد کا فتویٰ صادر کیا۔اس جہاد کمیٹی میں امام العلما مولانا رضا علی خاں، علامہ فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا نقی علی خاں بریلوی، مولانا شاہ احمد اللہ شاہ، مولانا سید احمد مشہدی بدایونی ثم بریلوی، جنرل بخت خاں وغیرہا کے اسمائے گرامی خاص طور قابل ذکر ہیں۔ [1]

مولانا نقی علی خاں انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کیلئے مجاہدین کو مناسب مقامات پر گھوڑے پہنچاتے تھے۔آپ نے اپنی انگریز مخالف تقاریر سے مسلمانوں میں جہاد کا جوش وولولہ پیدا کیا۔بریلی کا جہاد کامیاب ہوا، انگریزوں کو مسلمانوں نے شکست دی اور بریلی چھوڑنے پر مجبور کردیا۔

اثر ابن عباس اور مولانا نقی علی خاں رضی اللہ عنہ

مولانا نقی علی خاں بریلوی کی حیات اور علمی وادبی کارناموں کا جائزہ لیتے وقت اس بحث کا مطالعہ بھی بہت ضروری ہے جس کا تعلق مسئلہ اثر ابن عباس سے ہے۔مولانا نقی علی خاں اس بحث کے قائد تھے اور انیسویں صدی کے آخر میں پورے برصغیر میں اس کے زبردست اثرات محسوس کئے گئے۔ مولانا احسن نانوتوی زمانہ قیام بریلی (1851ء تا 1877ء) بریلی کالج، بریلی میں عربی، فارسی کے استاد تھے اور اپنے مطبع صدیقی بریلی سے کتب کی تصنیف واشاعت کا کام کرتے تھے۔انہیں کے ایک ساتھی مولوی امیر احمد سہوانی تھے۔1871ء میں شیخوپور ضلع بدایوں میں ''مسئلہ امتناع وامکان نظیر'' پر مولانا عبدالقادر بدایونی (م 1901ء) اور امیر احمد سہوانی کے درمیان ایک مناظرہ ہوا۔مولوی نذیر احمد سہوانی (م 1881ء) نے دونوں فریق کے مفصل حالات پر مشتمل ایک کتاب ''مناظرہ احمدیہ'' کے نام سے طبع کرادی۔مناظرہ میں اثر ابن عباس بھی زیر بحث آیا۔ [2] مناظرہ میں جو حدیث زیر بحث آئی وہ یہ تھی:۔

---

[1] مشعل راہ　　مرتبہ: عبدالحکیم اشرف　　مطبوعہ: کراچی (پاکستان) ص 126

[2] مولانا احسن نانوتوی　　از: پروفیسر ایوب قادری مطبوعہ کراچی پاکستان ص 85

''بیشک اللہ نے سات زمینیں پیدا کیں ہر زمین پر آدم ہے تمہارے آدم کی طرح اور نوح ہے تمہارے نوح کی طرح اور ابراہیم ہے تمہارے ابراہیم کی طرح اور موسیٰ ہے تمہارے موسیٰ کی طرح اور نبی ہیں تمہارے نبی (حضور اکرم) کی طرح''

مولوی نذیر احمد نے اپنی کتاب کے آخر میں یہ بھی لکھا کہ:۔

''مولوی احسن نانوتوی بھی اسی (صحت اثر بن عباس) کے معتقد ہیں اور اس مضمون پر انکی مہر ثبت ہے اور اسی کے اور علمائے دین بھی قائل ومعتقد ہیں۔'' [1]

اس معاملہ نے زبردست طول پکڑا اور مولانا احسن نانوتوی کی مخالفت کا ماحول پیدا ہوگیا جس کی قیادت مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ بقول پروفیسر ایوب قادری:۔

''اثر ابن عباس کے مسئلہ میں علمائے بریلی اور بدایوں نے مولانا محمد احسن کی بڑی شدومد سے مخالفت کی، بریلی میں اس محاذ کی قیادت مولانا نقی علی خاں کررہے تھے اور بدایوں میں مولوی عبدالقادر سرخیل جماعت تھے۔'' [2]

مولانا احسن نانوتوی ایک مدت سے بریلی عیدگاہ میں عیدین کی امامت کرتے تھے۔ اس تنازعہ نے اتنا طول پکڑا کہ ۱۲۹۰ھ مطابق 1873ء کو نماز عید الفطر کے موقع پر مولانا نقی علی خاں نے عیدگاہ میں مولانا احسن نانوتوی کے نماز پڑھانے کو پسند نہیں کیا۔ صورت حال بگڑتی دیکھ کر مولانا احسن نانوتوی کو مولانا نقی علی خاں کی امامت میں نماز پڑھانے کا فیصلہ لینا پڑا اور عیدگاہ سے ہی مولانا نقی علی خاں کو بلانے کا پیغام بھیجا۔ جب مولانا نقی علی خاں کے عیدگاہ کے قریب پہنچنے کی خبر آئی تو مولانا نانوتوی فوراً مصلے پر پہنچ گئے اور نماز پڑھادی۔ مولانا نقی علی خاں نے عیدگاہ کے قریب حسین باغ میں بڑی تعداد

[1] مناظرہ احمدیہ از: محمد نذیر سہوانی مطبع: شعلہ طور کانپور ص 47

[2] سوانح مولانا احسن نانوتوی از: ایوب قادری مطبع: جاوید پریس، کراچی ص 94

میں موجود مسلمانوں کی عید کی نماز کی امامت کی ،مولانا احسن نانوتوی کی اقتدا نہیں کی۔اس سلسلہ میں مفتی حافظ بخش آنولوی لکھتے ہیں:۔

"فاضل بریلوی (مولانا نقی علی خاں) نے عیدگاہ جانا مناسب نہ سمجھا مسجد جامع تشریف لے گئے۔حضرت (مولانا نانوتوی) کو اس سے صبر نہ آیا۔مسجد جامع سے یہ کہہ کر بلایا کہ میں نماز پڑھنے کو آیا ہوں پڑھانا نہیں چاہتا جسے چاہے آپ امام کیجئے میں اس کی اقتدا کرلوں گا۔جس وقت فاضل بریلوی سڑک پر پہنچے خبر پاتے ہی حضرت مصلے پر تھے۔فاضل بریلوی کو نہ جھگڑا منظور تھا نہ حضرت کے پیچھے نماز پڑھنا۔حسین باغ میں نماز پڑھا کر چلے آئے۔" [1]

دراصل مولانا نانوتوی اثر ابن عباس کو صحیح اور معتبر جانتے تھے اور اس پر ان کا عقیدہ بھی تھا۔وہ اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں:۔

"میرا عقیدہ یہ ہے کہ حدیث مذکور صحیح اور معتبر ہے اور زمین کے طبقات جدا جدا ہیں اور ہر طبقہ میں مخلوق الٰہی ہے اور حدیث مذکور سے ہر طبقہ میں انبیاء کا ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن اگرچہ ایک ایک خاتم کا ہونا طبقات باقیہ میں ثابت ہوتا ہے۔" [2]

حضرت اثر ابن عباس اور مولانا نانوتوی کے عقیدہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں میں الگ الگ نبی ہوئے اور ہمارے آقا حضور نبی اکرم ﷺ کے علاوہ چھ اور خاتم النبیین ہوئے۔

اس سلسلہ میں مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کا موقف اور عقیدہ یہ تھا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ

---

[1] تنبیہ الجہال از:مفتی حافظ بخش آنولوی مطبع:بہارستان کشمیر لکھنئو ص 16

[2] مجموعۃ الفتوی از:عبدالحئی فرنگی محلی – مطبع:یوسفی لکھنئو ص 145

صاف فرماتا ہے ''ولکن الرسول اللہ و خاتم النبین ''۔اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کے بعد حدیث پر عمل نہیں کیا جائیگا۔مولونا نقی علی خاں مذکورہ بالا حدیث پر عقیدہ رکھنے والے کو عقیدہء اہل سنت کے خلاف جانتے تھے چنانچہ علما کی ایک بہت بڑی جماعت مولانا نقی علی خاں کی حمایت میں میدان میں اتر آئی۔مولانا نقی علی خاں بریلوی کی جانب سے ایک استفتاء علمائے رامپور کو بھیجا گیا جس کا جواب مفتی نورالنبی رامپوری نے ان الفاظ میں دیا:۔

''یہ عقیدہ زید کا فاسد ہے کہ بخلاف نص قرآن کے قائل ہونا سات خاتم النبین کا اور قرآن سے ایک ثابت ہے اور وہ ایک منحصر ہے ذات بالبرکات محمد الرسول اللہ ﷺ میں اور نص یہ ہے کہ ''ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن الرسول اللہ و خاتم النبین اور نیز قول زید کا مخالف اجماع کے ہے اس لئے از صحابہ تا ایندم کوئی مفسر و محدث وجود تعداد خاتم النبین کا مقرر نہیں۔شاید کہ حدیث شاذ کہ قسطلانی وغیرہ میں مرقوم ہے اور اس سے قائل نے اجتہاد کر کے باعانت وسوسہء شیطان کے قائل اس تعداد کا ہوا ہو۔یہ اجتہاد اس کا بچند وجوہ باطل ہے۔پس اس صورت میں زید خارج از مذہب اہل سنت و جماعت ہے۔جمیع فرق اہل اسلام سے خارج۔کس واسطے کہ کوئی فرقہ قائل اس کا نہیں کہ سات خاتم النبین ہیں۔''[1]

مندرجہ بالا فتوے پر درج ذیل علما کرام اور مفتیان عظام کی تصدیقات ہیں:۔

1 : مولانا سدید الدین خاں خلف مولانا رشید الدین خاں

[1] تنبیہ الجہال از:مفتی حافظ بخش آنولوی مطبع:بہارستان کشمیر لکھنئو ص 19

2 : مولانا مفتی ولی النبی رامپوری

3 : مولانا سید حسین شاہ محدث رامپوری

4 : مولانا محمد حیدر علی رامپوری

5 : مولانا شیخ محمد علی درویش مطوف رامپور

6 : مولانا عبدالحق خیر آبادی بن علامہ فضل حق خیر آبادی

7 : مولانا عبدالعلی رامپوری

8 : مولانا محمد یعقوب علی خاں رامپوری

9 : مولانا اظہر الدین احمد رامپوری

ان کے علاوہ رامپور کی ایک عظیم مذہبی شخصیت اور مولانا نقی علی خاں اور مولانا محمد احسن نانوتوی کے متفقہ عالم دین مفتی ارشاد حسین مجددی فاروقی کو بھی مولانا نقی علی خاں کی طرف سے استفتا بھیجا گیا۔ آپ نے قرآن وحدیث ومحدثین وفقہاء عظام کی طرف سے ثابت کیا کہ:۔

"اس پر عقیدہ رکھنا اہل سنت و جماعت کے خلاف ہے۔ خاتم النبیین حضور ﷺ ہیں اور حدیث شاذ ہے۔"[1]

اس فتوے پر بھی نو علمائے کرام ومفتیان عظام کی تصدیقات ثبت ہیں۔

دوسری جانب مولانا احسن نانوتوی نے بھی اپنے عقیدہ وموقف کی حمایت حاصل کرنے کیلئے ایک سوالیہ اشتہار چھپوا کر دیگر اضلاع کے علماء ومفتیان عظام کو بھیجا مگر صرف دو جواب آئے۔ پہلا جواب مولانا احسن نانوتوی کے رشتہ دار مولانا قاسم نانوتوی نے دیا اور کتاب **"تحذیر الناس"** تحریر کی۔ مولانا قاسم نانوتوی نے تو یہاں تک لکھا کہ:۔

"رسول کا خاتم ہونا عوام کا خیال ہے۔ بایں معنی کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے بعد ہے اور سب میں آخری نبی ہیں۔"[2]

---

[1] تنبیہ الجہال از: مفتی حافظ بخش آنولوی مطبع: بہارستان کشمیر لکھنؤ ص 42

[2] تحذیر الناس از: مولانا قاسم نانوتوی ص 3

دوسرا جواب مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کا آیا انہوں نے اس کے جواب میں تین رسالے لکھے۔

مولانا نقی علی خاں کے عقیدہ کی حمایت اور ان کے عقیدہ وموقف کی تائید اور ''مناظرہ احمدیہ'' و ''تحذیر الناس'' کی رد میں درج ذیل رسالے وکتب لکھے گئے:۔

(۱): **تحقیقات احمدیہ حل اوہام نجدیہ** ۱۳۸۹ھ/1872ء:۔

مولانا فضل مجید بدایونی (م ۱۳۲۴ھ / 1906ء) تلمیذ مولانا عبدالقادر بدایونی نے مناظرہ احمدیہ کے جواب میں یہ رسالہ لکھا۔ یہ مطبع الٰہی آگرہ میں چھپا۔

(۲): **الکلام الاحسن**:۔ مولانا احسن نانوتوی کے رد میں مولانا ہدایت علی بریلوی کا رسالہ ہے

(۳): **تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال** ۱۳۹۱ھ/1874ء:۔

مفتی حافظ بخش آنولوی نے شائع کی۔ اس میں مولانا نقی علی خاں کی حمایت اور مولوی احسن وامیر احمد سہوانی کی مذمت کی ہے۔

(۴): **فتاویٰ بے نظیر درنفی آنحضرت بشیر و نظیر**:۔

اس رسالہ میں تمام علما کے فتوے یکجا شامل ہیں جو اثر ابن عباس کے قائل نہ تھے۔ بدایوں اور بریلی کے علما خاص طور پر قابل ذکر ہیں

(۵): **قسطاس فی موازنۃ اثر ابن عباس**:۔

مولانا شیخ محمد تھانوی کی اس موضوع پر قابل قدر کتاب ہے اس میں مولانا نقی علی خاں کے موقف کی حمایت کی گئی ہے۔

اس طرح اثر ابن عباس کی صحت قبول کرنے کے بعد مولانا احسن نانوتوی **منکر خاتم النبین** ٹھہرتے تھے اس لئے فتوؤں کی رو سے مولانا احسن نانوتوی کی تکفیر مشہور ہوگئی۔ اس کے بعد مولانا احسن نانوتوی نے ایک اشتہار شائع کیا جس کے بارے میں یہ مشہور ہوا کہ مولانا نانوتوی نے توبہ

کرلی ہے۔

اس اشتہار میں مولانا احسن نانوتوی نے لکھا:۔

''عید الفطر کے روز سے چرچا ہو رہا تھا کہ مولوی نقی علی خاں صاحب نے ایک استفتا رامپور سے منگوایا ہے جس کی رو سے میری تکفیر مشہور کی وہ استفتا میری نظر سے بالتفصیل نہیں گزرا بعد تشریف لانے مولوی یعقوب علی خاں کے میں نے اس کی نقل مفصل دیکھی اور اس عقیدہ والے کی تکفیر پر میں بھی علما کے ساتھ متفق ہوں یعنی جو شخص خاتم النبیین سوائے آنحضرت ﷺ کسی دوسرے کو جانے اور آپ کی نبوت کو مخصوص کسی طبقہ کے ساتھ جانے وہ شخص میرے نزدیک بھی خارج از دائرہ اسلام اور کافر ہے لہذا برنظر دور کرنے متطنہ عوام یہ اشتہار دیتا ہوں کہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سوا نہ کوئی نبی خاتم النبیین ہوا نہ ہوگا۔ پس خلاف اس عقیدہ کے غیر صحیح اور غلط تصور کیا جائے۔ المشتہر محمد احسن صدیقی'' [1]

ماحصل

دراصل یہ مناظرہ مولانا عبدالقادر بدایونی اور مولانا امیر احمد بدایونی کے درمیان منعقد ہوا تھا جس کی روداد رسالہ بنام ''مناظرہ احمدیہ'' میں مولانا نذیر احمد سہوانی نے شائع کرائی اور اس میں بالواسطہ طور پر مولانا احسن نانوتوی کو شامل کیا۔ چونکہ مولانا نانوتوی عیدگاہ باقر گنج بریلی میں نماز عیدین کی امامت کرتے تھے اس لئے ان کے خلاف آواز اٹھنا ایک قدرتی اور فطرتی بات تھی۔

[1] تنبیہ الجہال از: مفتی حافظ بخش آنولوی ص 22,23

مولانا احسن نانوتوی کی جانب سے اثر ابن عباس کی صحت میں جو تحریرات شائع ہوئیں ان سے ''مناظرہ احمدیہ'' میں شائع ہوئی تحریر کی تائید ہوتی تھی مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے ہمعصر علما میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے اور زبردست دینی فہم وفراست اور فقیہانہ شان کے مالک تھے ان کا مولانا نانوتوی کے مقابل آنا مذہبی ودینی تقاضہ تھا

''مناظرہ احمدیہ'' میں جو تحریر شائع ہوئی اگر مولانا نانوتوی ابتداء میں ہی اس کا رد کردیتے تو معاملہ اتنا طول نہ پکڑتا مگر اس کے برخلاف انہوں نے اس تحریر کو صحیح ثابت کرنے کی سعی ءلا حاصل کی اور نتیجہ درانجام توبہ نامہ شائع کرنا پڑا۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس تنازعہ میں ان تمام علما نے جو صحت اثر ابن عباس کے قائل نہ تھے مولانا نانوتوی کی تکفیر کی مگر مولانا نقی علی خاں نے انتہائی احتیاط سے کام لیا اور مولانا نانوتوی کی تکفیر نہیں کی اور ان کے عقیدہ کو عقیدہ اہل سنت کے خلاف قرار دیا۔ اس کا ثبوت مفتی حافظ بخش آنولوی کی مندرجہ ذیل تحریر ہے:۔

> ''مولوی صاحب ممدوح کو کسی کی تکفیر مشتہر کرنے سے کیا غرض تھی۔ نہ آپ کی یہ عادت۔ مسائل جو مہر کے واسطے آتے ہیں جواب علیحدہ لکھ دیتے ہیں کسی کی تحریر سے تعرض نہیں کرتے۔''[1]

شہید محبت کا سفر آخرت

مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا خونی اسہال کے عارضہ میں ذیقعدہ ۱۲۹۷ھ مطابق 1880ء کو وصال ہوا۔ علما نے اس کو شہادت سے تعبیر کیا۔ آپ اپنے والد ماجد امام العلما مولانا رضا علی خاں کے پہلو میں محو استراحت ہوئے۔ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی آپ کے آخری لمحات کا اسطرح بیان کرتے ہیں:۔

---

[1] تنبیہ الجہال از: مفتی حافظ بخش آنولوی ص 23

''سلخ ذیقعدہ پنج شنبہ وقت ظہر ۱۲۹۷ھ کو اکیاون برس پانچ ماہ کی عمر میں بعارضہ اسہال دموی شہادت پا کر شب جمعہ اپنے والد ماجد قدس سرہ العزیز کے کنار میں جگہ پائی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

روز وصال نماز صبح پڑھ لی تھی اور ہنوز وقت ظہر باقی تھا کہ انتقال فرمایا۔نزع میں سب حاضرین نے دیکھا کہ آنکھیں بند کئے متواتر سلام فرماتے تھے۔جب چند انفاس باقی رہے ہاتھوں کو اعضائے وضو پر پھیرا گویا وضو فرما رہے ہیں یہاں تک کہ استنشاق بھی فرمایا سبحان اللہ ! اپنے طور پر حالت بے ہوشی میں نماز بھی ادا فرما گئے۔جس وقت روح پرفتوح نے جدا فرمائی فقیر سرہانے حاضر تھا۔واللہ العظیم ایک نور ملیح علانیہ نظر آیا کہ سینہ سے اٹھکر برق تابندہ کی طرح چمکا اور جس طرح لمعان خورشید آئینہ میں جنبش کرتا ہے یہ حالت ہو کر غائب ہو گیا اس کے ساتھ ہی روح بدن میں نہ تھی۔'' [1]

مولانا نقی علی خاں بریلوی کے وصال پر امام احمد رضا فاضل بریلوی نے درج ذیل تواریخ وفات استخراج کیں:۔

- ۱ كانه نهاية مع العظما
- ۲ خاتم اجله الفقها
- ۳ امين الله في الارض ابدا

---

[1] جواهر البيان از: مولانا نقی علی خاں تقدیم: مولانا امام احمد رضا خاں ص 208

- ۴ ان فقد فتلک کلمة بهایهتدیٰ
- ۵ ان موتة العالم موتة العالم
- ۶ وفاة عالم الاسلام ثلمة فی جمع الانام
- ۷ خلل فی باب العباد لاینسدالی یوم القیام
- ۸ یاغفور
- ۹ کمل له ثو ابک یوم النشور
- ۱۰ امتحه جنت للمتقین

مولانا نقی علی خاں

ارباب علم ودانش کی نظر میں

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی:۔

سیدی والد ماجد میری نعمت کے والی اہل تحقیق کے خاتم، اہل تدقیق کے امام، حامی سنت، ماحیِ فتنہ وبدعت، عمدۂ تصانیف، غالب حجتہ روشن طریق والے حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب القادری البرکاتی البریلوی قدس سرہ القوی۔

الاجازات المتینہ۔از۔امام احمد رضا ص ۱۱۸

نبیرہ حافظ الملک نواب نیاز احمد خاں ہوشؔ بریلوی:۔

''مولانا رضا علی خاں کے نخلِ کمال سے ایک گُلِ تازہ کھلا چمنِ علمِ فصاحت وبلاغت بھی پھولا پھلا یعنی انہوں نے نسخہ آب وتاب موسوم بہ لب لباب معروف بہ ''سرور القلوب فی ذکر المحبوب'' تالیف کیا ہے۔یہ رنگ برنگ کے مضامینِ رنگین سے میدان بیان کو خجلت دہ باغ رضوان بنا دیا ہے گلہائے وعظ وپند کی شگفتگی سے عین الیقیں ہوتا ہے کہ یہ کتاب گلستان بلکہ رنگین عبارت کی روش سے کھلتا ہے کہ واقعی عینِ گلستاں ہے اور شگفتگی میں سراسر ہم پلۂ بوستاں ہے۔''

تقریظ برسرور القلوب فی ذکر المحبوب ص ۶

مولانا ظفر الدین بہاری:۔

جناب فضائل مآب، تاج العلما، راس الفضلا، حامی سنت، ماحی بدعت، بقیۃ السلف، حجتہ الخلف مولانا نقی علی خاں رضی اللہ عنہ

حیات اعلیٰ حضرت (جلداول) ص ۶

مولانا ہدایت علی ہدایت بریلوی :۔

مجمع مکارمِ اخلاق، منبع جودا شفاق، قبولِ بارگاہِ رب العالمین، مداحِ سید المرسلین، ہادی اُمتِ رسولِ خدا، بحرِ امواجِ علمِ صدق وصفا، افضلِ علمائے زماں، مولوی محمد نقی علی خاں، ابن مولوی محمد رضا علی خاں بریلوی ہیں ان کی تعریف میں زبانِ قلم لال ہے۔ انسان سے ان کی خوبیوں کا بیان محال ہے۔

تقریظ دوم بر سرور القلوب فی ذکر المحبوب ص ۵

مولوی عبدالحیٔ رائے بریلوی

الشیخ الفقیہ نقی علی، ابن رضا علی، بن کاظم علی، بن اعظم شاہ بن سعادت یار خاں الافغانی البریلوی احد الفقہا الحنفیہ اسند الحدیث عن شیخ احمد بن زین دحلان الشافعی۔

نزھتہ الخواطر ص ۵۰۹

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

امام احمد رضا نے اکثر علوم وفنون اپنے والد ماجد علامہ محمد نقی علی خاں سے حاصل کئے۔ وہ علم ودانش کا بحرِ ذخار تھے۔ امام احمد رضا کے سینہ میں علم وفضل کا سیلاب ادھر ہی سے امنڈ کر آیا تھا۔

عشق ھی عشق ۔ ناشر المختار پبلیکیشنز کراچی ص ۷

مرزا عبدالوحید بیگ نبیرہ مرزا مولوی غلام قادر بیگ

آپ کو درس وتدریس کا بڑا شوق تھا آپ کی ذات مرجع علما تھی آپکے اقوال وآرا کو علماء وقت سند تسلیم کرتے تھے۔

حیات مفتی اعظم ھند ص ۳۴

مولوی ابراہیم خوشتر:۔

درس وتدریس تصنیف وتالیف کے علاوہ علم وعمل، فکرونظر، فہم وفراست میں بے نظیر تھے۔ مزید برآں سخاوت وشجاعت، غربا سے محبت، حکام سے نفور، خلوت وجلوت میں اتباع سنت، امور دینی میں استقامت آپ کی زندگی کا روشن پہلو ہے پھر عشق رسول ﷺ اور سرکوبی اعدائے دین رسول مقبول تو آپکا سرمایہ زندگی تھا۔

تذکرہ جمیل ص ۹۷

مولوی رحمٰن علی ممبر کونسل ریاست حیدرآباد:۔

مولانا نقی علی خاں ذہن ثاقب ورائے ثائب رکھتے تھے حق تعالی نے ان کو عقل معاش ومعاد دونوں میں ممتاز اقران بنایا تھا علاوہ شجاعت جبلی کے حضرت صفت سخاوت، تواضع واستغنا سے موصوف تھے اپنی تمام عمر قیمتی اشاعت سنت وازالہ بدعت میں صرف فرمائی۔

تذکرہ علمائے ہند۔ لکھنو ۱۹۱۴ء ص ۱۷۰

مفتی بدرالدین احمد گورکھپوری:۔

حضرت مولانا شاہ نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد شاہ رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ سے علوم ظاہری وباطنی حاصل کئے آپ اپنے زمانے کے جلیل القدر عالم، بے مثل مناظر، بے نظیر مصنف گزرے ہیں۔

سوانح اعلیٰ حضرت، ناشر رضا اسلامک مشن بریلی ص ۹۴

پروفیسر مجید اللہ قادری (جامعہ کراچی)

آپ کو 43 سے زیادہ مختلف علوم وفنون پر دسترس حاصل تھی آپنے تصنیف کے ساتھ ساتھ درس وتدریس کی طرف بھی توجہ دی۔ آپکا درس مشہور تھا۔ طلبا دور دور سے آپ کے دولت کدہ پر اکتساب

علم کے لیے آتے تھے۔

معارف رضا جلد نہم ص ۱۹۷

مفتی عبدالمنان صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور

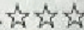
حضرت مولانا نقی علی خاں رحمتہ اللہ علیہ وقت کے امام اور اہل دل صوفیوں کے سرخیل تھے۔ صاحب تصنیف کثیرہ اور حق پرست خوش عقیدہ مسلمانوں کے سالار کارواں تھے۔

ماہنامہ ڈائجسٹ استقامت کانپور ماہ مئی ۱۹۸۳ء ص ۵۷

ڈاکٹر حسن رضا خاں پی۔ ایچ۔ ڈی

حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب ایک بلند پایہ عالم اور اپنے وقت کے بہت بڑے فقیہہ تھے۔ آپنے علوم ظاہری وباطنی اپنے والد ماجد سے حاصل کئے آپ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم، بے مثل مناظر اور بے نظیر مصنف تھے۔

فقیہہ اسلام۔ ناشر اسلامک پبلیکشنز پٹنہ ص ۱۱۷



4











باب چہارم

مولانا نقی علی خاں کی تصانیف کا تحقیقی وتنقیدی تجزیہ

باب چہارم

مولانا نقی علی خاں کی تصانیف کا تحقیقی وتنقیدی تجزیہ

پندرھویں صدی عیسوی میں اردو نثر کا آغاز ہوا اور سولھویں صدی عیسوی تک اردو زبان پورے ملک میں پھیل گئی۔ اردو زبان میں تصنیف وتالیف کی غایت ادبی نہ ہو کر مذہبی تھی یعنی اردو کی زیادہ تر تصانیف تبلیغ اسلام کیلئے کی گئیں۔ اس طرح علما صوفیا و مشائخ کی کاوشوں سے اردو نثر نشو ونما پا کر ترقی کی منزل پر پہنچی۔ انیسویں صدی تک اسلام کا علمی و دینی سرمایہ بڑی حد تک اردو میں منتقل ہو چکا تھا اردو کی ابتدا جس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کی گئی تھی اس کو فوت کرنے کے لیے مئی 1800ء میں کلکتہ میں انگریزوں نے فورٹ ولیم کالج قائم کیا اس کالج میں جو کتابیں تصنیف کی گئیں ان کا مقصد مذہبی نہ ہو کر ذہنی تفریح تھا۔ اس کالج نے مذہب سے ہٹ کر دیوؤں، پریوں، بھوتوں، طوطا مینا وغیرہ فرضی کہانیوں پر کتب تصنیف کرائیں اور اس کام کو فروغ دینے کے لیے دہلی لکھنو وغیرہ سے بھی آزاد مزاج لوگوں کو آمادہ تصنیف کیا اس طرح اسلامی تہذیب وتمدن و معاشرت کو ملیامیٹ کرنے کی پوری کوششیں کی گئیں اور مسلم معاشرہ کو مغربیت میں غرق کرنے کی سازشیں رچی گئیں۔

اردو نثر جو اسلام کے فروغ وتبلیغ و اصلاح معاشرہ کے لیے عالم وجود میں آئی تھی وہ اردو نثر اب اسلام کی بیخ کنی کے لیے استعمال کی جانے لگی لیکن اسلام اور مسلمانوں کے بہی خواہ جن کو اللہ تعالی نے اسلام کی تبلیغ وفروغ کے لیے مقرر کیا تھا۔ وہ کس طرح اسلامی معاشرہ وعقائد کو پارہ پارہ ہوتے دیکھ کر خاموش تماشائی بنے رہ سکتے تھے۔ چنانچہ شاہ فضل حق خیر ابادی، مفتی صدر الدین آزردہ، مفتی سعد اللہ، مولانا فضل رسول بدایونی، امام بخش صہبائی اور مفتی نقی علی خاں جیسے مبلغین اسلام نے اسلامی تہذیب وتمدن کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سہارا دیا اور قوم کو گمراہی

سے بچانے کے لیے نہ صرف عقائد اسلامی کی حفاظت کی بلکہ اردو نثر کی عزت وآبرو بھی بچائی اور اردو نثر جس مقصد کے لیے وجود میں آئی تھی اسے پورا کیا۔

امام الاتقیا مفتی نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی نثری تصانیف کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوگا کہ آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ومحبت سے مسلمانوں کے سینوں کو لبریز کرنے کے لیے ہی اردو نثر کو شرف سلامت روی بخشا۔ مولانا نقی علی خاں نے مغربی لباس وآداب ومعاشرت کی زبردست مخالفت کی، مسلمانوں کے زوال کا سبب اسلام سے دوری قرار دیا اور مسلمانوں کی بہبودگی اور ترقی کے لیے اسلامی طرز معاشرت اور اخلاق وآداب کو لازمی قرار دیا آپ نے اپنے نظریہ کی تبلیغ کے لیے مندرجہ ذیل کتب تصنیف کیں:۔

غیر مطبوعہ:۔

1 : ازالۃ الاوھام

2 : تزکیۃ الایقان رد تقویت الایمان

3 : الکوکب الزہر فی فضائل العلم وآداب العلما

4 : الروایۃ الرویۃ فی الاخلاق النبویہ

5 : النقاوۃ النقویہ فی الخصائص النبویۃ

6 : وسیلۃ النجات

7 : لمعۃ النبراس فی آداب الاکل واللباس

8 : ترویح الارواح فی تفسیر سورہ الم نشرح

9 : التمکن فی تحقیق مسائل التزین

10 : خیر المخاطبہ فی المحاسبۃ والمراقبۃ

11 : ھدایت المشتاق الی سیر الانفس والافاق

12 : ارشاد الاحباب الی آداب الاحتساب

13 : اجمل الفکر فی مباحث الذکر

14 : عین المشاہدۃ لحسن المجاھدہ

15 : تشوق الاوآہ الی طریق محبۃ اللہ۔

16 : نھایۃ السعادۃ فی تحقیق الھمۃ والارادۃ۔

17 : اقوی الذریعہ الی تحقیق الطریقۃ والشریعۃ۔

18 : اصلاح ذات بین۔

مطبوعہ:۔

1 : الکلام الاوضح فی تفسیر سورہ الم نشرح

2 : سرور القلوب فی ذکر المحبوب

3 : جواہر البیان فی اسرار الارکان

4 : اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد۔

5 : ہدایت البریۃ الی شریعت الاحمدیہ 6 : ازاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام

7 : فضل العلم والعلما 8 : احسن الوعالآداب الدعا

مولانا نقی علی خاں بریلوی نے تقریباً چالیس کتب تصنیف کیں جن میں مندرجہ بالا چھبیس (۲۶) نام ہی معلوم ہوسکے ہیں۔ کچھ تصانیف کے مسودے بستوں میں ملے جن کے اجزا اول، آخر یا وسط سے گم تھے ان کے بارے میں حسرت ومجبوری ہے مولانا کی غیر مطبوعہ کتب بھی نایاب وعنقا ہیں باوجود کوشش وجستجو کے حاصل نہیں ہوئیں۔ مولانا کی کتابوں کے نام عربی میں ہیں مگر کتابیں اردو میں ہیں۔ یہاں ہم ان کی مطبوعہ کتب پر تبصرہ کریں پیش گے۔

نام کتاب	:	الکلام الاوضح فی تفسیر سورہ الم نشرح
اشاعت اول	:	مکتبہ رضا ایوان عرفان بیسلپور (پیلی بھیت)
اشاعت ثانی	:	مکتبہ رضا بیسلپور ضلع پیلی بھیت
ضخامت	:	۴۳۸ صفحات بڑی تقطیع

مولانا نقی علی خاں بریلوی ﷫ کی یہ تصنیف سورہ الم نشرح کی تفسیر ہے۔ سورہ الم نشرح آٹھ آیات پر مشتمل ہے اس کی تفسیر میں اتنی ضخیم کتاب ابھی تک تصنیف نہیں کی گئی۔ یہ کتاب مولانا نے عوام الناس کے فائدے کے لئے لکھی تاکہ عوام اس کو پڑھ کر گمراہیت اور لادینی سے نجات پاسکیں۔ اس لیے اس کا طرز تحریر نہایت سادہ اور سلیس ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا نقی علی خاں خود لکھتے ہیں:۔

''اس تالیف سے افہام عوام مقصود ہے نہ اظہار فضل وکمال اس لیے اکثر مقام پر نقل عبارت عربی اور ترجمہ لفظی اور اسناد روایات اور رنگینی عبارت اور تقریرات مشکلہ اور مضامین مغلقہ اور سجع اور ترسیع ترک کرکے سہل سہل باتیں جن کو ہر شخص بے تکلف سمجھ لے زبان اردو میں لکھی جاتی ہیں۔'' [1]

---

[1] الکلام الاوضح ص 12,13

کتاب کے آغاز میں مولانا نقی علی خاں کے خلف اکبر اعلیٰحضرت مجدد امام احمد رضا نے صاحب تصنیف کے مختصر حالات زندگی اور تصنیفات کا ذکر انتہائی عقیدت ومحبت کے ساتھ کیا ہے۔اس کے بعد کتاب کا مقدمہ ہے۔اس مقدمہ میں مولانا نقی علی خاں بریلوی نے ستاسی (۸۷) کتب کے نام لکھے ہیں جن کے حوالے مولانا بریلوی نے اپنی اس کتاب میں دیئے ہیں مثلاً حصن حصین، اسماعیل قاضی، ابو عیسیٰ، ترمذی، مدارج النبویہ، عین العلم، بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجه، مشکوۃ وغیرہ۔ان ستاسی (۸۷) کتب کے علاوہ مولانا بریلوی نے دیگر کتابوں جیسے تفسیر کبیر، تفسیر طبریٰ، مفاخرالاسلام، شرف المصطفیٰ، جواهر التفسیر، شرح سنه، مواهب الدنیه، کیمیائے سعادت وغیرہ کے بھی حوالے دیئے ہیں۔اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا نقی علی خاں اپنے زمانے کے زبردست عالم وفاضل تھے اور آپ کا مطالعہ انتہائی وسیع تھا۔مولانا بریلوی نے اپنی تصنیف میں توریت، انجیل، زبور کے حوالے بھی دیئے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا بریلوی ان کتب آسمانی کے بھی زبردست عالم تھے اور ان پر کامل قدرت رکھتے تھے۔

مولانا نقی علی خاں نے اس تفسیر میں جس کتاب کے جہاں جہاں حوالے دیئے ہیں طوالت سے بچنے کے لیے ان کے پورے نام لکھنے کے بجائے ایک یا دو حرف لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔مثلاً فرقان مجید لئے فٓ، ترمذی کیلئے تٓ، بیہقی کے لیے قٓ، اشباہ کے لیے شبٓ، کامل ابن عدی کے لیے ملٓ وغیرہ۔کس کتاب کے لیے کیا حرف یا حروف اختیار کیے گئے ہیں اس کی فہرست بھی مولانا نے ابتدائیہ میں ہی تحریر کر دی ہے۔

مولانا کے علم وفضل اور سرور انبیاء ﷺ سے عشق ومحبت کا اندازہ اس کتاب کے مقدمہ سے ہی ہو جاتا ہے جس میں مولانا نے محبوب رب کائنات ﷺ کی مدح سرائی میں اردو میں دو سو پینسٹھ (۲۶۵) القاب وآداب استعمال کئے ہیں اور پھر آگے چل کر عربی زبان میں بھی دو سو اڑتالیس (۲۴۸) القاب سرور کون ومکان ﷺ کی شان میں تحریر کئے ہیں جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

گورنمنٹ سندھ ڈگری کالج سندھ (پاکستان) کے پرنسپل پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے مولانا بریلوی کی تفسیر سورہ الم نشرح کے صرف مقدمہ سے متاثر ہو کر مقالہ بعنوان ''عشق ہو عشق'' تحریر کر ڈالا جس میں مولانا بریلوی کے علم وفضل اور عشق رسول ﷺ کا تذکرہ اس طرح کیا ہے

''تفسیر میں ایک طرف مفسر کے عشق ومحبت کا عالم نظر آتا ہے
تو دوسری طرف ان کے علم وفضل کی شان نظر آتی ہے۔
بے شمار علوم نقلیہ وعقلیہ کی مصطلحات اور کتابوں کے نام آٹھ
صفحات میں اس طرح پرو دیے ہیں جیسے لڑی میں موتی۔
بے شک علم خادم عشق ہے ____ انھوں نے علم کو عشق کی
چوکھٹ پر جھکا کر بتا دیا کہ حاصل علم عشق ومحبت کے سوا
کچھ نہیں ____ اللہ اور اس کے حبیب کریم ﷺ کی محبت
صفحہ ۴ پر سرکار دو عالم ﷺ کا ذکر آیا بس بھر کیا تھا۔ذہن بھی
رواں، دل بھی رواں زباں بھی رواں، قلم بھی رواں ____
زباں رکتی نہیں، قلم ٹھہرتا نہیں ایک سیل رواں ہے کہ چلتا چلا
جارہا ہے۔'' [1]

پانچ ابواب پر مشتمل یہ کتاب قرآن مقدس کے رموز ونکات، احادیث مبارکہ کی تشریح، فقہی مسائل، سیرت رسول اکرم ﷺ کی خصوصیات، اسلام کی وحدانیت، تصوف وغیرہ کی بہترین تحقیقات کا خزانہ اور نجات ومغفرت کا پروانہ ہے۔

مولانا نقی علی خاں ﷫ نے اس کتاب کا آغاز ''شرح صدر'' کی توضیح اور تشریح سے کیا ہے عربی لغت میں شرح صدر کے معنی سینہ کو کشادہ اور فراخ کرنے کے ہیں۔

محبوب رب کائنات ﷺ جب دنیا میں تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو زمین پر

---

[1] عشق ہی عشق مصنف: ڈاکٹر مسعود احمد، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی ص 7,8

بھیجا۔ فرشتوں نے آپ کا سینہ چاک کیا اور قلب کو علم وحلم، مہر ومحبت اور انوار وتجلیات سے بھر دیا اور پھر سینہ اطہر کو برابر کر دیا۔ اصطلاح میں اسی کو شرح صدر کہا جاتا ہے۔ مولانا بریلوی نے شرح صدر کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے (۱) شرح صدر ظاہری (۲) شرح صدر باطنی۔

شرح صدر ظاہری چار بار واقع ہوا۔

- اول مرتبہ کمسنی میں حلیمہ سعدیہ کے گھر
- دوسری بار دس برس کی عمر میں،
- تیسری دفعہ نبوت کے قریب
- اور چوتھی بار معراج کی رات یہ معاملہ واقع ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے چاروں دفعہ سرکار انبیاء ﷺ کو اپنے نور کے خزانے سے بہت کچھ عطا فرمایا۔ مولانا نقی علی خاں ؒ نے چاروں دفعہ کے شرح صدر ظاہری کا تذکرہ انتہائی دلنشیں انداز میں کیا ہے۔ دوسری بار کے شرح صدر کا ذکر ملاحظہ ہو:۔

> فرشتوں نے سینہ مبارک کو چاک کیا اور شفقت ومہربانی سے بھر دیا۔ غضب غصہ اس امر کا مقتضی ہے فرور ہے اور مہر ومحبت کہ گنہ گاران امت کو اس کی حاجت ہوتی۔ عادت ہو جاوے حضرت فرماتے ہیں اسی دن سے اپنے دل میں شفقت ومہربانی پاتا ہوں۔" [1]

"شرح صدر باطنی" عنوان کے تحت مولانا نقی علی خاں ؒ نے توحید، ایمان، نور ایمان علم، طلب علم، علم سے شیطان کی عداوت، احتساب نفس، عالم کی فضیلتیں، حضور کو یتیم کرنے کی حکمت واستقامت وغیرہ اکیس موضوعات پر اپنی تحقیق کے موتی بکھیرے ہیں اور ہر موضوع پر نہایت مدلل اور محققانہ بحث کی ہے۔

"عالم کی فضیلت" موضوع کے تحت مولانا بریلوی نے عالم کی اہمیت وعظمت بیان کی ہے اور ساتھ ہی ان نام نہاد واعظین کی بھی خبر لی ہے جو نام ونمود یا مالی منفعت کے لیے من گھڑت حدیثیں اور جھوٹی روایتیں بیان کر کے قوم کو گمراہ کرتے ہیں۔ ایسے خود ساختہ واعظین کے بارے میں مولانا

---

[1] الکلام الاوضح ص 16

بریلوی کا خیال ہے۔

''ہیہات ہیہات اس زمانے کے کتاب خواں اور واعظین انذار اور تخویف سے کچھ کام نہیں رکھتے یہاں تک کہ ارحم الراحمین کی رحمت اور شفیع المذنبین کی شفاعت کے بارے میں موضوع حدیثیں اور جھوٹی روایتیں بیان کرنے بلکہ خود وضع کرنے سے بھی نہیں ڈرتے۔'' 1

اسی جگہ آپ نے یہ حدیث شریف بھی نقل کی ہے۔''جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے نشست گاہ اپنی دوزخ میں بناوے۔''

آگے چل کر مولانا نے ان لوگوں سے بھی گوشمالی کرائی ہے جو عالم کی تعظیم وتکریم سے احتراز کرتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں مولانا کہتے ہیں۔

''جس وقت عالم کو دیکھتے ہیں تیوری پر بل پڑ جاتے ہیں اور اسکی تعظیم کو اٹھنا اور مرنا برابر جانتے ہیں اور جب کسی ہنود اہل کار کو آتے دیکھتے ہیں تعظیم کے لیے دروازہ تک استقبال کرتے ہیں۔'' 2

شرح صدر باطنی کے بعد اصل کتاب کا آغاز ہوتا ہے اور

پہلا باب ''شہرت مقدمہ'' کے عنوان سے شروع ہوتا ہے۔اس باب میں آپ نے بارہ موضوعات کے تحت سرکار دو جہاں ﷺ کے اوصاف، کمالات، انتہائی عقیدت ومحبت کے ساتھ بیان کئے ہیں۔حضور ﷺ کی امت میں داخل ہونے کے لئے ''دعائے پیغمبراں'' موضوع کے تحت مولانا بریلوی نے امت مسلمہ کی عظمت وتوقیر بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ حضور ﷺ کی امت اتنی عظیم ہے کہ بارہ پیغمبروں نے حضور ﷺ کی امت میں داخل ہونے کی دعا مانگی۔اس سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ

1، 2 الکلام الاوضح ص 47,48

السلام اور اللہ تعالیٰ میں جو کلام ہوا اس کا ذکر مولانا بریلوی نے اس طرح کیا ہے۔

ایک بار ان (موسیٰ علیہ السلام) خطاب ہوا۔ اے موسیٰ علیہ السلام! جو احمد ﷺ کو نہ مانے گا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ عرض کیا الٰہی احمد کون ہے؟ فرمایا وہ تمام خلق کا سردار ہے۔ آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے میں نے اس کا نام عرش پر اپنے نام کے ساتھ لکھا جب تک اس کی امت داخل نہ ہولے بہشت کو سب مخلوق پر حرام کیا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا الٰہی مجھے اس امت کا پیغمبر کر۔ ارشاد ہوا ان کا پیغمبر انہیں میں سے ہوگا۔ عرض کیا مجھے اس پیغمبر کی امت کر۔ حکم ہوا تو زمانے میں اس سے مقدم ہے وہ تیرے بعد آئے گا'' [1]

قرآن مقدس کے علاوہ دیگر آسمانی کتابوں نے بھی حضور کی عظمت وجلالت، اللہ کا رسول اور پیغمبر ہونے کی گواہی دی ہے۔ مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے ابونعیم، محی السنہ، مطالع المسرات، تورات، یوحنا، مواہب اللدنیہ وغیرہ آسمانی کتابوں کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ ان کتابوں میں بھی حضور کی تعریف وتوصیف بیان کی گئی ہے اور حضور کی آمد کی پیش گوئی بھی کی گئی ہے۔ یوحنا جسے عیسائی لوگ چوتھی انجیل کہتے ہیں اس کا مندرجہ ذیل حوالہ دے کر مولانا نے ثابت کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے حضور کی آمد کی پیش گوئی فرمائی ہے۔ یوحنا میں عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

''تمہارے لیے میرا جانا ہی سودمند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آوے گا، پھر اگر میں جاؤں تو اسے تمہارے پاس بھیجوں گا اور جب وہ آوے گا جہاں کو توبیخ کرے گا اور الزام دے گا بسبب گناہ

---

[1] الکلام الاوضح ص79

کے کیونکہ وہ مجھ پر ایمان نہ لائے۔'' ۱

مولانا نے ثابت کیا ہے کہ مندرجہ بالا اقتباس میں لفظ ''فارقلیط'' حضور اکرم ﷺ کے لئے آیا ہے۔ مولانا نے فارقلیط کی تشریح بڑی وضاحت کے ساتھ کی ہے جو مولانا کی زبردست وسعت علمی اور قابلیت کی مظہر ہے۔ مولانا کہتے ہیں:۔

''فارقلیط یونانی لفظ ہے کئی معنی میں مشترک کہ سب ہمارے حضرت پر صادق ہیں ۔اول تسلی دینے والا دوم شفاعت کرنے والا، سوم وکیل، چہارم بہت سراہا گیا اور یہی معنی محمد ﷺ کے ہیں، پنجم بہت سراہنے والا کہ معنی احمد کے ہیں۔'' ۲

اصل انجیل مقدس عبرانی میں نازل ہوئی اور مولانا نقی علی خاں ؒ نے یہ انکشاف کیا ہے کہ اصل انجیل مقدس میں فارقلیط کی جگہ ''احمد'' ہی وارد ہوا ہے مگر متعصب ترجمہ نگاروں نے ترجمہ کرتے وقت تنگ نظری سے کام لیا اور ''احمد'' کا ترجمہ اپنی مرضی سے کر ڈالا یعنی یونانی ترجمہ نگاروں نے ''احمد'' کا ترجمہ فارقلیط کیا اور دیگر زبانوں کے مترجمین میں کسی نے ''تسلی دہندہ'' کسی نے ''شافع'' اور کسی نے ''وکیل'' لکھا مگر صحیح ترجمہ جو قرآن مقدس کے مطابق یعنی ''بہت سراہنے والا'' ہے نہیں لکھا جبکہ 1871ء میں انجیل مقدس کے عربی ترجمہ میں بعینہ **احمد** ہی لکھا ہے۔

دوسرا باب ''شہرت متاخرہ'' کے عنوان سے ہے۔ اس میں مولانا نقی علی خاں نے سرور کون ومکاں ﷺ کی ولادت شریفہ کے بعد پیش آنے والے واقعات وحالات کا اجمالی تذکرہ کیا ہے۔ اسی باب میں حضرت عمر فاروق اعظم ؓ کا قبول اسلام، خلیفہ ہونا اور فتوحات ورعب وجلال کا بھی ذکر ہے اس کے علاوہ حضرف ابوبکر صدیق ؓ کی خلافت کا بیان بڑے پراثر انداز میں کیا ہے۔

محبوب رب کائنات ﷺ بچپن میں فرزندان حلیمہ کے ہمراہ بکریاں چرانے جایا کرتے تھے۔

۱،۲ الکلام الاوضح ص85,86

بکریاں چرانے میں جونکتہ پوشیدہ تھا اس کی وضاحت مولانا نے اس طرح کی ہے۔

پروردگار نے بکریاں چرانے کی رغبت اس جناب کے دل میں اس لیے پیدا کی کہ یہ کام سیاست اور شفقت بر ضعفاء امت اور صبر بر مشقت وغیرہا امور سے جن کی آپکو حاجت ہوتی تھی نہایت مناسبت رکھتا ہے اور آدمی کوتواضع اور انکسار سکھاتا ہے۔'' [1]

تیسرا باب ''حسن محمدی ﷺ'' کے عنوان سے ہے اس باب کو مولانا نے دو فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول فصل حسن ظاہری اور فصل دوم حسن باطنی کے بیان میں ہے۔

اول فصل میں مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اکرم ﷺ کے جسم اطہر کے مختلف اعضاء کی خوبیاں وحسن انتہائی دلکش اور رنگین عبارت میں بیان کی ہیں۔ اس فصل کی ابتدا میں مولانا بریلوی نے حضور ﷺ کے حسن ظاہری کے بیان میں صحابہ کرام کے اقوال بیان کئے ہیں اور قرآن مقدس کی آیات پیش کی ہیں۔ اس باب میں مولانا نے اپنے قلم کے وہ جوہر دکھائے ہیں کہ قاری جھوم جھوم اٹھتا ہے۔ حضور ﷺ کی مدح وثنا میں الفاظ کا سمندر موجزن نظر آتا ہے اور جذبات کا سیلاب امنڈتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ مولانا بریلوی نے حضور ﷺ کے سر انور کی جو تعریف کی ہے وہ ملاحظہ ہو۔

سراسر سر الٰہی سے معمور، مخزن دانش شعور، سر دفتر دیوان سر بلندی، درۃ التاج فرق ارجمندی، قبلہء انوار غیبیہ، خزانہ اسرار الٰہیہ، درج گوہر نبوت، برج سپہر رفعت، سب سے بلند وبالا، ہمسر اس کا دیکھا نہ سنا اور فرد رسالت اس سے پیدا، افسر شفاعت اس پہ زیبا، سرفرازان عالم انکی سرکار میں فرق ارادت زمین انکسار پر رکھتے ہیں اور سرشاران بادہ نخوت اس کے حضور

اپنی سرکشی اور خودسری سے توبہ کرتے ہیں۔

تاج خورشید ہمیشہ سے ہے اسی سے پورنور

بہر تسلیم جھکے رہتے ہیں سر اس کے حضور

فلک نیلگوں اس کی طلب میں سرگرداں ہے اور اوج گردوں اس فرق ہمایوں پر قربان سرو سرفراز اسکی یاد میں بہار و خزاں آزاد اور ہمائے بلند پرواز اس کے ہوائے شوق میں خانماں برباد، فرقد فلک اس کی جناب میں سر بر زمین نیاز اور سپہر سر بلنداں اسکی قصر رفعت کا فرش یا انداز طائر تیز پرواز عقل اس کے اوج سے بال و پر شکستہ اور سمند صبا گام خیال اس کی توصیف میں پائے خرام بستہ۔

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا

پہنچے کب اس تک ہات ہمارے غبار کا

یا ایھاالمشتاقون بنور جماله صلو علیه و آله "[1]

اس باب کی دوسری فصل حضور اکرم ﷺ کے حسن باطنی کے بیان میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضور کو ہزاروں ایسی خوبیاں عطا فرمائیں جن کا کوئی شمار نہیں اور نہ ہی کوئی ذی عقل ان سے واقف ہے۔ جب دنیا کی تمام چیزوں کا شمار نہیں کیا جاسکتا تو پھر حضور کے اوصاف کا شمار کس طرح ممکن ہے کہ سرکار ﷺ کا خلق دنیا سے عظیم تر ہے۔ مولانا نقی علی خاں ﷫ نے انسانی بساط کے مطابق حضور کے اخلاق و عادات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا نے حضور کی صداقت، عبادت، سخاوت، شجاعت، قناعت، عدالت، عادت وغیرہ سیرت کے مختلف گوشوں کا ذکر کیا ہے۔ مولانا حضور ﷺ کی قناعت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:۔

---

[1] الکلام الاوضح ص 117

"ایک روز ابن عمر سے فرمایا اے عمر کے بیٹے! میں نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا اگر میں خدا سے قیصر و کسریٰ کا ملک مانگتا بیشک مجھے عنایت فرماتا مگر میں ایک دن کھاتا ہوں تو دوسرے دن فاقہ کرتا ہوں۔ اے ابن عمر! کیا حال ہوگا جب تو ان لوگوں کو دیکھے گا کہ سال بھر کا کھانا جمع کریں گے اور یقین ان کے ضعیف ہوویں گے

عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ﷺ کو کو دیکھا کہ چٹائی پر لیٹے ہیں۔ نشان اس کا بدن مبارک پر بن گیا ہے اور چھوارے کی چھال کا تکیہ سرہانے رکھا ہے۔ مجھے رونا آیا عرض کیا یا رسول اللہ قیصر و کسریٰ کیسے ناز و نعمت میں ہیں اور آپ خدا کے رسول اس تکلیف و محنت میں ہیں فرمایا اے عمر! ان کے لے دنیا اور ہمارے لئے آخرت" [1]

چوتھا باب "احسان نبوی" کے عنوان سے ہے اس باب میں مولانا نے قرآن مقدس، احادیث مبارکہ اور دیگر الہامی کتب کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ اس عالم کا وجود آپ ﷺ کے طفیل سے ہے اگر آپ نہ ہوتے تو کائنات نہ ہوتی۔ آپ تمام عالم کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے یہاں تک کہ پیغمبروں کے لیے بھی آپ رحمت بن کر آئے۔ حضور ﷺ کے طفیل میں ہی امت محمدی کو تمام امتوں پر فضیلت و بزرگی حاصل ہوئی چنانچہ مولانا بریلوی فرماتے ہیں:۔

"پروردگار عالم نے بطفیل آپ کے اس امت کو روز ازل بہترین امم لکھ دیا اور اس کا مرتبہ سب امتوں سے زیادہ کیا۔ ہزاروں کرامتیں اور نعمتیں آپ کے سبب سے ہم کو حاصل

[1] الکلام الاوضح ص135

ہوئیں اور لاکھوں شرافتیں اور بڑائیاں اس جناب کے صدقہ
میں ہم کو ملیں بہشت ان کے سبب سے ہاتھ آئی اور دوزخ
سے بوسیلہ ان کے رہائی پائی۔" ؎

اس کتاب کا پانچواں اور آخری باب ''خصائص شریفہ'' کے عنوان سے ہے یہ باب پچھلے چاروں ابواب سے زیادہ طویل اور مختلف موضوعات پر مشتمل ہے اس میں حضور اکرم ﷺ کے معجزات، درود شریف کی فضیلت واہمیت، دعا کے طریقے اور شرائط، عبادت کی قسمیں، فرائض نماز، کلمہ طیبہ کے فضائل وغیرہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے روز اول سے محبوبیت سے خاص فرمایا اور اپنے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر فرمایا۔ قرآن مقدس میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ نے کوئی اہم بات اپنی طرف منسوب کی تو حضور کی طرف بھی اسے منسوب فرمایا۔ مولانا نے قرآن مقدس کی ایسی باون (52) آیتیں تحریر فرمائی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ اپنے محبوب کا بھی ذکر کیا ہے۔

اسی باب میں آگے چل کر حضور کے اسمائے شریفہ کے معنی، عظمت واہمیت انتہائی محققانہ انداز میں تحریر کئے ہیں۔ مولانا نے صرف اسم **محمد** ﷺ کے بہت سے اوصاف بیان کئے ہیں
اللہ نے لفظ **محمود** کو اپنے اور اپنے محبوب میں مشترک رکھا ہے **محمد** ﷺ کے معنی بکثرت اور بار بار تعریف کئے گئے کے ہیں یعنی اللہ اپنے محبوب کے برابر کسی کی تعریف نہیں کرتا۔
اسی طرح روز محشر حضور ﷺ اللہ کی اس قدر مدح وثنا فرمائیں گے کہ کسی مخلوق نے نہ کی ہوگی۔

نام مبارک محمد ﷺ چار حروف ہیں مولانا نے ثابت کیا ہے کہ اس چار حرفی اسم مبارک کی وجہ سے کائنات کا وجود ہے۔ مولانا بریلوی نے اس بات کو اس طرح ثابت کیا ہے:۔

''اس نام مبارک محمد ﷺ میں چار حروف ہیں اور مقرب فرشتے
بھی چار ہیں جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل علیہم السلام

؎ الکلام الاوضح ص164

اور پیغمبر صاحب شرائع بھی سوا حضرت کے چار ہیں نوح، ابراہیم، موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام اور خلفائے راشدین بھی چار ہیں۔ ابوبکر، عمر، عثمان، حیدر رضی اللہ عنہم اور عمد عبادات مقصودہ بھی چار ہیں نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور سلسلہ حضرات صوفیا کے بھی چار ہیں قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، اور مجتہد امت کے بھی چار ہیں ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل۔ عناصر کہ ترکیب انسان کی ان سے ہے چار ہیں پانی، مٹی، آگ، ہوا۔ اور وجود ہر شے کا چار علتوں پر موقوف ہے علت مادی، علت صوری، علت فاعلی، اور علت غائی جہات عالم بھی چار ہیں شرق، غرب، جنوب اور شمال اور دریا بہشت کے بھی چار ہیں دریائے شہد، دریائے شیر، دریائے آب، دریائے شراب۔ بہشت کی نہریں بھی چار ہیں زنجبیل، سلسبیل، رحیق، تسنیم۔ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے بھی چار نہریں جاری ہیں نیل، فرات سحان، صحان اور فرض وضو کے بھی چار ہیں منھ دھونا، ہاتھ کہنیوں تک دھونا، پاؤں ٹخنوں تک دھونا، چوتھائی سر کا مسح کرنا۔ روزہ میں بھی چار فرض ہیں نیت کرنا، جماع سے بچنا، کھانا نہ کھانا اور پانی نہ پینا اور غسل مسنون بھی چار ہیں غسل جمعہ، غسل احرام، غسل عید الفطر غسل عید الضحیٰ اور آٹھ بہشت چار سرا ہیں دارالحیوان، دارالخلد دارالمقام، دارالسلام اور چار باغ جنت الفردوس، جنت النعیم، جنت العدن جنت الماوی اور لا الہ الا اللہ کہ حصن امان ہے اس میں بھی چار کلمے ہیں اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہ مفتاح خزانہ قرآن ہے

اس میں بھی چار کلمے ہیں اور زکوۃ بھی چار قسم کے جانوروں میں جاری ہے۔ اونٹ، گائے، بکری، گھوڑا اور اٹھانے والے عرش کے بھی چار ہیں۔ اور نام مبارک حضرت کا قرآن میں چار جگہ وارد ہوا ہے۔ محمد الرسول اللہ ،ماکان محمد اباأحد ،و ما محمد الا رسول ، نزل علی محمد۔ اور بنی آدم میں چار گروہ افضل ہیں۔ پیغمبر، صدیق، شہید، صالحین۔ اور صحت حج کی بھی چار باتوں پر موقوف ہے اسلام، احرام، عرفات میں کھڑا ہونا، وقت پر حج کرنا۔ اور جو کلمات خدا کو بہت پیارے ہیں وہ بھی چار ہیں سبحان اللہ ،و الحمدللہ ،لاالہ الااللہ ،و اللہ اکبر ۔"[1]

عام خیال یہ ہے کہ محبوب خالق کائنات کی دنیا میں تشریف آوری سے قبل نام پاک محمد ﷺ کا کوئی شخص نہیں ہوا۔ مولانا نقی علی خاں نے اپنی تصنیف میں یہ انکشاف کیا ہے کہ لوگوں نے یہ سن کر کہ محمد ﷺ نام کے نبی آخرالزماں تشریف لانے والے ہیں اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھے جن لوگوں نے یہ نام رکھے مولانا نے ان کا تذکرہ بھی کیا ہے جو اسطرح ہے۔

"یہ نام مبارک ازل سے آپ کے لیے خاص ہے مگر بعض لوگوں نے یہ بات سن کر کہ زمانہ نبی آخرالزماں کا قریب ہے اور نام پاک ان کا محمد ہوگا اپنی اولاد کا نام محمد رکھا اور عجائب قدرت الٰہی سے یہ کہ ان میں سے کسی نے دعویٰ نبوت کا نہ کیا۔ منہم محمد بن عدی و محمد اجتحہ اور محمد بن اسامہ اور محمد بن براٗ، محمد بن حارث، محمد بن خزاعی، محمد بن خولی و محمد بن یحمد و محمد بن قصمی و محمد بن مسلمہ و محمد بن فرمان و

[1] الکلام الاوضح ص194

محمد بن حرمان جعفی ان میں محمد بن مسلمہ اور محمد بن برا مسلمان

ہیں اور محمد بن عدی کے اسلام میں اختلاف ہے۔'' [1]

مولانا نقی علی خاں نے اس باب میں تصوف کے بعض مسائل اور مشکل اصطلاحات بہت صاف اور سادہ زبان میں بیان کئے ہیں جو اردو زبان میں اس سے قبل دیکھنے کو نہیں ملتے۔ تصوف کے بعض مسائل سوال و جواب کی صورت میں حل کر کے ان کی وضاحت کی ہے۔ آپ نے تفویض، خواہش، آزادی، ریاضت نفس، نصب، تجرید وتفرید وغیرہ اصطلاحات تصوف کی وضاحت کی ہے آپ نے تجرید وتفرید کے مندرجہ ذیل چھ معنی بیان کئے ہیں:۔

تجرید وتفرید:۔ معنی اول:۔ تجرید یہ ہے کہ جو اس وقت تیرے پاس ہو اس سے کنارہ کر اور تفرید یہ ہے کہ فردا کی فکر میں دل کو مشغول نہ رکھ۔

معنی دوم:۔ تجرید یہ ہے کہ خلق سے جدا رہے اور تفرید یہ ہے کہ اندیشہء اغیار اور آخرت اور دنیا کے غبار سے آئینہ دل کو صاف کرے۔

معنی سوم:۔ تجرید یہ ہے کہ غیر کا نام زبان پر نہ لاوے اور تفرید یہ ہے کہ اندیشہء غیر دل پر حرام کرے۔

معنی چہارم:۔ تجرید اور تفرید یہ ہے کہ کم بولے اور کم سوئے و کم کھائے کہ بہت بولنا ذکر سے اور بہت سونا فکر سے باز رکھتا ہے اور بہت کھانا دل پہ سستی اور گرانی اور قوئی میں کاہلی پیدا کرتا ہے۔

معنی پنجم:۔ تجرید یہ ہے کہ علائق کو چھوڑے اور تفرید یہ ہے کہ اپنے نفس سے علاقہ نہ رکھے۔

معنی ششم:۔ تجرید طہارت ظاہر اور تفرید طہارت باطن سے عبارت ہے اور یہ سب معانی اس جگہ ہو سکتے ہیں اور ان کو بلفظ نصب تعبیر کرنا واسطے بیان سختی اور صعوبت کے ہے۔ یہ سب باتیں کہنے میں آسان ہیں اور کرنے میں دشوار ہیں کہ یہ کام جان و دل سے ہوتے ہیں اعضا یہاں بیکار ہیں۔

مولانا نے ''آزادی'' کے معنی اس طرح بیان کئے ہیں

''آزادی بندگی کو کہتے ہیں جو بندہ نہیں آزاد نہیں، شاد نہیں

---

[1] الکلام الاوضح

طوق بندگی جن کی گردن میں ہے وہ خواجہ وسردار دو عالم ہیں

جو خدا کا ہو جاتا ہے تمام عالم میں حکم اس کا جاری ہوتا ہے"۔[1]

آگے چل کر مولانا نقی علی خاں ﷫ نے یہ بتایا ہے کہ اتباع شریعت ہی اصل چیز ہے جو لوگ اس کی اہمیت کو گھٹانے یا نظر انداز کرنے والی ذہنیت رکھتے ہیں انہیں ہدایت کی روشنی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی کچھ نام نہاد صوفیوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ جو صوفی حقیقت تک پہنچ گیا اس کو شریعت کی ضرورت نہیں ۔مولانا کا خیال ہے کہ یہ انداز انتہائی گمراہ کن ہے اتباع شریعت کے بغیر منزل تک پہنچنے کی تمنا کرنا سراسر خود فریبی ہے ایسے لوگوں کے بارے میں مولانا بریلوی کہتے ہیں:۔

"اے عزیز، طلب طریقت کی بے شریعت ایسی ہے جیسے کوئی شخص بے سیڑھی کوٹھے پر چڑھنا چاہے۔پس جو لوگ خلاف شریعت پر اصرار کرتے ہیں اور وقت مواخذہ اور اعتراض کے کہتے ہیں کہ شراب پینا، ناچ دیکھنا ، رنڈی لونڈی کے ساتھ خلوت میں بیٹھنا سر پر عورتوں کی طرح چوٹی رکھنا شریعت میں منع ہے ہم لوگ اہل طریقت ہیں ہم کو پیروی شریعت کی ضروری نہیں قرآن وحدیث اہل شرع پر حجت ہیں ہم کشف والہام سے مطلب کو دریافت کرسکتے ہیں۔یہ لوگ اپنے دین اور ایمان کو برباد کرتے ہیں اور شیطان کے دام فریب میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہر مطلب کی ایک راہ مقرر ہے بے اتباع شریعت طریقت حاصل نہیں ہوتی اور بے پیروی محمد ﷺ کے کوئی دولت ہات نہیں آتی اگر یہ دولت، محنت اور ریاضت بے اتباع شریعت ہات آتی برہمنوں اور جوگیوں کو بھی حاصل ہوتی۔"[2]

---

[1] الکلام الاوضح ص422

اس طرح "الکلام الاوضح فی تفسیر سورہ الم نشرح" مفتی نقی علی خاں ﷫ کی معرکتہ الارا تصنیف ہے جس میں قرآن شریف کے رموز ونکات ،احادیث کی تشریح ،فقہی جزیات اقوال ائمہ ومحدثین اور دیگر مذاہب کی کتب سے سیرت رسول اکرم ﷺ کی خصوصیات اور اسلام کی حقانیت ووحدانیت کو ثابت کیا گیا ہے۔ مولانا نقی علی خاں نے یہ کتاب عوام الناس کے فائدے کے لیے تصنیف کی اس لیے اس کا اسلوب نگارش اس زمانہ کے مروجہ طرز تحریر کے مقابلہ میں بہت سادہ اور سلیس ہے۔ آپکی تحریر میں شگفتگی اور دلکشی ہے۔ مولانا بریلوی نے الفاظ سوچ سمجھ کر جمع نہیں کیے ہیں بلکہ بے تکلف جو دل سے نکلا اسے زبان سے ادا کر دیا جس سے جملوں میں تناسب اور موزونیت خود بخود پیدا ہوگئی ہے۔ آپکی عبارت میں نہ تو بے ربطی ہے اور نہ پھیکا پن ہے۔ آپنے ادق سے ادق علمی و مذہبی مسائل کو فصیح وبلیغ اور سادہ زبان میں ادا کر دیا ہے۔

تفسیر سورہ الم نشرح کے مطالعہ سے ہی مولانا نقی علی خاں کے تبحر علمی، دقت نظر، اور وسعت ذہنی کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنے خیالات کو انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کرنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ مولانا بریلوی نے اس کتاب میں اپنی بات کے ثبوت میں قرآن مقدس ،احادیث مبارکہ اور دیگر مذہبی کتب کے حوالے دیئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا کو اردو، عربی وفارسی پر کامل عبور حاصل تھا۔

مولانا نقی علی خاں ﷫ نے جابجا موقع اور محل کی مناسبت سے اردو، فارسی وعربی کے اشعار بھی تحریر کیے ہیں جس سے عبارت کی خوبصورتی اور دلنشینی میں اضافہ ہوا ہے۔ آپنے زمانے کے دستور اور معیار کے مطابق مقفیٰ ومسجع عبارت کا بھی استعمال کیا لیکن ایسی عبارت قاری کے ذہن پر بوجھ بننے کی بجائے اس میں ایک لطیف آہنگ، بلیغ موسیقیت اور دل آویز ترنم پایا جاتا ہے۔ مولانا بریلوی نے مقفیٰ عبارت میں حضور اکرم ﷺ کے ابروئے مبارک کی تعریف جس والہانہ انداز میں کی ہے اس کی مثال اردو ادب میں مشکل سے ملے گی۔ مثال کے طور پر عبارت ذیل درج ہے:۔

''لوح جبیں کے قریں، مطلع نجم سعادت، موج بحر لطافت
ہلال ماہ عید، طاق خانہء خورشد، مہ تسمیہ صباحت، حرم حریم
ملاحت، بیت حمد کبریا، جوہر آئینہء مصطفی، سفینہء نجات نوح
کلیہء ابواب فتوح۔ فلک پیر خم اس محراب کعبہ کے گرد طواف
کناں، اور ہلال عید اس طاق حرم پر جان ودل سے قرباں۔
دل زاہد اس گوشہ عافیت میں چلہ نشیں اور کماندار فلک اس کے
حضور سر بر زمیں۔ تیر قضا اس کے اشارہ پر چلتا ہے اور سینہ ماہ
دو ہفتہ اس کے تیر محبت سے خستہ ہے۔'' ۱؎

نام کتاب	:	سرور القلوب فی ذکر المحبوب
سن تصنیف	:	۱۲۸۲ھ مطابق 1865ء
اشاعت اول	:	۱۲۸۸ھ مطابق 1871ء
اشاعت دوم	:	1918ء مطبوعہ نولکشور لکھنو
اشاعت سوم	:	۱۴۰۵ھ مطابق 1985ء شبیر برادرز لاہور
اشاعت چہارم	:	رضا اکیڈمی بمبئی
اشاعت پنجم	:	فاروقیہ بکڈپو جامع مسجد دہلی
ضخامت	:	تین سواڑسٹھ صفحات اشاعت پنجم۔

مولانا نقی علی خاں کی یہ تصنیف ''سرور القلوب فی ذکر المحبوب'' حضور سید عالم ﷺ کے اوصاف جمیلہ، کمالات جلیلہ اور سیرت طیبہ پر مبنی آپ کی واحد تصنیف ہے جو آپکی حیات میں

۱؎ الکلام الاوضح ص 117

ہی شائع ہوئی۔ روہیلکھنڈ میں اس موضوع پر تصنیف کی اولیت مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ کو حاصل ہے۔

یہ کتاب سب سے پہلے 1871ء میں مولانا کی حیات میں شائع ہوئی اور زبردست مقبولیت حاصل کی۔ اس کے بعد یہ کتاب عرصہ تک نایاب رہی۔ دوسری بار سینتالیس سال بعد 1918ء میں مطبع نولکشور لکھنو سے شائع ہوئی اور تیسری بار سرسٹھ ۶۷ سال بعد 1985ء میں شبیر برادرز لاہور نے شائع کی جس سے اس کتاب کی افادیت اور مقبولیت کا ثبوت ملتا ہے۔

یہ کتاب مندرجہ ذیل نو ابواب پر مشتمل ہے۔

☆ ۱ نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت اور دیگر احوال۔

☆ ۲ آیۂ کریمہ ورفعنا لک ذکرک کی تفسیر

☆ ۳ آئیہ مبارکہ ومآ ارسلنک الا رحمة اللعلمين کی تفسیر

☆ ۴ حضور سید عالم ﷺ کا حسن ظاہری

☆ ۵ حسن معنوی وباطنی

☆ ۶ خصائص شریفہ

☆ ۷ معراج شریف

☆ ۸ معجزات

☆ ۹ درود شریف کی اہمیت، اس کے فوائد۔ نام پاک ﷺ سن کر درود شریف نہ پڑھنے والوں کی مذمت اور درود پاک کی برکتیں۔

کتاب کی ابتدا میں مولانا نقی علی خاں کے ہم عصر اور مشہور ومعروف مصنف وشاعر نواب نیاز احمد خاں ہوشؔ نبیرہ حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں کی باوقار تقریظ ہے جس میں ہوشؔ صاحب نے مولانا نقی علی خاں کی وسعت ذہنی، تبحر علمی اور کتاب ھذا کی زبان وبیان اور کتاب کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی ہے۔ نواب صاحب کہتے ہیں

''فی الحال نخل کمال سے ایک گل تازہ کھلا، چمن علم فصاحت و بلاغت بھی پھولا پھلا یعنی انہوں نے نسخہ باب وتاب موسوم بہ لب لباب معروف بہ ''سرور القلوب فی ذکر المحبوب'' یہ رنگ برنگ کے مضامین رنگینی سے میدان بیان کو تجلت وہ باغ رضواں بنادیا ہے۔ گلہائے وعظ و پند کی شگفتگی سے عین الیقیں ہوتا ہے کہ یہ کتاب جواب گلستاں بلکہ رنگینی عبارت کی شگفتگی سے کھلتا ہے کہ واقعی عین گلستاں ہے نزہت اور شگفتگی میں سراسر ہم پلہ بوستاں ہے لفظوں میں ہزار ہا معنی مناسب رنگ برنگ کے پوشیدہ نظر آتے ہیں۔ مردم دیدہ بھی جن کے دیکھنے سے ہر دم تر وتازگی پاتے ہیں۔ ہزار ہا دقائق ونکات علمیہ سے یہ کتاب بھری ہے یا شجرہ علم کی کلی ہے۔ اہل اسلام کی نظر میں ہر باب اس کا غیرت افزائے جناں ہے۔ اس کے ہر فصل پر بلا مبالغہ فصل بہاری کا گمان ہے۔ ہوائے مطالعہ اس کی بداعتقادوں کے چمن طبع کیلئے سر بسر صرصر ہے۔ خوش اعتقادوں کو اس کی سیر گلگشت فردوس کے برابر ہے۔ حاسدوں کا غنچہء بینی اسے دیکھ کر مرجھاتا ہے۔ گل طبع میں صم بکم کا رنگ نظر آتا ہے

کیوں نہ پژمردہ گلہائے مضامین عدو
باغ حاسد کے لیے باد خزانی یہ ہے [1]

کتاب کے پہلے ایڈیشن میں ہدایت علی ہدایت بریلوی کی تقریظ ہے۔ ہدایت علی مولانا نقی علی خاں کے ہم عصر اور اپنے زمانے کے جید عالم مصنف اور مشہور زمانہ شاعر تھے۔ مولانا ہدایت علی

[1] سرور القلوب فی ذکر المحبوب ص 5,6

بریلوی مولانا نقی علی خاں ﷫ کی توصیف میں اس طرح رقمطراز ہیں۔

''مجمع مکارم واخلاق منبع جود واشفاق قبول بارگاہ رب العالمین مداح سید المرسلین، ہادی امت رسول خدا، بحر مواج علم صدق وصفا افضل علمائے زماں مولوی محمد نقی علی خاں ابن مولوی محمد رضا علی خاں مرحوم بریلوی ہیں ان کی تعریف میں زبان قلم لال ہے۔ انسان سے ان کی خوبیوں کا بیان محال ہے'' [1]

اشاعت سوم میں تقریظات سے قبل جامعہ نظامیہ، رضویہ لاہور کے جناب محمد عبدالحکیم شرف قادری نے صاحب تصنیف مولانا نقی علی خاں کے مختصر حالات زندگی اور تصنیفات کا ذکر بڑے دلنشیں انداز میں کیا ہے۔ اسی تیسرے ایڈیشن میں ''مہر وماہ'' لاہور کے ایڈیٹر جناب فدا حسین فدا نے کتاب کی نئے سرے سے پیرابندی کی ہے اور قدیم انداز بیان کو نئے قالب میں پیش کیا ہے۔ اس طرح مولانا نقی علی خاں کا اصلی انداز بیان اور طرز تحریر کتاب کی اول ودوم اشاعتوں میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ کتاب کا پہلا اور تیسرا دونوں ایڈیشن دستیاب ہوئے ہیں۔

سرور دو جہاں ﷺ کی محبت تمام محبتوں سے افضل واعلیٰ ہے۔ اس عالم فانی کی تمام محبتیں حضور ﷺ کی محبت کے سامنے ہیچ ہیں۔ سرور کون ومکاں کی محبت ہی اصل ایمان ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے مولانا نقی خاں بریلوی ﷫ عشق مصطفےٰ ﷺ کی دولت سے مالا مال ہیں۔ ان کے یہاں اسوہ، سرکار دو جہاں ﷺ کی صحیح تقلید اور عشق رسول کی سچی تڑپ موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تصنیفات میں معارف قرآن وحدیث، اسرار عشق ومعرفت اور زبان وبیان کی دلکشی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

زیرہ تبصرہ کتاب میں آپ نے سرکار رسالت مآب ﷺ کے اوصاف حمیدہ، اعمال وکردار، فضائل واخلاق اور اسوۂ حسنہ کا بیان نہایت عقیدت ومحبت سے کیا ہے جس کی مثال نایاب نہ سہی کم یاب

---

[1] سرور القلوب فی ذکر المحبوب ص 7

ضرور ہے۔

مولانا نقی علی خاں ﷫ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں میں عشق رسول ﷺ پیدا کرنے کی کوشش میں اپنی زندگی صرف کی اور امت کو محبوب رب العالمین ﷺ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کیا اور اس میں بہت حد تک کامیاب ہوئے۔

مولانا نقی خاں کی تصنیف ''سرور القلوب فی ذکر المحبوب'' کا پہلا باب ''ولادت با سعادت'' کے عنوان سے ہے۔ اس باب میں مولانا نے تاجدار انبیا ﷺ کی ولادت باسعادت، بچپن، رضاعی والدہ، رضاعی بھائی بہنوں کے ساتھ تعلقات وغیرہ کا ذکر انتہائی عقیدت واحترام کے ساتھ کیا ہے۔ ساتھ ہی مولانا نے احادیث مبارکہ اور مستند مذہبی کتب کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے دنیا میں تشریف لاتے ہی اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اپنی امت کی بخشش چاہی۔ اس سلسلہ میں مولانا لکھتے ہیں:۔

> ''ابن عباس کہتے ہیں اول کلمہ جو زبان فیض ترجمان سے نکلا یہ تھا ''اللہ اکبر کبیراً والحمد للہ کثیراً سبحان اللہ بکرۃ واصیلاً'' قسطلانی اور ابو نعیم روایت کرتے ہیں کہ بعد ولادت کے آپ نے خدا کو سجدہ کیا اور انگشت مبارک آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا لا الٰہ الا اللہ انی رسول اللہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں بیشک میں خدا کا رسول ہوں۔ بعض روایت میں ہے جناب الٰہی میں عرض کیا یا رب ھب لی امتی۔ خدایا میری امت مجھے بخش دے۔ خطاب ہوا وھبتک امتک باعلیٰ ھمتک۔ میں نے تیری امت بسبب تیری بلندیء ہمت کے تجھے بخشی۔'' [1]

[1] سرور القلوب فی ذکر المحبوب ص12,13

محبوب خداوند عالم سے بچپن میں جو واقعات رونما ہوئے ان میں کیا کیا حکمتیں پوشیدہ تھیں ان کا بھی مولانا نقی علی خاں ﷫ نے بہت موثر انداز میں بیان کیا ہے۔

مولانا نقی علی خاں نے اس باب میں حضور سرور عالم ﷺ کی تبلیغ کا بھی ذکر کیا ہے۔ آقائے نامدار ﷺ جب اپنی قوم کی گمراہی اور انکار پر افسوس فرماتے تو اللہ تعالیٰ جبرئیل امین کے ذریعہ وحی نازل فرماتا اور آپ کو تسلی اور تشفی دیتا اور آپ کے مخالفین اور دشمنوں کو عذاب میں مبتلا کرنے کا وعدہ فرماتا اسی وعدہ الٰہی کے مطابق تھوڑے ہی عرصے میں آپ کے بڑے بڑے دشمن عذابوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہو کر واصل جہنم ہوئے۔ ایسے دشمنان رسول کے ساتھ کیا معاملات پیش آئے ان میں سے کچھ کا ذکر مولانا نے اس طرح کیا ہے:۔

> ''بڑے دشمن حضرت ﷺ کے طرح طرح کے عذابوں اور مصیبتوں کے ساتھ واصل جہنم ہوئے ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف علیہ اللعنۃ وغیرہم بدر کی لڑائی میں مارے گئے اور ابی بن خلف کہ بڑا دشمن حضرت کا تھا آپ کے ہاتھ سے احد کے دن زخمی ہوا یہ زخم جو شخص دیکھتا کہتا کاری نہیں ہے۔ جواب دیتا اے نادان! یہ زخم اس کے ہاتھ کا ہے کہ تمام کافروں کے بدن پر ہلکا سا چرکا لگا دیں ایک بھی زندہ نہ بچے گا
> اور ایک روایت میں ہے کہ اگر وہ مجھ پر تھوک دیتے زندہ نہ رہتا آخر دوزخ کو راہی ہوا۔ ام جمیل لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے آتی تھی کہ رسی اس کے گلے میں پڑ گئی اور گٹھا لٹک گیا ہر چند تدبیر کی نہ نکل سکا۔ آخر گلا گھٹ کر اور تڑپ تڑپ کر مر گئی اور شوہر اس کا ابولہب عدسہ کی بیماری میں مبتلا ہو کر واصل جہنم ہوا

تین رات دن پڑا رہا یہاں تک کہ نعش اس کی سڑ گئی چوتھے دن

مزدوروں نے دفن کر دی۔"[1]

کتاب کا دوسرا باب "ورفعنا لک ذکرک کی تفسیر" کے عنوان سے ہے۔

یہ آیہ مبارکہ سورہ الم نشرح کی ہے۔اس سورہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر کی گئی بے انتہا عنایتوں کا ذکر کیا ہے۔ان میں سے ایک ہے ورفعنا لک ذکرک (ہم نے آپ کا ذکر آپ کی خاطر بلند فرمایا) اللہ تبارک تعالیٰ نے سرکار کائنات ﷺ کو جو منصب اور مقامات عطا فرمائے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کے ذکر پاک کو وہ بلندی و درجات عطا فرمائے کہ قیامت تک کوئی اس کا ہمسر نہیں ہو سکتا۔اللہ نے نہ صرف آپ کا ذکر بلند فرمایا بلکہ آپ کو بلندی ورتبہ کا مالک بھی بنایا۔جس کو چاہیں آپ بلند فرمائیں اور جس کو دھتکار دیں اس کی دنیا و عاقبت دونوں غارت ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں اعلان فرمایا ہے کہ ہم نے اپنے محبوب کا ذکر محبوب کی خاطر بلند فرمایا ان میں سے بعض کا ذکر مولانا نقی علی خاں نے کیا ہے۔مولانا لکھتے ہیں:۔

"حضرت جل جلالہ وعم نوالہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے فرماتا ہے اور اونچا ہم نے تیرے لیے ذکر کیا ہے اور تیرا نام اپنے نام کے ساتھ اذان اور اقامت اور نماز اور خطبہ اور کلمہ اور کلمہ شہادت، بلکہ عطسہ اور ذبح کے سوا ہر معاملہ اور طاعت میں نزدیک کیا اور بہشت کے ہر قصر و غرفہ اور دیوار اور دروازہ اور پردہ اور ساق عرش معلی اور اوراق سدرۃ المنتہیٰ پر لکھا۔ساتوں آسمانوں میں کوئی مکان نام نامی سے خالی نہیں۔جس جگہ لا الہ مسطور ہے محمد رسول اللہ بھی ضرور ہے۔قرآن مجید میں جس جگہ کوئی امر اپنی طرف نسبت کیا وہاں رسول مقبول ﷺ

---

[1] سرور القلوب فی ذکر المحبوب ص37

کو بھی یاد فرمایا تمام عالم کی طرف آپ کو مبعوث کیا اور اپنی محبت
واطاعت کو آپکی اطاعت ومحبت پر موقوف رکھا۔ ایمان بغیر
آپ کی تصدیق کے مکمل نہیں ہوتا لاکھ بار لاالـہ الااللہ کہے
جب تک محـمـد رسول کو نہ مانے کچھ کام نہیں آتا بلکہ آپ
کی یاد عین خدا کی یاد ہے۔" ۱

اسی آیت مبارکہ کی تفسیر میں مولانا نے آگے بتایا ہے کہ حضور ﷺ کے پیغمبر ہونے کی پیشگوئی تورات کے علاوہ دیگر انبیائے کرام نے بھی فرمائی تھی۔ حضور اکرم ﷺ کے پیغمبر ہونے کے بعد اسی پیشگوئی کی بنیاد پر کئی یہودیوں نے اسلام قبول کرلیا۔ چنانچہ مولانا لکھتے ہیں:۔

"جب حضرت پیغمبر ہوئے بعض یہود آپ کے حالات
تورات اور انبیاء کے ارشادات سے مطابق دیکھ کر مسلمان
ہوگئے۔" ۲

تیسرا باب "وماارسلنک الا رحمۃ اللعالمین کی تفسیر" کے عنوان سے ہے اس آیت کی تفسیر میں مولانا نقی علی خاں لکھتے ہیں:۔

"اے عزیز! عالم امکان میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ آپ کی
رحمت سے مستفیض نہ ہو کمالات موجودات کے وجود پر متفرع
ہیں اور وجود عالم کا آپ کے طفیل سے ہے اگر آپ نہ ہوتے
عالم نہ ہوتا۔" ۳

بلاشبہ سرکار کی ذات اقدس سراپا رحمت ہے آپ نہ صرف انسانوں کے لیے بلکہ جن وانس، مومن وکافر کے لئے یہاں تک کہ کائنات کی ہر شے کیلئے حسب حال رحمت ہیں کوئی چیز ایسی نہیں جو آپکی رحمت سے محروم ہو۔ ملا علی قاری سرکار کائنات ﷺ کی رحمت عامہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں

۱،۲،۳ سرور القلوب فی ذکر المحبوب ص98,78,54

''حقیقت حال سے اللہ ہی واقف ہے۔میری رائے یہ ہے
کہ نبی اکرم ﷺ شرف،کرم کا وجوداقدس تمام مخلوق خدا کے
لیے رحمت ہے کیونکہ حقیقتاً عالمین کا اطلاق اللہ کی ذات کے سوا
ہر شے پر ہوتا ہےاور یہاں بالاتفاق کوئی ایسا قرینہ بھی نہیں جو
اس کے اطلاق کے منافی ہو۔'' ؎۱

مولانا نقی علی خاں نے حضور اکرم ﷺ کے رحمۃ اللعالمین ہونے کی بہت سی مثالیں دی ہیں۔ چند درج ذیل ہیں۔

جبرئیل امین کا رحمت سے حصہ:۔ ایک روز آپ نے جبرئیل امین سے پوچھا خدائے تعالیٰ نے مجھے رحمۃ اللعالمین کیا تمہیں میری رحمت سے کیا فائدہ ہوا۔عرض کیا یارسول اللہ! میں اپنے انجام سے ڈرتا تھا جب آپ پر قرآن اترا اور پروردگار نے اس میں میری تعریف کی **ذی قوۃ عند ذالعرش مکین مطاع ثم امین** خوف میرا زائل اور اپنی حسن عاقبت پر مجھے اطمینان حاصل ہوا۔

پیغمبروں کا رحمت سے حصہ:۔ پیغمبروں کا آپکی ذات پاک سے یہ فائدہ ہوا کہ آپ اور آپ کے پیروان کی تصدیق کرتے ہوئے قیامت کے روز انکی گواہی دیں گے اور انکی تصدیق اور دشمنوں کی تکذیب کریں گے۔

فرشتوں کو رحمت سے فائدہ۔ فرشتوں کو یہ فائدہ ہوا کہ آپ پر درود بھیجتے ہیں اور بسبب اس کے رحمت الٰہی کے مورد ہوتے ہیں۔

کافروں کو رحمت سے فائدہ:۔ کافروں کے حق میں آپکی رحمت یہ ہے کہ بسبب آپ کے استیصال سے محفوظ رہے اگلے پیغمبروں کے وقت میں جو لوگ کفر وشرک کرتے فوراً ہلاک ہوجاتے

؎۱ شرح سلام رضا از:مفتی محمد خاں قادری ناشر:مکتبہ نظامی بھیونڈی ص 65,66

چوتھا باب ''جمال مصطفےٰ ﷺ'' کے عنوان سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین ﷺ کی ذات مبارکہ کو کمالات و درجات باطنی کے ساتھ ساتھ بے مثال حسن ظاہری بھی عطا فرمایا۔ دنیا کے تمام حسینوں کا حسن و جمال آپکے در کا صدقہ ہے یہاں تک کہ حسن یوسف بھی سرکار ﷺ کے حسن کا ایک جز ہے۔

اس باب میں مولانا نقی علی خاں ﷫ نے خاتم المرسلین ﷺ کے سرانور سے ناخن پائے اقدس تک تمام اعضائے مبارک کی خصوصیات کا ذکر انتہائی والہانہ انداز میں کیا ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا نقی علی خاں نے قرآن مقدس کی آیہء مبارکہ یاایھا النبی انا ارسلنک شاھد و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجاً منیرا کی تفسیر پیش کی ہے۔

سراجاً منیرا کے معنی بعض مفسرین نے ''روشن چراغ'' اور بعض نے ''روشن آفتاب'' سے تعبیر کئے ہیں مولانا نے دونوں معنوں کے فضائل وفوائد بیان کئے ہیں۔ ''چمکتا چراغ'' کے مولانا نے چار فائدے بیان کئے ہیں پہلا فائدہ یہ کہ حضور کے وجود ذی جود سے کفروشرک کی تاریکی دور ہوئی اور تمام عالم نور ایمان وعرفان سے منورو روشن ہوگیا۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جس دل میں حضور کی محبت کا چراغ روشن ہوتا ہے شیطان اس پر قابونہیں پاتا۔ تیسرے یہ کہ آپکی محبت کا نور تاریک دل کو روشن کرتا ہے اور چہارم یہ کہ جس گھر میں چراغ ہوتا ہے وہاں جی نہیں گھبراتا اس طرح جس دل میں حضور ﷺ کی یاد ہے غم والم اس کے پاس نہیں آتا۔

''روشن آفتاب'' کی تفسیر میں مولانا لکھتے ہیں۔

> ''جس طرح سورج کا نور تمام عالم میں محیط ہے اسی طرح سارا جہاں آپ کے نور سے منور ہے اور جس طرح خدا تعالیٰ نے ستاروں کو مسافروں کی رہنمائی کے لئے بنایا اور آفتاب اس بات میں ان سے ممتاز فرمایا اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو

گمراہوں کے واسطے بھیجا اور ہمارے حضرت کو اس بات میں
اور تمام فضائل و کمالات میں ان سے افضل واکمل کیا۔'' [1]

مولانا نے آگے چل کر محبوب خالق کائنات ﷺ کے سراپا کی جمال آفرینی، کمال حسن کی بلندیوں، دلکشی، جاذب نظری، حسن و جمال کی رعنائیوں کا ذکر جس عقیدت و محبت سے کیا اس کی مثال مشکل ہے۔ مولانا نے حضور ﷺ کے روئے انور کا ذکر کس لطیف انداز میں کیا ملاحظہ ہو:۔

''روئے روشن زلف سیاہ میں نمایاں ہے یا نور بصر مردمک چشم سے درخشاں، ماہ دو ہفتہ پر نور عارض سے تاباں شمس بازغہ اس کے مدرسہ تنویر میں شمسیہ خواں لعل بدخشاں کا اس کی رنگینی سے دم فنا اور گلستان ارم کا صرصر خجالت سے رنگ ہوا۔ اس عارضہ پرنور کے عشق میں رنگ رخسار سحر فق ہے اور سینہ ماہ شق مرأت خیال کو سکتہ، چراغ صبح سسکتا، مطلع گلزار سرد، رنگ شفق زرد، دل شبنم افسردہ، روئے گل پژمردہ، دربار گریاں، مرجان بے جان، آئینہ حیران، خورشید سرگرداں، شمع چراغ سحر، عقیق خون در جگر، لالہ خونین کفن، قمری طوق غم بہ گردن، یاقوت بے دم، لعل زیر بارغم، ید بیضا دست بر دل، قد روبے تیغ بسمل بلبل کو اس گلستان خوبی کی یاد میں سبق بوستاں فراموش اور مرغ چمن اس گل رنگیں کے شوق میں روز و شب نالاں، مدہوش آئینہ حلب پراگرده سرعرب عکس افگن ہو سوز محبت سے گل جائے اور ورق گل پر اگر وصف عارض رنگیں زیب رقم ہو

[1] سرور القلوب فی ذکر المحبوب ص110

پیرہن میں پھولا نہ سمائے۔'' [1]

کتاب کا پانچواں کا باب ''سیرت مصطفےٰ ﷺ'' کے عنوان سے ہے اس میں مولانا نے سرکار رسالت مآب ﷺ کی سیرت کے مختلف گوشوں کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے

حضور سرور عالم ﷺ کا خلق ومحاسن وافعال متاع دنیا سے عظیم تر ہے۔ آپ کا زہد، عفت و حیا، خوف خدا، رحم وکرم، شجاعت وعدالت، قناعت وصداقت، سخاوت وصبر وشکر، تواضع وتقویٰ، کلام و روش، نشست وبرخاست، قول وفعل وغیرہ سب بے نظیر تھے۔ آپ کا ہر فعل عبادت تھا۔ آپکا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، کھانا پینا، دعا سلام وغیرہ سب خدا کے لئے تھے۔ آپ کا کوئی کام حکم خدا سے مانع نہ تھا۔

مولانا نقی علی خاں نے آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ کے انہیں سب پہلوؤں کا ذکر انتہائی ادب واحترام کے ساتھ کیا ہے۔ مولانا نے متعدد مثالوں کے ذریعہ بتایا ہے کہ سرکار ﷺ کے خلق عظیم کے کافر ومشرک بھی قائل تھے اور کچھ مشرکین سرکار ﷺ کے خلق سے متاثر ہو کر ایمان بھی لائے۔

اسی باب میں مولانا نقی علی خاں نے حضور ﷺ کی پسند وناپسند کا بھی ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ سرکار ﷺ اور اللہ کے نزدیک تمام عبادتوں میں افضل نماز ہے۔ خود سرکار ﷺ اس عبادت کو بہت خشوع وخضوع کے ساتھ ادا فرماتے تھے اور تمام عبادتوں سے زیادہ آپ کو نماز سے خوشی حاصل ہوتی تھی۔ جب آتش شوق سینہ میں بھڑکتی تو آپ نماز مشغول ہو جاتے۔ اس موقع پر مولانا نقی علی خاں مسلمانوں کو نماز کی تاکید بھی کرتے ہیں۔ مولانا نماز کی تنبیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

''اے عزیز! نماز بارگاہ بے نیاز اور مقام مناجات دراز ہے۔
بکر بن عبداللہ کہتے ہیں۔ اے فرزند آدم! جب تو بے استیذان
خدا کے حضور جائے اور بے ترجمان اس سے کلام کیا چاہے
تو اچھی طرح وضو کر کے محراب میں داخل ہو اگر مصلی جانے کس
کے حضور بلایا جاتا ہوں دنیا ومتاع دنیا ایک نماز کے شکرانے

---

[1] سرور القلوب فی ذکر المحبوب ص 120,119

میں تصدق کرے۔ منادیان حضرت اعلیٰ ہر روز پانچ بار تجھے اس
کے حضور بلاتے ہیں حیی علی الصلوۃ حیی علی الفلاح
اور تو ایک بار بھی نہیں جاتا۔ قیامت کو اگر دریا خون کے آنکھ
سے بہائے گا ایک رکوع اور سجدے کی اجازت نہ دیں گے۔" [1]

آگے چل کر مولانا نے نماز کے کچھ مسائل بھی بیان کئے ہیں اور نماز کی اہمیت وافادیت قرآن مقدس اور احادیث مبارکہ سے ثابت کی ہے۔

سرکار کائنات ﷺ کے خلق عظیم کے بہت سے واقعات مولانا نے بیان کئے ہیں ان میں سے ایک کا ذکر پیش ہے۔

"جس یہود نے آپ کو زہر دیا تھا جب اس نے اقرار کیا کہ
میں نے آپ کے قتل کے لئے یہ حرکت کی تھی صحابہ نے
اسے قتل کرنا چاہا آپ نے چھوڑ دیا۔" [2]

کتاب کا چھٹا باب **خصائص مصطفےٰ** ﷺ کے عنوان سے ہے۔ اس باب میں مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے سرکار رسالت مآب ﷺ کے خصائص شریفہ کا بیان بہت مفصل اور مدلل انداز میں کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تاجدار کائنات ﷺ کو تمام خلق سے زیادہ مخصوص فرمایا اور سب پیغمبروں کی صفات حضور میں جمع فرما کر اپنی خاص مہربانیوں سے مجلّٰی فرمایا۔ اس باب میں مولانا نے سرکار کے خصائص میں سے صرف بارہ خصائص کا ذکر انتہائی ندرت کے ساتھ کیا ہے۔ بارہ خصائص کا اجمالی ذکر اس طرح ہے:۔

خاصہء اول محبوبیت:۔ اس ضمن میں مولانا نے بتایا ہے کہ سرکار ﷺ سے جن، فرشتے بلکہ وحشی و طیر محبت کرتے ہیں سوائے ان کے جنہیں اللہ نے روز ازل

[1،2] سرور القلوب فی ذکر المحبوب ص 131, 157

سے بدنصیب کیا اور جہنمی لکھ دیا۔ خلق کا ذکر کیا خود خالق کون ومکاں آپ سے محبت رکھتا ہے اور اس محبت میں ہی آپ کے شہر ووطن اور آپکی زندگی کی قسم کھاتا ہے اللہ ﷻ نے حضور ﷺ کی محبت کا اپنی محبت کے ساتھ، حضور ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت، سرکار ﷺ کی بیعت کو اپنی بیعت قرار دیا اور سرکار ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ یہاں تک کہ سرکار ﷺ کے فرمانبردار کو اپنا محبوب فرمایا۔

خاصہء دوم رسالت عامہ:۔ اس میں مولانا نقی علی خاں نے قرآن وحدیث سے ثابت کیا ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ جن وانس پر مبعوث تھے۔ اسی لئے آپ کو رسول الثقلین کہتے ہیں۔ تمام جمادات، نبادات آپکی اطاعت و تصدیق کرتے ہیں۔

خاصہء سوم:۔ سرکار کائنات ﷺ کے کثرت اسما کثرت صفات پر دلالت کرتے ہیں اس میں مولانا نے حضور کے نام اقدس **محمد** ﷺ کے صفات شریفہ کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے جو مولانا کی زبردست وسعت علمی پر دلالت کرتا ہے

خاصہ چہارم عبد یا بندہ ہونا اس سلسلہ میں مولانا نقی علی خاں نے سرکار ﷺ کی حدیث نقل کی ہے۔ کہ ''میں بادشاہ پیغمبر ہونا نہیں چاہتا بلکہ بندہ پیغمبر ہونا چاہتا ہوں'' پروردگار نے آپکو عبداللہ فرمایا انبیا کے مقابلہ میں اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو **نعم العبد** اور **عبدا شکورا** فرمایا۔

خاصہء پنجم سرکار ﷺ کا جسم اطہر سراپا اعجاز تھا۔ آپکے پسینہ سے مشک کی خوشبو

آتی بالوں سے خوشبو کی لپیٹیں نکلتیں ان کو دھو کر بیماروں کو پانی پلانے سے فوراً شفا ہوتی۔

خاصہء ششم — حوض کوثر۔ قیامت کے دن ہر پیغمبر کو اپنی امت کے لئے حوض عنایت ہوگا مگر سرکار کو حوض کوثر عنایت کیا جائیگا اس میں دو پرنالے بہشت سے آتے ہونگے یہ سرکار رسالت مآب ﷺ کے لیے ہی مخصوص ہوگا۔ مولانا نے یہاں حوض اور حوض کوثر کے امتیاز پر مدلل بحث کی ہے۔

خاصہء ہفتم — امی لقب۔ اس خاصہ پر مولانا نقی علی خاں نے بڑی عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ امی منسوب بالکتاب ہے یعنی لوح محفوظ ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے نہ کسی سے پڑھا نہ کسی سے لکھنا سیکھا بلکہ سب علم لوح محفوظ سے حاصل کیا۔

خاصہء ہشتم — طے کا روزہ (روزہ پر روزہ رکھنا) اس سلسلہ میں مولانا نقی علی خاں رقم طراز ہیں:

''روزہ۔ طے کا یعنی روزہ پر روزہ رکھنا آپکے لئے خاص ہوا۔ اور کوئی رکھنا چاہتا منع کرتے اور فرماتے میں تم جیسا نہیں رات کو اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں۔ وہ مجھے کھلا دیتا ہے پلا دیتا ہے۔ اور حقیقت رات کے وقت پروردگار کے پاس ہونے اور اس کھانے پینے کی یا وہ جانتے ہیں یا ان کا خدا۔'' [1]

خاصہء نہم — آپ اول مخلوقات اور اسبق موجودات ہیں اور سب کی شفاعت

---

[1] سرور القلوب فی ذکر المحبوب ص246

کریں گے اور سب سے پہلے آپ کی شفاعت قبول ہوگی۔

خاصہء دہم آپ ﷺ کے ذکر مولد میں یہ تاثیر ہے کہ جس گھر میں پڑھا جاتا ہے ایک سال تک وہاں خیر وبرکت اور سلامتی وعافیت اور رزق کی وسعت اور مال کی کثرت رہتی ہے۔ آگے چل کر مولانا نے مولد شریف کے جواز میں ائمہ ومجتہدین کے اقوال ونظریات پیش کیے ہیں۔

خاصہء یازدہم شفاعت۔ مولانا نقی علی خاں نے اس خاصہ کو بھی بڑے عالمانہ اور فاضلانہ ڈھنگ سے بیان کیا ہے۔ روز محشر پیغمبر بھی ہیبت الٰہی سے دم نہ ماریں گے۔ اہل محشر، حضرت آدم، نوح، ابرہیم، موسیٰ اور عیسیٰ وغیرہ انبیاء کرام سے مایوس ہو کر شافع روز جزا، سرورِ انبیاء ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کے طالب ہونگے۔ سرور کون ومکاں ﷺ اللہ ﷻ کے حکم سے اپنی امت کے ایک ایک فرد کی جس کے دل میں جَو برابر بھی ایمان ہوگا اسکی شفاعت فرمائیں گے اور آپ کے وسیلہ سے دیگر پیغمبران بھی اپنی امت کی شفاعت کریں گے۔

خاصہء دوازدہم اجتماع کمالات۔ اللہ تعالیٰ نے اگلے پیغمبروں کے تمام کمالات بلکہ ان سے بھی افضل آپکی ذات مبارکہ میں جمع فرمائے اور اجتماع کی فضیلت انفراد پر ظاہر فرمائی۔ مولانا نقی علی خاں نے ایسے سینتیس (۳۷) کمالات کا ذکر کیا ہے جو اللہ نے دوسرے انبیاء کے مقابلہ

میں سرکار ﷺ کو افضلیت کے ساتھ عطا فرمائے۔

کتاب کا ساتواں باب ''معراج مصطفےٰ ﷺ'' کے عنوان سے ہے اس باب کو مولانا نقی علی خاں نے اس آیت مبارکہ سے شروع کیا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا انہ ھو السمیع البصیر " اس آیت مبارکہ میں سات کلمات ہیں۔ مولانا نے ہر کلمہ کے فضائل ومحاسن پر انتہائی عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے۔ جس سے مولانا کے زبردست علمی وقار کا اندازہ ہوتا ہے مولانا نے 'بعبدہ'' کی تفسیر کس فاضلانہ انداز میں کی ہے ملاحظہ فرمائیے:۔

"بعبدہ اضافت عبد کی ضمیر کی طرف واسطے بیان عظمت مضاف کے ہے۔ جس طرح کہتے ہیں مصاحب بادشاہ کا آتا ہے جو بڑائی اسکی کلمہ سے سمجھی جاتی ہے نام لینے میں نہیں اور تمام صفت سے عبدیت کو بہ سبب اسکی فضیلت یا بیاعلیت کے اختیار فرمایا کہ نہ کوئی صفت بندگی کے برابر ہے اور نہ رفعت وبلندی بغیر اس کے حاصل ہو سکے۔ سعادت انسان کی بندگی اور سرافگندگی میں ہے من تواضع للہ رفعہ اللہ۔ گویا اس مضمون کی طرف اشارہ ہوا کہ ہم نے محمد ﷺ کو بندگی کے عوض یہ مرتبہ عنایت فرمایا کہ چند ساعت میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کو لے گئے اور اپنی قدرت وحکمت کے اسرار ان پر ظاہر فرمائے"۔[1]

خاتم انبیا ﷺ معراج کی رات جبرئیل امین کے ساتھ آسمانوں کی سیر فرماتے ہوئے جب سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جبرئیل امین وہیں رک گئے انہیں آگے جانے کی اجازت نہ تھی۔ حضور رسالت

[1] سرور القلوب فی ذکر المحبوب ص 272

مآب ﷺ آگے تشریف لے گئے۔ حجاب زربفت کے متصل حضور ﷺ کی آمد کے بعد ایک فرشتہ نے اذان پڑھی پروردگار نے ہر کلمہ پر موذن کی تصدیق کی۔اسی عبدیت کے ساتھ یاد فرمایا اور اپنی طرف اضافت کیا۔اذان پڑھنے میں کیا نکتہ پوشیدہ تھا۔اس کی وضاحت مولانا نقی علی خاں نے اس طرح کی ہے:۔

''اس رات نماز فرض ہونے والی تھی اس لیے اذان کہ اعلان نماز ہے فرضیت سے پہلے سنائی تاکہ آپ یاد کر لیں اور اختلاف صحابہ کے وقت عبداللہ بن زید کے خواب پسند کر کے اعلام نماز کے لیے مقرر فرمائیں۔آپ فرماتے ہیں۔پھر اس فرشتے نے پردے سے ہاتھ نکال کر مجھے اٹھالیا''۔[1]

اس طرح مولانا نقی علی خاں نے واقعہ معراج کی حکمتیں،فضائل ونکات،تطبیقات مفصل اور مدلل انداز میں بیان کی ہیں۔مولانا نے اس باب میں چار تنبیہات،ایک توجیہہ،چار لطائف دو حکمتیں، چار فوائد ایک تذئیل اور چار تطبیقات کے ذریعہ واقعہ معراج کی رحمتیں،برکتیں اور فضیلتیں بیان کی ہیں۔

آٹھواں باب ''**معجزات مصطفےٰ** ﷺ'' کے عنوان سے ہے اس باب میں مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اکرم ﷺ کے معجزات کا بڑے حسین پیرائے میں ذکر کیا ہے سرور انبیا ﷺ کا ایک ایک واقعہ ایمان کو تازگی بخشتا ہے اور روح کو معطر کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

دراصل سرکار کائنات ﷺ کی پوری زندگی معجزہ ہے بلکہ آپ کی ہر ہر ادا معجزہ ہے آپکا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا،بات کرنا غرض آپ کا ہر فعل وعمل معجزہ ہے مولانا نقی علی خاں نے ان گنت معجزات کا ذکر مستند احادیث مبارکہ کے حوالوں سے کیا ہے یہ معجزات سیرت نبوی ﷺ کا بھی بہترین شاہکار ہیں مولانا نقی علی خاں کس والہانہ انداز میں معجزہ کا بیان کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔

''جابر کے والد بہت قرض اور تھوڑے خرمے چھوڑ مرے قرض خواہوں نے انہیں گھیرا۔آپ ان کے گھر تشریف

---

[1] سرور القلوب فی ذکر المحبوب ص284

لے گئے اور خرمے تین انبار کئے اور بڑے ڈھیر کے گرد تین
بار پھر کر بیٹھ گئے اور قرض خواہوں کو دینا شروع کیا۔ سب
قرض ادا ہو گیا اور انبار ویسا ہی رہا۔''[1]

اسی باب میں مولانا نے سوال و جواب کے انداز میں سرکار ﷺ کے معجزات سے متعلق مشرکین، منافقین کے شبہات کا ازالہ بھی کیا ہے۔

نواں اور آخری باب ''فضائل درود شریف'' عنوان کے تحت چار فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل سرکار ﷺ پر صلوۃ وسلام بھیجنے کے احکامات سے متعلق ہے۔ اس فصل میں مولانا نے قرآن مقدس کی آیت مبارکہ ''ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین امنو صلو علیہ و سلمو تسلیما'' کے ہر کلمہ اور ہر صیغہ کی انتہائی مدلل اور مفصل تفسیر پیش کی ہے اور درود سلام کی فضیلت ثابت کی ہے۔

دوسری فصل درود شریف کے فضائل وفوائد کے بیان میں ہے۔ اس فصل میں مولانا نقی علی خاں نے درود شریف کے ثواب و اجر کا بڑے عالمانہ ڈھنگ سے بیان کیا ہے۔ درود وسلام پڑھنے والوں کو اللہ تعالیٰ کن انعامات و اکرام سے نوازتا ہے اس کا بھی مفصل ذکر مولانا نے کیا ہے۔ مولانا نے محبوب رب العالمین ﷺ کی متعدد احادیث شریفہ نقل کی ہیں جو درود شریف کی فضیلت و اہمیت کے بارے میں ہیں۔ اس کے علاوہ درود شریف کے بارے میں علما، فضلا، ائمہ ومجتہدین کے اقوال و افعال بھی قلمبند کئے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا قول بیان کرتے ہوئے مولانا کہتے ہیں:۔

شیخ عبدالحق دہلوی کہتے ہیں جب میں مکہ سے مدینہ شریف چلا
شیخ عبدالوہاب متقی نے فرمایا اس راہ میں کوئی عبادت بعد فرائض
کے درود کے برابر نہیں سب اوقات اپنے اسی میں صرف کیجیو
میں نے کہا کوئی عدد متعین ہے فرمایا یہاں عدد متعین نہیں اتنا پڑھو

---

[1] سرور القلوب فی ذکر المحبوب ص 302

کہ درود کے رنگ میں رنگ جاؤ اور اس میں مستغرق ہو جاؤ۔" [1]

آگے چل کر مولانا نے ایک یہ حدیث شریف بھی نقل کی ہے۔

"آپ فرماتے ہیں درود مجھ پر صراط پر نور ہے اور جو شخص
جمعہ کے دن مجھ پر اسی (۸۰) بار درود بھیجے اسی برس کے گناہ
اس کے بخشے جائیں۔" [2]

کس موقع پر کونسا درود شریف پڑھنا چاہئے مولانا نقی علی خاں ﷫ نے وہ درودیں بھی تحریر کی ہیں اور ہر درود شریف کی فضیلتیں اور برکتیں اس پر درود کے ساتھ لکھی ہیں۔

اس باب کی تیسری فصل ان لوگوں کے بارے میں ہے جو سرکار دو عالم ﷺ کا نام نامی سن کر درود شریف نہیں پڑھتے۔ مولانا نے اس فصل میں سرکار ﷺ کی وہ احادیث نقل کی ہیں جن میں سرکار ﷺ نے ان لوگوں کو بخیل اور دوزخی قرار دیا ہے جو سرور کون و مکاں ﷺ کا نام مبارک سن کر سرکار ابد ﷺ پر درود و سلام کی نچھاور نہ کرے۔

اس باب کی چوتھی فصل درود شریف کی حکایات سے متعلق ہے۔ مولانا نے درود شریف کی اہمیت و برکت کے بارے میں اس فصل میں بائیس حکایتیں تحریر کی ہیں۔ ایک حکایت اس طرح ہے۔

فاکہانی نے فجر المنیر میں شیخ صالح موسیٰ ضریر سے نقل کیا
میں کشتی میں سوار تھا ناگاہ ایک ہوا جسے قلابیہ کہتے ہیں اور
جہاز اس سے کم نجات پاتا ہے۔ اٹھی حضرت رسول اللہ ﷺ
نے مجھ سے خواب میں فرمایا۔ اہل جہاز سے کہہ ہزار بار
درود شریف پڑھیں جب میں بیدار ہوا اہل کشتی سے حال کہا
تین سو بار کے قریب یہ درود (درود تنجینا) ہم نے
پڑھا ہوگا کہ ہوا ساکن ہوئی اور کشتی ڈوبنے سے بچ گئی" [3]

۱،۲،۳ سرور القلوب فی ذکر المحبوب ص 341, 365

اس طرح مولانا نقی علی خاں کی تصنیف "سرور القلوب فی ذکر المحبوب" اپنی نوعیت کی منفرد اور بے مثال تصنیف ہے۔اس کے اسلوب نگارش میں شگفتگی اور بے ساختگی ہے اس کی تصنیف کا مقصد عوام کی فلاح اور اصلاح ہے۔اس لیے مشکل اور ادق الفاظ کا استعمال بہت کم کیا ہے۔عبارت میں عربی وفارسی الفاظ کا استعمال بھی کیا ہے لیکن یہ استعمال اصطلاحات دین کو واضح کرنے کے لیے ضروری تھا۔آپ نے اپنی تحریر میں اردو فارسی اشعار کا برمحل استعمال کیا ہے جس سے عبارت میں دلکشی پیدا ہوگئی ہے۔

مولانا نقی علی خاں کی زبان وبیان میں جو سوز وگداز ہے، قرآن وحدیث اور سیرت مصطفےٰ ﷺ کے جو اسرار ورموز ہیں وہ ان کے دور کے دیگر مصنفین کے یہاں دیکھنے کو نہیں ملتے۔نیز سلاست و روانی اور زور بیان میں اپنی مثال آپ ہے یہی وجہ ہے کہ مولانا نقی علی خاں کی یہ کتاب اسلوب تحریر کی بنا پر منفرد ہے مولانا نے اپنے زمانہ کے رواج کے مطابق کہیں کہیں دقیق اور مقفیٰ ومسجع عبارت بھی استعمال کی ہے مگر ایسی عبارت ذہن پر بوجھ بننے کی بجائے قاری کے دل ودماغ پر خوشگوار اثر چھوڑتی ہے۔

نام کتاب	:	جواہر البیان فی اسرار الارکان
سن طباعت	:	۱۲۹۸ھ/ 1881ء
مطبع	:	صبح صادق سیتاپور (یو۔پی)
صفحات	:	دوسونو (۲۰۹)

اسلام ایک مکمل نظام حیات اور مفصل وبے نظیر دستور العمل ہے۔اس کے چار بنیادی ارکان ہیں۔ (۱) نماز (۲) روزہ (۳) زکوٰۃ (۴) حج

ان ارکان اسلام پر علماء نے بہت کچھ لکھا ہے اور لکھا جارہا ہے لیکن مولانا نقی علی خاں بریلوی کی تصنیف لطیف " جواهر البیان فی اسرار الارکان "اس موضوع پر اپنی نوعیت کی پہلی کتاب

ہے جس میں ارکان اربعہ کے علاوہ آداب دعا، اسم اعظم، اوقات اجابت، تدبیر سفر و اعمال قضائے حاجات وغیرہ موضوعات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

مولانا نقی علی خاں ﷫ کی یہ کتاب علم وحکمت، عرفان بصیرت اور تصوف کے بیش بہا خزانے سے مالا مال ہے، مولانا نے اس کتاب میں شریعت مطہرہ کے رموز و نکات کو اپنی فہم و دانش سے بیان کیا ہے آپ کا اسلوب بیان منفرد اور دل نشیں ہے۔ دلائل کے ساتھ مشکل مسائل حل کردیئے ہیں۔ یہ کتاب مذہبی اور علمی رموز و نکات کا خزانہ ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ مولانا نقی علی خاں کے خلف اکبر اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا خاں ﷫ نے اس کتاب کے صرف ڈھائی صفحات کی تشریح میں ایک ضخیم کتاب موسومہ ''سلطنت مصطفیٰ فی ملکوت الوریٰ'' ۱۲۹۷ھ/1879ء تصنیف کی۔ امام احمد رضا اس کتاب کی شرح کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

> ''فقیر غفرلہ تعالیٰ نے صرف ڈھائی صفحوں کی شرح میں ایک رسالہ مسمّٰی بہ زواهر الجنه من جواهر البیان ملقب بنام تاریخی ''سلطنت مصطفیٰ فی ملکوت الوری'' (۱۲۹۷ھ/1879ء) تالیف کیا۔'' [1]

مولوی فرزند حسین سیتاپوری کتاب ھذا کے اشتہار میں لکھتے ہیں۔

> ''ہم اس کتاب (جواہر البیان) کی تعریف میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے کہ جو شخص اس کی شرف خریداری سے مشرف ہو کر بنظر تامل دیکھے گا بے اختیار کہہ اٹھے گا
>
> جمادے چند دادم جان خریدم
>
> بحمد اللہ بس ارزاں خریدم'' [2]

---

[1] اختتامیہ جواہر البیان از: امام احمد رضا مطبوعہ: صبح صادق، سیتا پور ص 204

[2] اشتہار مشمولہ جواہر البیان ص 210

یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے ہر باب کو کئی فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر فصل کا عنوان بھی قائم کیا ہے۔مضامین کی ترتیب اس طرح ہے۔

۱۔ ابتدائیہ : حمد باری تعالیٰ میں

۲۔ مقدمہ : عبادت کے بیان میں

☆ ۳ باب اول : ''نماز کے بیان میں'' اس میں مندرجہ ذیل چار فصلیں ہیں:۔

فصل اول : فضائل وفوائد

فصل دوم : شروط نماز

فصل سوم : صفت نماز

فصل چہارم: امور متفرقہ

☆ ۴ باب دوم : ''روزہ کے بیان میں'' اس باب میں مندرجہ ذیل دو فصلیں ہیں:۔

فصل اول : بیان شب قدر

فصل دوم : ماہ رمضان کے فضائل

☆ ۵ باب سوم : ''زکوۃ کے بیان میں'' اس باب میں مندرجہ ذیل تین فصلیں ہیں:۔

فصل اول : زکوۃ کی روح سات باتوں میں

فصل دوم : زکوۃ لینے والے کے لئے بھی سات شرطیں

فصل سوم : صدقہ کی خوبیاں

☆ ۶ باب چہارم: ''حج کے بیان میں'' اس باب میں مندرجہ ذیل پانچ فصلیں ہیں۔

فصل اول : حج کی فرضیت کے بیان میں

فصل دوم : حج وعمرہ کے فضائل کے بیان میں

فصل سوم : آداب سفر اور مقدمات حج کے بیان میں

فصل چہارم: ترتیب اعمال حج

فصل پنجم : اسرار حج کے بیان میں۔

☆ ۷ باب پنجم : ''زیارت سراپا طہارت مدینہ طیبہ کے بیان میں'' اس میں مندرجہ ذیل دو فصلیں ہیں

فصل اول : زیارت نبوی کے بیان میں

فصل دوم : آداب زیارت روضہ مبارک

کتاب کے مقدمہ سے قبل ابتدائیہ ہے جس میں مولانا نقی علی خاں نے اللہ تعالیٰ کی حمد اس شان اور جوش عبدیت کے ساتھ کی ہے کہ اسے پڑھکر قاری کی روح وجد میں آجاتی ہے اور ایمان کو تازگی ملتی ہے۔حمد باری تعالیٰ کی چند سطریں ملاحظہ ہوں۔

''نسیم کس کی تلاش میں کو بکو دواں ہے اور دریا کس کی طلب میں بے سروپا رواں، پھول نے کس کے شوق میں گریباں چاک کیا اور بلبل نے کس کی یاد میں آہ دردناک۔ایک عالم اس کے شوق ومحبت میں مشغوف ہے اور زمین وآسمان اور جو کچھ اس میں ہے اس کی تسبیح وتمہید میں مصروف'' [۱]

ابتدائیہ کے بعد عبادت کے بیان میں مقدمہ ہے۔اس میں مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام، تابعین کرام اور بزرگان دین کی عبادت الٰہی سے محبت اور طریقہ عبادت کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ روح کو معطر کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔اس مقدمہ میں مولانا نے مسلمانوں کو عبادت کرنے کی ترغیب دی ہے اور تاکید کی ہے کہ عبادت الٰہی تحصیل نجات ومغفرت کی غرض سے نہیں بلکہ با تقاضائے بندگی کرنا چاہئے۔مولانا نقی علی خاں نے عبادت الٰہی کرنے والے بندوں کے لئے پچاس فوائد بہت خوبصورت پیرائے میں بیان کئے ہیں

---

۱ جواہر البیان ص 3

خدا کے نزدیک کوئی عبادت نماز سے زیادہ پیاری نہیں اسی لیے تمام عبادتوں میں سب سے افضل عبادت نماز ہے مولانا نقی علی خاں نے کتاب کے اول باب کی پہلی فصل میں نماز کے فضائل وفوائد انتہائی جوش وعقیدت کے ساتھ بیان کئے ہیں مولانا نے نمازی کو دنیا وعقبیٰ دونوں میں سرفرازی و سربلندی کی خوشخبری سنائی ہے اور بے نمازی کو دنیا وعاقبت دونوں میں ضلالت ودوزخ کا خوف دلایا ہے اور بے نمازی کے بارے میں ائمہ اربعہ کے جو احکامات ہیں انہیں تحریر کر کے مسلمانوں میں ذہنی انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کی ہے

اس باب کی دوسری فصل نماز کے شروط کے بارے میں ہے مولانا نے نماز کی پانچ شرطیں بہت تفصیل سے بیان کی ہیں اور ہر شرط کو احادیث مبارکہ اور اولیاء کرام کے اقوال سے مزین کیا ہے۔ ان پانچوں شرائط کا خلاصہ اس طرح ہے۔

شرط اول طہارت:۔ مولانا نے طہارت کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ اول طہارت ظاہری یعنی جسم، جامہ اور مکان کی طہارت۔ دوئم طہارت باطنی

شرط دوم ستر عورت:۔ یعنی جزو خاص بدن چھپانا اور اہل طریقت کے نزدیک اس کے ساتھ فضائح باطنیہ کا اخفا شرط ہے لیکن عالم الغیوب سے اس کا چھپانا ممکن نہیں ہے۔

شرط سوم نیت:۔ نماز کا ارادہ خالصتاً اللہ سے ہونا چاہئے۔ غیر کی طرف نظر نہ کرے یعنی نیت میں خلوص کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔

شرط چہارم وقت:۔ پروردگار نے یہ عمدہ عبادت (نماز) اوقات معینہ میں فرض کی اور آٹھ پہر میں مختصر وقت اس کام کے لیے مقرر فرمایا تاکہ حصول معاش اور دنیا کے کاروبار میں حرج نہ ہو اور ادائیگی نماز میں کراہت محسوس نہ کرے۔

شرط پنجم استقبال قبلہ:۔ ادائیگی نماز میں استقبال قبلہ لازمی ہے چنانچہ اس سلسلہ میں مولانا اس طرح رقمطراز ہیں۔

''نماز مقام مناجات دراز ہے اور اس امر کے لیے استقبال ضرور لیکن حقیت توجہ اس جگہ متصور نہیں کہ وہ ذات پاک جہت مقابلہ سے منزہ ہے بلکہ خاک افتادہ اپنے حیز سے عروج نہیں کرتی اُس درگاہ تک رسائی پھر کہاں، ناچار کعبہ کی طرف جسے جناب الٰہی نے تشریفا اپنا گھر فرمایا، متوجہ ہوتی ہے البتہ روح انسانی عالم امر سے ہے وہ اس عالم کی طرف توجہ کرسکتی ہے پس قبلہ جسم خاکی کا اور روح انسانی کا رب کعبہ ہے۔'' [1]

تیسری فصل صفت نماز سے متعلق ہے صفت نماز کے بارے میں مولانا کہتے ہیں:

''جو مسلمان برعایت شرائط وارکان و واجبات وسنن و مستحبات اس ترتیب وصفت کے ساتھ کہ مشہور اور کتب فقہہ میں مذکور ہے بنظر تعمیل حکم الٰہی عز مجدہ نماز پڑھے۔ شرع شریف میں نماز اس کی صحیح ہے مگر کمال اس کا یہ ہے کہ حقیقت ارکان شرائط و واجبات وآداب کی بجالاوے اور ادا کے وقت ان کے اسرار پر نظر رکھے۔ مثلاً روح و حقیقت طہارت یہ ہے کہ جس طرح بندہ نجاست حقیقی و حکمی سے ظاہر کو پاک کرتا ہے اسی طرح علائق دنیوی و خباثت مادی سے باطن کو صاف کرے کہ منظر بادشاہ حقیقی علام الغیوب کا باطن ہے۔'' [2]

مولانا نقی علی خاں کی مذکورہ بالا واضح ہدایت اور بے لاگ روحانی تحریر مسلمانوں کے ضمیر کو

[1،2] جواہر البیان از: مولانا نقی علی خان مطبوعہ: صبح صادق، سیتا پور 1881ء، ص 31,25

جھنجھوڑ رہی ہے وہ انکی صحیح رہبری بھی کر رہی ہے ساتھ ہی مولانا نقی علی خاں کی تبحر علمی کی عمدہ مثال ہے۔

آگے چل کر مولانا نقی علی خاں نے نماز اور نمازی سے متعلق اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا ذکر بڑے عالمانہ انداز میں کیا ہے۔اسی باب کی چوتھی فصل ''امور متفرقہ'' میں مولانا نے پانچ اوقات کی نمازوں کی فرضیت، ہر نماز کی اہمیت، وضو کی حکمتیں، دعا، نماز با جماعت وغیرہ موضوعات بڑے استدلال کے ساتھ بیان کئے ہیں جس سے مولانا کی زبردست وسعت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ نے اس فصل میں تصوف سے متعلق اصطلاحوں کی تشریح وتوضیح بھی کی ہے مولانا نے وضو کے ایسے ایسے رموز و نکات بیان کئے ہیں جن سے عام طور پر لوگ ناواقف ہیں۔مولانا لکھتے ہیں:۔

''وضو میں ہاتھ دھونا دنیا سے ہاتھ دھونے اور کلی لذت طعام و شراب اور ناک میں پانی ڈالنا لذت مشمومات سے دست برداری اور منھ دھونا توجہ الی الغیر اور پاؤں دھونا غیر کی طرف جانے کو ترک کرنے اور مسح سر تزکیہ خیال کی طرف اشارہ ہے اور دستور ہے کہ جب آدمی بادشاہ کے حضور جانا چاہتا ہے منھ ہاتھ پاؤں دھوتا ہے نہ مقعد اور تجربہ سے ثابت ہے کہ ان کا اعضاء کا دھونا دفع نوم وتفریح قلب میں اثر تمام رکھتا ہے۔''[1]

دوسرا باب روزہ کے بیان میں ہے اس میں مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ نے روزہ کی تاریخ روزہ کی دینی ودنیوی فوائد وجسمانی وروحانی فوائد بیان کئے ہیں۔اس کے علاوہ روزہ کی شرطیں، روزہ رکھنے کی تاکید، روزہ کے مسائل، روزہ دار کی غیر روزہ دار پر فضیلت، ماہ رمضان کی رحمتیں اور برکتیں وغیرہ بڑے پراثر اور دلپذیر انداز میں مثالوں اور قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کی ہیں۔

---

[1] جواہر البیان ص 70

مولانا نے روزہ کی چھ شرطیں بیان کیں جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

شرط اول : آنکھ کو اس چیز سے کہ خدا سے غافل کردے خصوصاً باعث انتشار شہوت ہو محفوظ رکھے۔

شرط دوم : زبان کو بیہودہ بکنے سے روکے اور ہر بے فائدہ بات سے مانند مجادلہ وغیرہ سے باز رہے۔

شرط سوم : کان کو ناشنیدنی سے دور رکھے جس کا کہنا گناہ ہے اس کا سننا بھی برا ہے جیسے جھوٹ، غیبت وغیرہ۔

شرط چہارم : ہاتھ پاؤں اور تمام اعضاء کو ناکردنی سے جدا رکھے اور کسی کو ایذا نہ دے کسی بے موقع جگہ نہ جائے جو شخص روزہ رکھے اور بد کام کرے اس کی مثال ایسی ہے کہ میوہ سے پرہیز کرے اور زہر کھائے۔

شرط پنجم : وقت افطار حرام ومشتبہ سے افطار نہ کرے اور حلال خالص بھی بہت نہ کھائے کہ جورات کو گرسنگی روز کا تدارک کرلے مقصود اصلی کہ کسر قوت شہوت وغضب کا ہے فوت ہو اور قوت اس کی کم نہ ہو بلکہ ایک رات میں دو بار شکم سیر ہو کر کھانا قوت کو زیادہ کرتا ہے۔

شرط ششم : افطار کے وقت دل اس کا بیم وامید میں معلق نہ ہو کہ قبول ہوا یا نہیں۔ حقیقت روزہ کی یہ ہے کہ انسان ملائکہ کی مانند ہو جائے اور صفت بہیمی سے کہ سوائے کھانے اور جماع کے کسی چیز سے واقف نہیں دور رہو اور یہ مشابہت جب کامل ہو کہ مثل ملائکہ ہمہ تن تعمیل حکم الٰہی میں مصروف ہو جائے۔

تیسرا باب زکوۃ کے بیان میں ہے۔ اس باب میں تین فصلیں ہیں۔ باب کی ابتدا میں مولانا نے زکوۃ کی تعریف بیان کی ہے اور زکوۃ کی فضیلت یہ بتائی ہے کہ زکوۃ دینے والا نجاست بخل سے

نجات پاتا ہے اور مال میں برکت ہوتی ہے۔ مولانا نقی علی خاں نے قارون کی مثال دیکر زکوۃ ادا نہ کرنے والوں کو عبرتناک عذاب سے باخبر کیا ہے۔ مولانا نے زکوۃ کے بارے میں فقہیہ اور اہل تصوف دونوں کے احکامات تحریر کئے ہیں۔ مولانا کہتے ہیں۔

''کسی فقیہہ نے شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا زکوۃ کس قدر ہے؟
فرمایا مذہب فقہہ میں دوسو درہم سے پانچ درم اور ہمارے
مذہب میں دوسو میں سے ایک بھی رکھنا جائز نہیں۔
اس کی راہ میں سب خرچ کرنا اور اس کے شکر میں سر بھی دینا
چاہئے۔ فقیہہ نے کہا مذہب ہمارا ائمہ دین سے ثابت۔
آپ نے فرمایا ہمارا مذہب سید الصدیقین حضرت ابو بکر
صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت۔ جو رکھتے راہ خدا میں
صرف کیا اور کوئی دقیقہ جاں بازی وجاں نثاری کا اٹھا نہ رکھا
ایک جان باقی تھی وہ شب غار قربان کی۔'' [1]

اس طرح مولانا نے کئی واقعات اور مثالوں کے ذریعہ اہل تصوف کی راہ کو اہل فقہہ کی رائے پر فوقیت دی ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ مولانا نقی علی خاں نے اپنی تصنیفات کے ذریعہ تصوف کی تعلیمات کو عام کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی موقع پر مولانا نے زکوۃ دینے کے چھ فائدے بیان کئے ہیں

ابتدائیہ کے بعد اس باب کی پہلی فصل شروع ہوتی ہے جس میں مولانا نے دل نشیں انداز میں واضح کیا ہے کہ زکوۃ دینے والا کن لوگوں کو اور کس طرح زکوۃ دے کہ زکوۃ کا اصل مقصد بھی پورا ہو اور زکوۃ دینے والا اجر وثواب کا بھی مستحق ہو۔ چنانچہ مولانا نے اس فصل میں زکوۃ کے بارے میں سات باتیں بتائی ہیں۔

اول زکوۃ سال گزرنے سے پہلے ادا کرے۔ جو چیز اچانک حاصل ہوتی ہے اس سے فقیروں کو خوشی

---

[1] جواهر البيان ص 85

حاصل ہوتی ہے اور دل سے دعا نکلتی ہے۔ دوم اکٹھا دینا ہو تو محرم یا رمضان میں دیدے۔ رسول اللہ ﷺ جو کچھ ہوتا ماہ رمضان میں خدا کی راہ میں صرف کرتے۔ تیسرے۔ زکوۃ پوشیدہ دینا چاہئے کہ ریا سے محفوظ رہے۔ چوتھے محتاج کو ایذا نہ دے نہ تیوری چڑھائے اور نہ سخت بات کہے اور بسبب محتاجی کے حقیر نہ سمجھے پانچواں اس پر احسان نہ رکھے کہ ان باتوں سے ثواب باطل ہوتا ہے۔ چھٹے جو مال بہتر نفیس حلالی ہو راہ خدا میں صرف کرے۔ حق تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی قبول فرماتا ہے۔ ساتویں زکوۃ ان پانچ لوگوں کو دے (الف) پارسا و متقی کو (ب) طالب علم کو (ج) وہ فقیر جو اپنی محتاجی چھپاتا ہے اور تونگروں کی سی حالت بنائے رکھتا ہے (د) عیال دار اور بیمار جسے رنج و فکر زیادہ ہے (ح) رشتہ دار کو کہ ثواب صدقہ اور صلہ رحمی دونوں کا ہاتھ آئے۔ جس میں یہ پانچوں یا ان میں سے اکثر جمع ہوں اسے دینا اور بھی اولیٰ۔

اس باب کی دوسری فصل میں زکوۃ لینے والوں کے لیے بھی مولانا نے سات شرائط کا ذکر کیا ہے شرط اول: خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت جس کے حال پر زیادہ ہوتی ہے اسے مال تونگری کی آفت سے محفوظ رکھتا ہے اور یہ سمجھے کہ تونگروں کو میری آسائش کے لیے مائل کیا ہے۔ دوم: تونگر کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا واسطہ وذریعہ بنایا اس لیے اس کے حق میں دعا کرے۔ سوم: صدقہ لے کر پوشیدہ رکھے اور اسے تھوڑا و حقیر نہ جانے جیسے دینے والے کو چاہئے کہ بہت دے اور تھوڑا سمجھے۔ چہارم۔ جو شخص مال ظلم یا مال ریا سے دے ہرگز نہ لے کہ سوا خبث کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ پنجم۔ بے حاجت نہ لے اور سوال نہ کرے کہ حرام ہے۔ ششم۔ حاجت سے زیادہ نہ لے کہ اور محتاج کے کام آئے۔ ہفتم۔ جس قدر دیا جائے بطیب خاطر قبول کرے زیادہ پر اصرار سے برکت نہیں رہتی۔

مولانا کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں اس کی تصدیق احادیث مبارکہ اور قرآن مقدس سے بھی کرتے ہیں مذکورہ بالا شرائط کی تصدیقات میں بھی آپ نے متعدد احادیث مبارکہ نقل کی ہیں

تیسری فصل میں مولانا نے صدقہ کی خوبیاں اور فوائد و اہمیت بیان کئے ہیں۔ مولانا صدقہ کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں صدقہ دو اگر چہ ایک
ہی چھوارا ہو وہ بھوکے کی حاجت رفع کرتا ہے اور گناہ کو
بجھاتا ہے جیسے پانی آگ کو اور فرماتے ہیں آدھا ہی چھوارا
دے کر آتش دوزخ سے بچو اور جو اس قدر بھی میسر نہ ہو تو فقیر
کا دل اچھی باتوں سے خوش کرو۔'' [1]

مندرجہ بالا حدیث شریف میں وارد ''ایک چھوارا اور آدھے چھوارے صدقہ'' کی بھی وضاحت مولانا نے کی ہے مولانا لکھتے ہیں۔

اس قسم کی حدیثوں سے بعض بخیل سمجھتے ہیں ہمیں زیادہ مال
خرچ کرنا کیا ضروری آدھا چھوارا آتش دوزخ سے بچا لیتا
ہے ہم دس بیس خرچ کئے دیتے ہیں۔ اور نہیں جانتے شیطان
لعین ان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے حدیثوں کا مطلب یہ
ہے کہ جس قدر ہو سکے خیرات کرے۔ اگر ہزار دو ہزار درم کی
قید ہوتی اکثر لوگ دولت صدقہ سے محروم رہتے'' [2]

مولانا نے ان دولتمندوں کی بھی خبر لی ہے جن کے پاس بے تحاشہ دولت ہے مگر صدقہ میں کنجوسی کرتے ہیں ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی ہے کہ حاجت ضروری پر صدقہ کو فوقیت نہ دی جائے۔

اس کتاب کا چوتھا باب حج کے بارے میں ہے یہ باب گذشتہ تین ابواب میں سب سے زیادہ مفصل اور طویل ہے کتاب کا نصف سے زیادہ حصہ اسی باب پر مشتمل ہے۔ اس باب کے مطالعہ سے قاری جہاں حج سے متعلق بہت سی ضروری معلومات حاصل کرتا ہے وہیں دوسرے مسائل ضروریہ سے بھی واقف ہو جاتا ہے مثلاً اسکی مذمت جس سے کوئی مسلمان اپنا قصور بخشوائے اور وہ نہ بخشے۔ سفر کس دن بہتر ہے، شہر دیکھ کر کونسی دعا پڑھے، علماء کا ادب، مسافر کی دعا کی خوبی، ڈوبنے سے امان کی دعا،

[1,2] جواہر البیان ص 94,95

مسلمانوں کو خوش کرنے کی فضیلت، عرفہ کے دن پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاؤ، دعا کے آداب، زیارت مدینہ طیبہ وغیرہ موضوعات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

اس باب میں پانچ فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں حج کی فضیلت بیان کی ہے اور اس بات پر انتہائی افسوس کا اظہار کیا ہے کہ دولتمند مسلمان اپنی دولت ناچ گانے، زنا، شراب، و دیگر اسراف بیجا پر پانی کی طرح بہانا اپنی شان سمجھتے ہیں اور مذہبی احکامات و فرائض کو پورا کرنے میں طرح طرح کے حیلے بہانے کرتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں مولانا نقی علی خاں ﷫ کا خیال ہے:۔

> ''حقیقت یہ ہے کہ اہل ہند کے دل میں زکوۃ اور حج کی فرضیت پر یقین کامل نہیں اسی واسطہ اکثر ارادہ نہیں کرتے اور جو لوگ جان سے تنگ ہو جاتے ہیں اور دنیا کی تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں ناچار اس سفر کو اختیار کرتے ہیں اور جو نیت ان کی فاسد اور شوق ان کا ناقص ہوتا ہے اس راہ کی کیفیت و لذت انہیں حاصل نہیں ہوتی اور جو لوگ بطیب خاطر و رغبت قلب براہ محبت ارادہ کرتے ہیں انہیں وہ لطف و مزہ اس راہ میں ملتا ہے کہ بیان میں نہیں آتا۔'' [1]

اس باب کی دوسری فصل حج و عمرہ کے فضائل اور تارکین حج کی مذمت کے بیان میں ہے۔ مولانا نقی علی خاں نے اس فصل میں حج کی فضیلت اور اسکی رحمت و برکت کے بیان میں چھہتر احادیث مبارکہ نقل کی ہیں اور چار حکایتیں درج کی ہیں۔

تیسری فصل آداب سفر اور مقدمات حج کے بیان میں ہے۔ اس فصل میں مولانا نے حج کا قصد کرنے سے لیکر حج سے واپسی تک ساٹھ ضروری باتوں کا ذکر کیا ہے۔ قبول حج کے لیے ہر زائر حرم کا ان کو جاننا اور عمل کرنا انتہائی لازمی ہے۔ اس فصل میں مولانا نے جو نکات بیان کئے ہیں ان سے مولانا کی

---

[1] جواہر البیان ص 98,97

فقیہانہ اور محققانہ بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

چوتھی فصل ترتیب اعمال حج کے بیان کے بارے میں ہے۔اس فصل میں مولانا نے حج کے تمام ارکان ادا کرنے کے طریقے اور ان کی دعائیں تحریر کی ہیں اور ساتھ ہی ایک واضح نقشہ بھی پیش کیا ہے جس سے زائرین حرم کو کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔اہم بات یہ ہے کہ ہر مقام کا میل اور فاصلہ بھی تحریر کیا ہے کہ کونسا مقام کتنے فاصلہ پر واقع ہے۔ارکان حج کے علاوہ کس موقعہ پر اور کس وقت کیا کرنا چاہئے اس کا ذکر بھی مولانا نے بہت تفصیل سے کیا ہے جس سے مولانا کی وسعت علمی، مطالعہ کی گہرائی اور گیرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔

پانچویں فصل 'اسرار حج' کے بیان میں ہے۔اس فصل میں مولانا نقی علی خاں نے دیگر امتوں کے مقابلہ میں امت مسلمہ کی فضیلت واہمیت بیان کرتے ہوئے اس پر اللہ کی بے پناہ رحمتوں اور برکتوں کا ذکر کیا ہے اور حج بیت اللہ کی عزمیت وحرمت بیان کی ہے اور ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کی ہے کہ مال حرام سے حج نہ کیا جائے۔ایسا حج منہ پر مار دیا جائے گا۔اس فصل میں مولانا یہ بھی تاکید کی ہے کہ حج کرنے کے بعد مسلمان کو چاہئے کہ وہ باقی زندگی اطاعت الٰہی میں بسر کرے اور یہی عمل قبولیت حج کا مظہر ہوگا۔چنانچہ مولانا فرماتے ہیں۔

> ''بعد تمام حج کے ہمیشہ طاعت الٰہی و اجتناب مناہی میں سرگرم رہ کہ دلیل قبول حج ہے۔حیف جو نگاہ خدا کے گھر پر پڑے اب کسی حرام قصد سے اٹھے۔جن ہاتھوں نے غلاف کعبہ چھوا موقف عرفات میں خدا کی طرف بلند ہوئے، اب ان سے امر نا شروع صادر ہو! جو لب تلبیہ و بوسہء حجر سے مشرف ہوئے اب ان سے سخن ناشائستہ نکلے جو پاؤں راہ خدا میں چلے اب ان سے کار ناشائستہ کی طرف جائے۔جو بدن مجمع اقطاب و

ابدال و مجلس ذکر ذوالجلال میں حاظر رہا اب محفل لہو ولعب و
مجمع فساق وفجار میں شریک ہو۔" ۱

مندرجہ بالا ہدایتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی شخص کہہ سکتا ہے جو روحانیت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو اور مقام قرب کے آداب سے پوری طرح واقف ہو۔

چوتھے باب کے بعد کتاب کا خاتمہ ہے جو مدینہ طیبہ کی زیارت سے متعلق ہے اس میں دو فصلیں ہیں۔ یہ کتاب ارکان اسلام سے متعلق ہے لیکن اس میں دیگر موضوعات پر بحث کیوں کی گئی ہے اس کی وضاحت مولانا نے اس طرح کی ہے

"ہر چند موضوع اس کا ارکان اربعہ ہیں اور یہ مبحث
ان سے جدا مگر یہ ذکر اس کا ہے جس کی یاد یاد الٰہی سے
مفارق نہیں یہاں وہ نام پاک ورد زباں ہو گا جو
آرام جاں ہے اور زیور ایمان جس کے بغیر مسلمانوں
کو کبھی تسکین ممکن نہیں۔" ۲

اس خاتمہ کی فصل اول میں مولانا نے زیارت نبوی ﷺ سے مشرف ہونے والے مسلمانوں کے درجات کی بلندی اور شفاعت کی یقین دہانی میں اٹھارہ احادیث مبارکہ پیش کی ہیں اور سرکار رسالت مآب ﷺ سے اپنی عقیدت ومحبت اور جاں نثاری کا والہانہ اظہار کیا ہے۔

دوسری فصل آداب زیارت نبوی ﷺ سے متعلق ہے۔ مولانا کی ذات والا صفات کو حضور نبی کریم ﷺ سے زبردست عشق ہے اور احترام واکرام ان کے رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ مولانا نے حرم پاک کی زیارت کیلئے کس طرح اپنی بے قراری کا والہانہ اظہار کیا ہے کہ پڑھنے اور سننے والے دیوانہ وار دربار رسول کی تمنا کی تخم ریزی اپنے دل ودماغ میں کرنے لگتے ہیں۔ ملاحظہ کریں۔

"جب حرم مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفا وطیبہ کے قریب

۱،۲ جواہر البیان ص 162,163

پہنچے اور آنکھ وہاں کے درختوں اور پہاڑوں اور
آثار و معالم پر پڑے دامن جلال و ادب کمر ایمان
پر چست باندھے اور ہمہ تن دریائے ذوق و شوق
میں ڈوب جائے دل غفلت پسند اگر ایسے وقت بھی
خواب بے خبری میں ہو اس نادان کا شانہ ہلائے
اور کہے او بے وقت سونے والے! جاگ اور ہوشیار
ہو کہ یہ وقت خواب کا نہیں۔''[1]

کتاب کے خاتمہ کے بعد صاحب تصنیف مولانا نقی علی خاں ﷫ کے خلف اکبر اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا ﷫ کی تقریظ ہے جس میں امام احمد رضا نے اپنے والد ماجد کے مختصر حالات زندگی اور انکی تصنیفات کا ذکر انتہائی عقیدت ومحبت کے ساتھ کیا ہے۔

بہرحال یہ کتاب ''جواھر البیان فی اسرار الارکان ''اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے۔اس میں روزہ، نماز، زکوۃ، خیرات، وضو، غسل اور دیگر مسائل ضرور یہ بڑی تشریح کے ساتھ بحث میں لائے گئے ہیں اور بہت سے مسائل اس تحقیق کے ساتھ بیان کئے ہیں کہ ان کا یکجا ملنا مشکل ہے۔مولانا نے ہر مسئلہ میں ایسے نکات پیش کئے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے ہر موضوع پر احادیث کریمہ سے استدال اس وسیع پیانے پر کیا ہے گویا تمام احادیث آپکے پیش نظر ہیں۔مولانا نقی علی خاں نے استدلال کا وہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ کوئی گوشہ اور کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ساتھ ہی مولانا کا تمام کلیات وجزیات پر عبور تامہ بھی بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

جہاں تک اس کتاب کے اسلوب نگارش کا تعلق ہے تو زبان میں سلاست اور بیان میں فصاحت کی شیرینی ہے۔اس فصاحت وبلاغت نے زبان کو پر اثر بنادیا ہے۔مقفّیٰ اور مسجع عبارت عصری تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔

---

[1] جواھر البیان ص 176

مولانا کے اسلوب نگارش کی بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ نے جابجا موقع اور محل کے لحاظ سے اردو فارسی کے اشعار بھی تحریر کیے ہیں جو بیان میں زور واثر پیدا کردیتے ہیں۔آپ کے اسلوب نگارش کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ موصوف چھوٹے جملوں سے بہت بڑا مفہوم واضح کردیتے تھے۔مولانا چھوٹے جملے لکھ کر بڑا مضمون ظاہر کرنے کے ماہر ہیں مولانا کے یہاں ادق اور ثقیل الفاظ کا استعمال بھی بکثرت پایا جاتا ہے جو کہ زبان وبیان اور اسلوب تحریر کے اعتبار سے اردو ادب کا عظیم سرمایہ ہے۔

نام کتاب:۔	اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد
سن طباعت:۔	۱۲۹۸ھ مطابق 1881ء
مطبع:۔	صبح صادق سیتاپور
صفحات:۔	ایک سوچار

مولوی اسماعیل دہلوی نے ۱۲۴۰ھ مطابق 1828ء میں ''تقویت الایمان'' شائع کی۔ علمائے کرام ومفتیان عظام کے مطابق اس کتاب میں ان تمام باتوں کو ناجائز، حرام، شرک وبدعت قرار دیا گیا جن پر دور صحابہ سے لیکر اس دور تک تمام اولیا، اقطاب واغواث، علما، ائما ومجتہدین متفق تھے۔اس لیے اس کتاب کو لے کر اختلاف کی آگ پورے ملک میں پھیل گئی یہاں تک کہ مولوی عبدالعزیز محدث دہلوی کو بھی اپنے بھتیجے اور ''تقویت الایمان'' کے مصنف مولوی اسمٰعیل دہلوی سے برأت وبیزاری کا اعلان کا کرنا پڑا۔اس کتاب 'تقویت الایمان' کی رد میں عربی، فارسی واردو میں بڑی تعداد میں کتابیں شائع ہوئیں. مولانا مخصوص اللہ دھلوی، مولوی محمد موسیٰ، شاہ احمدسعید مجددی، مفتی صدرالدین آزردہ علامہ فضل حق خیر ابادی، شاہ عبدالمجید بدایونی، شاہ فضل رسول بدایونی جیسے اکابرین نے اپنی تحریر وتقریر سے 'تقویت الایمان' کا پوری شدومد کے ساتھ رد کیا۔اس رد میں مولانا فضل حق خیرابادی کی 'تحقیق الفتوی''

فضل رسول بدایونی کی ’’سیف الجبار ‘‘ اور مفتی نقی علی خاں کی ’اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد ‘‘ بہت مشہور ہوئیں۔ ’’تقویت الایمان‘‘ کی رد میں جو کتابیں تصنیف ہوئیں ان میں ’’تقویت الایمان‘‘ کا صرف جزوی رد کیا گیا تھا مکمل رد نہیں کیا گیا۔ مولانا نقی علی خاں نے اپنی تصنیف ’’اصول الرشاد ‘‘ میں ’تقویت الایمان‘ کا مکمل رد کیا ہے اور کتاب کی ہر ہر عبارت پر سخت گرفت کی اور منطقی عدم توازن کو دکھاتے ہوئے ناقص و ناتراشیدہ خیالات و افکار کا زبردست محاکمہ کیا۔ ساتھ ہی اسلامی موقف کو کتاب وسنت اور شریعت مطہرہ کی مخصوص اصطلاحات کی روشنی میں احکام شرعیہ کی وضاحت کرتے ہوئے تقویت الایمان کا اصولی رد کیا ہے۔ مولانا نقی علی خاں پہلے مفتی ہیں جنہوں نے تقویت الایمان کا اصولی رد کرتے ہوئے اسمٰعیل دہلوی کے باطل عقائد کی نشاندہی کی ہے۔ ’اصول الرشاد‘ میں مندرجہ ذیل بیس کلمات سے مفصل اور مدلل بحث کی ہے۔

قاعدہ نمبر ۱ الفاظ شرعیہ سے اس کے معنی حقیقیہ مراد ہوتے ہیں اس کے چار فوائد کا بیان:

فائدہ اول	:	معنی الہ کی تحقیق
فائدہ ثانیہ	:	معنی عبادت کی تحقیق
فائدہ ثالثہ	:	معنی شرک کی تحقیق
فائدہ رابعہ	:	معنی بدعت کی تحقیق

قاعدہ نمبر ۲ چند افعال نیک کا مجموعہ بھی نیک ہوتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۳ اصل اشیا میں اباحت ہے۔

قاعدہ نمبر ۴ قرآن وحدیث کے عموم و اطلاق سے استدلال دور صحابہ سے عصر حاضر تک بلانکیر منکر رائج ہے۔

قاعدہ نمبر ۵ فعل قبیح کی مقارنت سے فعل حسن قبیح نہیں ہوجاتا۔

قاعدہ نمبر ۶ کفار و مبتدعین سے مشابہت کی ممانعت چند شرائط سے مشروط ہے

قاعدہ نمبر ۷ زمان ومکان کو کسی عظیم شے کی طرف نسبت کی بدولت شرافت وبزرگی حاصل ہوتی ہے۔

قاعدہ نمبر ۸ اہل اسلام میں کسی بات کا رواج بلا نکیر منکر اس فعل کے حسن ومحمود ہونیکی دلیل ہے

قاعدہ نمبر ۹ قول جمہور قول کل کی طرح حجت شرعی ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۰ دلالۃ النص وغیرہا کے ذریعہ احتجاج مجتہد کے ساتھ خاص نہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۱ حرمین شریفین میں بے انکار علما کسی بات کا رواج اس کی خوبی بردال ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۲ اجماع سکوتی حجت ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۳ کسی مسئلہ میں اختلاف کے بعد اتفاق کر لینا اختلاف کے کالعدم ہونے کی دلیل ہے بلکہ اب یہ مسئلہ اجماعی ہو جاتا ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۴ نیک کام کو شروع کر کے التزام کر لینا مستحسن ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۵ حضور ﷺ کی تعظیم وتکریم ہر طرح خدا ﷻ کو پسند ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۶ حضور کا ادب واحترام حضور سید عالم ﷺ کی حیات ظاہری کے ساتھ خاص نہ تھا

قاعدہ نمبر ۱۷ حضور ﷺ کے ذکر، نام اور کلام کی تعظیم بھی حضور کی تعظیم ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۸ تعظیم کے لیے معظم کا پیش نظر اور محسوس ہونا ضروری نہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۹ حضور ﷺ کی تعظیم طریقہ قدیم وجدید ہر طرح سے محمود ہے۔

قاعدہ نمبر ۲۰ تعظیم وتوہین میں عرف وعادت کا بڑا اعتبار ہے۔

مولانا نقی علی خاں نے مندرجہ بالا بیسوں قواعد قرآن وحدیث اور ائمہ ومجتہدین کے اقوال و کتب سے دلائل وبراہین کے ساتھ ثابت کئے ہیں۔

قاعدہ اول کے تحت مولانا نے ثابت کیا ہے کہ الفاظ شرعیہ جن کی وضع خاص معنی کے لئے ہوئی وہ اپنے معنی حقیقی پر ہی بولے جائیں گے جب تک کوئی قرینہ معارفہ نہ ہو اور معنی حقیقی پر عمل ممکن

ہو۔ کیونکہ معنی مجازی مستعار ہیں یہ اصل کے مزاحم نہیں ہو سکتے۔ **نور الانوار** اور **مسلم الثبوت** وغیرہ سے اس معنی کی تائید نقل فرمائی ہے۔ اس کے بعد مولانا نے ثابت کیا ہے کہ **شرک و بدعت**، **الہ**، **عبادت** کے معنی وہی مراد لئے جائیں جو حقیقی ہوں۔

پھر مصنف نے ان سب کے معنی بیان کرکے واضح کیا ہے کہ یہاں وہ معنی ہرگز نہیں جو اسمٰعیل دہلوی اور ان کے ہم نوا علما نے مراد لئے ہیں۔ یہی حال معنی **الہ** اور معنی **عبادت** کا ہے یعنی ''الہ'' قادر مطلق مستحق العبادۃ کو کہتے ہیں اور عبادت غایت تعظیم و نہایت تذلل کا نام ہے۔ **شرک** یہ ہے کہ کسی کو واجب الوجود مان کر الوہیت میں شریک ٹھہرانا۔ **بدعت** کے معنی میں تو کلام کو غایت تحقیق تک پہنچا کر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں کردی ہے کہ بدعت کی تعریف وتقسیم سے اہل سنت کا موقف واضح ہے اور یہ کہ بدعت اصطلاح شریعت میں دو معنی پر بولا جاتا ہے۔

اول:۔ جو کام حضور نے نہ کیا اور نہ اجازت دی۔

دوم:۔ جو کام سنت کے مخالف ومزاحم ہو۔

معنی اول: کے ثبوت میں فاضل مصنف نے کثیر احادیث کریمہ سے استدلال کیا ہے اور یہ بات ثابت کردی ہے کہ بایں معنی اصولی طور پر بدعت کی دو قسمیں قرار دینا ضروری اور اشد ضروری ہے یعنی **بدعت حسنہ** اور **بدعت سیئہ** پھر ان کے ثبوت میں علماکرام کے اقوال پیش کرکے تحقیق کے دریا بہا دیئے ہیں۔

قاعدہ دوم: کے تحت مولانا فرماتے ہیں فاتحہ، سوئم اور میلاد شریف وغیرہ میں کہ منکرات شرعیہ سے خالی ہوں سب مستحسن ہیں کہ زمانہ قدیم سے علما کرام تصریح فرماتے آئے کہ جب کسی مجموعہ کے اجزا علیحدہ علیحدہ ممنوع نہ ہوں تو مجموعہ کیوں منع ہوگا اور یہ امور ایسے ہیں کہ تلاوت قرآن، ذکر خدا و رسول اور درود وسلام وغیرہا جیسے امور خیر پر مشتمل۔ تو بلاشبہ یہ سب خیر ومحبوب ہی ہیں۔

قاعدہ نمبر ۳: کے تحت مولانا نے ایک عظیم مسئلہ بیان کیا ہے جو بارہا موضوع بحث بنا اور آج

بھی کثیر مسائل اس سے وابستہ ہیں۔ مولانا کے مطابق "**اشیا میں اصل اباحت**" ہے یعنی جس چیز کے فعل وترک میں شرعاً کچھ حرج نہ پایا جائے اور اس کے حسن وقبیح ہونے کی کوئی دلیل بھی قرآن و حدیث اور اجماع وقیاس میں موجود نہ ہو تو وہ شرعاً مباح وجائز ہے۔ اسے **اباحت اصلیہ** سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس معنی کی تائید میں **مسلم الثبوت، فتاوی شامی، مختصر الاصول، شرح مشکوہ، مسلم شریف، فتح القدیر، نووی شرح مسلم** وغیرہا کتب کثیرہ سے حوالے پیش کر کے اس قاعدہ کو نہایت مضبوط کر دیا ہے۔

قاعدہ ۴: کے تحت مولانا نے ثابت کیا ہے کہ قرآن وحدیث میں جو الفاظ عام اور مطلق وارد ہوئے ان سے استدلال کر کے کسی مسئلہ کو بیان کرنا اہل اسلام میں عہد صحابہ سے بلانکیر آج تک جاری ہے۔ کسی فرد خاص کے لیے دلیل طلب کرنا بیجا ہے کہ جس عموم واطلاق کے تحت اس کا شمار ہے اسی سے حکم اس کا بھی ثابت ہے۔ دلیل میں اسی قدر کافی ہے کہ یہ امور خیر ہیں جنکے عام یا مطلق کی خوبی قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ لہذا اس امر کی خوبی بھی اسی سے ثابت۔ ہاں جو منع کرے وہ خاص ان امور کی ممانعت قرآن وحدیث سے دکھادے۔

اس قاعدہ کے تحت مصنف نے چھ مباحث ذکر کئے ہیں اور ہر مبحث کے ضمن میں اس بات پر زور دیا ہے کہ عموم و اطلاق سے استدلال بہر حال ایک ثابت اور طے شدہ چیز ہے۔ مخالفین کے اعتراضات محض لغو وبیجا اور اوہام وخیالات بے سروپا ہیں۔

قاعدہ ۵: اس قاعدہ کے تحت مولانا فرماتے ہیں کہ جو فعل فی نفسہ مستحسن ہو اور اس سے کسی فعل قبیح کی مقارنت ومجاورت بھی ہو تو اس قباحت کی وجہ سے وہ فعل متروک نہیں ہو جاتا۔

اس اصول کے اثبات کے لیے مصنف نے کثیر علما کے اقوال پیش کئے ہیں اور ساتھ ہی اعتراضات کے دنداں شکن جواب دیئے ہیں۔ کثیر جزیات سے اصول کی تائید فرما کر قاعدہ کو نہایت واضح کر دیا ہے۔

قاعدہ نمبر۶: اس قاعدہ میں مشابہت کفار ومبتدعین کی معرکتہ الآرا بحث کی عقدہ کشائی ہے۔بیسیوں عبادات اور صدہا معاملات اہل اسلام وکفار مبتدعین باہم متشابہ یا متحد ہیں مگر بدوں قصد ونیت مشابہت بالاتفاق فریقین حرام ومکروہ نہیں ہوجاتے بلکہ کمتر فرائض وواجبات اسلام ایسی مشابہت واتحاد سے پاک نظر آتے ہیں۔پھر مثالوں سے اس بات کو واضح کیا ہے کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان بہت سے چیزوں میں مشارکت ومشابہت ہے۔

قاعدہ نمبر۷: میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ زمان ومکان کو بسا اوقات شرافت وبزرگی کسی معظم دینی کے سبب حاصل ہوتی ہے اور ان مقامات واوقات میں طاعت اور عبادت زیادتی ثواب کا باعث ہوتی ہے۔پھر اس کی مثالیں بیان کر کے اس قاعدہ کو خوب واضح کردیا ہے۔حرمین شریفین میں عبادات پر اجر جزیل کی بشارت اس کا بین ثبوت ہے۔

قاعدہ نمبر۸: اس قاعدہ کے تحت تعامل کی بحث اُٹھائی گئی ہے جو ایک عظیم اصل شرعی ہے جس پر صدہا جزیات فقہ اسلامی کی بنیاد ہے۔اس قاعدے کو ثابت کرنے کے لیے مصنف نے قرآن وحدیث سے استدلال کیا ہے اور کتب فقہ سے اسکی نظیریں پیش کی ہیں۔اس قاعدے میں چند مباحث کا تذکرہ ہے جس کے ذریعہ تعامل کی اہمیت پر زور دیا ہے۔

قاعدہ نمبر۹: جمہور کا قول مثل قول کل حجت شرعی ہے اس کے ثبوت میں مصنف نے ایک آیت اور متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے نیز اقوال علما سے اس کی تائید بھی کی ہے۔

قاعدہ نمبر۱۰: اس قاعدہ میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ ظاہر نص اور مفسر وغیرہا کے ذریعہ احتجاج مجتہد کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام طور پر علما کرام بھی ان سے احتجاج کرسکتے ہیں اس امر کے ثبوت میں علامہ طحطاوی، علامہ شامی، ابن کمال، علامہ بھاری وغیرہ کے اقوال پیش کیے ہیں پھر مصنف نے اس قاعدہ پر چند اعتراضات کے جواب دیئے ہیں اور مخالفین کی خبر لی ہے۔

قاعدہ نمبر۱۱: حرمین شریفین کا تعامل کہ وہاں کے خواص وعام اور علما وائمہ جس بات پر متفق

ہیں وہ حجت ہے۔اس قاعدہ کے ثبوت میں امام شافعی اور امام ابو یوسف کے اقوال بطور سند پیش کے گئے ہیں۔فضائل حرمین ایک مسلم چیز ہے اس کے ذریعہ بھی مولانا بریلوی نے اپنے دعوے کا ثبوت پیش کیا ہے اور اس سلسلہ میں متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے۔

قاعدہ نمبر۱۲: اس قاعدہ کے تحت مولانا بریلوی نے ثابت کیا ہے کہ ایک جماعت کہ جس کا تعلق خواص اہل اسلام سے ہو وہ کسی چیز کا حکم صادر کریں یا کسی چیز پر عمل کو اپنا معمول بنالیں اور باقی دیگر خواص سکوت اختیار کریں تو یہ اجماع سکوتی ہے۔اور احناف و جمہور علما کے نزدیک حجت شرعی ہے ''**نورالانوار**'' وغیرہ سے اس کا ثبوت واضح طور پر پیش کیا گیا ہے۔

قاعدہ نمبر۱۳: اس قاعدہ کے تحت مولانا بیان کرتے ہیں کہ کسی مسئلہ میں پہلے اختلاف تھا بعد میں اتفاق ہو گیا تو اب وہ اختلاف کالعدم قرار دے دیا جاتا ہے اور مسئلہ اجماعی قرار دے دیا جاتا ہے ''**مسلم الثبوت**'' سے اس دعوی کو ثابت کر کے بتایا ہے کہ اکثر احناف اور شوافع کا یہی مسلک ہے۔

قاعدہ نمبر۱۴: اس اصول کے تحت اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کسی مستحب و مستحسن کام کو اگر واجب نہ جانے لیکن اس کو پابندی کے ساتھ ہمیشہ کرتا رہے تو وہ ممنوع و مکروہ نہیں ہو جاتا۔ہاں اسے فرض و واجب سمجھنا غلط ہے اور اس اعتقاد وجوب کا زائل کرنا لازم ہے۔

بعض علما نے اگر ایسے افعال کے مکروہ بھی لکھا تو صرف اسی بنا پر کہ اس اعتقاد فاسد کا ازالہ مقصود ہے نہ کہ فی نفسہ اس فعل کو مکروہ قرار دینا۔

قاعدہ نمبر۱۵، ۱۶: حضور سید عالم ﷺ کی تکریم و تعظیم کے سلسلہ میں اس قاعدہ کے تحت مولانا بریلوی فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالی کو ہر طرح پسند و محبوب ہے اور نص کتاب وسنت سے ثابت اور ایمان کی علامت ہے۔اس اصول کی وضاحت میں مولانا بریلوی نے اپنے دعوی کو غایت نہایت تک پہنچایا ہے۔ پھر علما کے اقوال مثلاً قاضی عیاض کی شفا سے یہ بات بھی ثابت کر دی ہے کہ تعظیم و توقیر حضور ﷺ کی حیات ظاہری تک ہی محدود نہیں بلکہ وصال سے قبل و بعد دونوں حالتوں میں ضروری اور لازمی ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۷: حضور کی تعظیم وتکریم سے یہ بھی ہے کہ جب حضور ﷺ کا ذکر ہو تو آپکی تعظیم خشوع وخضوع وعاجزی وانکساری کے ساتھ بجالاویں۔ مختلف کتب علما ومجتہدین کے حوالوں سے مولانا بریلوی نے کچھ بزرگوں کے خشوع وخضوع کا یہ عالم لکھا ہے کہ حضور ﷺ کا نام پاک سنتے ہی ایسا محسوس ہوتا گویا بدن کا خون نچوڑ لیا گیا ہے۔

امام مالک جب حضور ﷺ کا ذکر سنتے رنگ بدل جاتا اور حد درجہ خضوع سے جھک جاتے۔ کبھی کوئی حدیث بے وضو بیان نہ فرماتے غرض یہ کہ یہ بات خلفا وسلفا سے مسلم رہی ہے کہ حضور ﷺ کی طرف جو چیزیں منسوب ہیں ان سب کی تعظیم حضور ﷺ کی تعظیم ہے۔ جو خداوند قدوس ﷻ کو نہایت پسند ہے۔

قاعدہ نمبر ۱۸: اس قاعدہ کے تحت مولانا نے ثابت کیا ہے کہ تعظیم کے لیے ضروری نہیں کہ معظم سامنے موجود ہو ورنہ عبادت کہ غایت تعظیم ہے اس میں بھی معبود کا عند الحواس موجود ہونا شرط قرار پاتا۔

بہت سی مثالوں کے ذریعہ اس قاعدہ کا اثبات کر کے فرماتے ہیں کہ معظم یعنی حضور سید عالم ﷺ کا تصور وخیال قلب میں جاگزیں کرے تا کہ لذت وسرور حاصل ہو۔

قاعدہ نمبر ۱۹: اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم ﷺ کی تعظیم وتکریم بغیر کسی تخصیص وہیئت کے فرض فرمائی ہے۔ اس کے ثبوت میں بھی مولانا بریلوی نے متعدد احادیث اور علما ومجتہدین کے اقوال سے استدلال کیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۲۰: اس قاعدہ کے تحت اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ تعظیم وتوہین کے بارے میں عرف وعادت کو نہایت اہمیت حاصل ہے مولانا فرماتے ہیں:۔

عرب میں باپ اور بادشاہ سے ''کاف'' کے ساتھ
جس کا ترجمہ 'تو' ہے خطاب کرتے ہیں اور اس ملک
میں یہ لفظ کسی معظم بلکہ ہمسر سے بھی کہنا گستاخی

اور بیہودگی سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر ہندی اپنے
باپ یا بادشاہ خواہ کسی واجب التعظیم کو "تو"
کہے گا تو شرعاً بھی گستاخ و بے ادب اور تعزیر و
تنبیہ کا مستحق ٹھہریگا۔"[1]

اس طرح مولانا نقی علی خاں نے اس کتاب کے ذریعہ شکوک وشبہات کا انتہائی مدلل ازالہ کیا ہے اور مخالفین کو بھی دنداں شکن جواب دیا ہے۔ غرضیکہ کے پوری کتاب حقائق ومعارف کا گنجینہ اور علوم و فنون کا خزینہ ہے۔ جس سے کما حقہ استفادہ کتاب کا غائرانہ نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے

اس کتاب کا اسلوب نگارش مولانا کی دیگر کتب کے مقابلہ میں انتہائی ادق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کی مخصوص اصطلاحات آسان زبان میں بیان کرنا ناممکن ہے۔

نام تصنیف	:	ہدایت البریہ الٰی شریعت الاحمدیہ
اشاعت اول	:	حسنی پریس بریلی سن 1926ء
اشاعت دوم	:	کتب خانہ سمنانی اندرکوٹ میرٹھ
صفحات اشاعت ثانی	:	اڑتالیس (۴۸)

مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ نے "**ھدایت البریہ الیٰ شریعت الاحمدیہ**" اصلاح معاشرہ کی غرض سے تصنیف کی۔ دراصل مولانا اپنے وقت کے زبردست عالم ومفتی تھے اپنی تبحر علمی اور اعلیٰ صلاحیتوں کی بناپر اپنے ہم عصر علما میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ متقی، پرہیزگار اور پابند شرع تھے چنانچہ وہ مسلمانوں کی بے راہ روی اور گمراہی سے بڑے متفکر تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ مسلمان اسلامی تعلیمات اور شریعت مطہرہ سے سر موانحراف نہ کریں بلکہ اپنی زندگی عین اسلامی ڈھانچہ میں ڈھال کر سچے مسلمان کی طرح مثالی زندگی بسر کریں۔

---

[1] اصول الرشاد ص 102

مولانا سماج پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔انہوں نے دیکھا کہ کچھ نام نہاد مسلمان اسلام اور مسلمان کے نام پر دین کی دھجیاں اڑار ہے ہیں،اپنے طرز عمل سے خود بھی گمراہ ہیں اور دیگر مسلمانوں کو بھی گمراہی اور لادینی کے راستہ پر لئے جار ہے ہیں اور معاشرہ کو بگاڑ رہے ہیں تو مولانا کی دینی حمیت برداشت نہ سکی اور اصلاح معاشرہ کی غرض سے" **هدايت البريه** "تصنیف کی۔

مولانا نقی علی خاں پورے روہیلکھنڈ میں پہلے مصنف ہیں جنہوں نے اصلاح معاشرہ کے لیے قلم اٹھایا اور اور قوم کو راہ راست پر لانے کی سعی کی۔اگر چہ اس دور میں ڈپٹی نذیر احمد نے بھی اصلاح معاشرہ کی غرض سے ناول اور کہانیاں لکھیں لیکن مولانا نقی علی خاں نے ناول اور افسانہ کا سہارا لینے کے بجائے دین میں بگاڑ پیدا کرنے والے،اسلام کا چہرہ مسخ کرنے والے عناصر پر براہ راست کاری ضرب لگائی اور ایسے لوگوں کے باطل عقائد کی نشاندہی کی اور قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کے باطل عقائد کا رد کیا۔مولانا نے اس کتاب میں ایسے لوگوں کو دس فرقوں میں تقسیم کیا ہے جو عملاً اسلامی تعلیمات سے انحراف کر کے اسلام کا مذاق اڑار ہے ہیں۔

مولانا نے فرقہ اول میں ان لوگوں کو شامل کیا ہے جو اپنی ناقص عقل کو پیشوا بنا کر عقل کل بنے بیٹھے ہیں اور دینی معاملات میں قرآن وحدیث سے رہنمائی حاصل کرنے کے بجائے عقل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں اور جو بات سمجھ میں نہیں آتی اس سے منکر ہو جاتے ہیں۔مولانا کا خیال ہے کہ انسان کو اللہ کے معاملات میں مخل ہونے کے بجائے اس کے حکم کی تعمیل کرنا چاہئے اور اس کے حکم میں کسی قسم کا قیل وقال نہیں کرنا چاہئے بلکہ ایک فرمانبردار بندہ کی طرح اس کے حکم کی تعمیل میں سرنگوں رہنا چاہئے اور خلاف شریعت امور پر غور نہیں کرنا چاہئے۔اس سلسلہ میں مولانا فرماتے ہیں۔

''دانشمند ایسی باتوں میں جو شرع نے نہیں بتائیں
خوض نہیں کرتے انہیں اس حیثیت سے کہ مولا کی باتیں
ہیں مانتے ہیں اگرچہ عقل ان کی حیثیت دریافت

نہ کرے۔شیطان نے حکم الٰہی میں دخل دیا کہ آدمی
خاک اور میں آگ سے پیدا ہوا مجھے اس کے سامنے
جھکنا زیب نہیں دیتا اس حال کو پہنچا۔"

مولانا آگے کہتے ہیں:

"جس نے عقل کو مدار شرع ٹھہرایا کہ جس بات
کو عقل اس کی نہ پہنچے شک اور تردد کو جگہ دے
وہ بندہء عقل اور شیطان کا ساتھی ہے۔توحید و
رسالت کے دلائل دیکھے اور خداو رسول پر
کامل یقین رکھے اس وقت کوئی شک و تردد
نہ رہے گا اور جو کچھ پیغمبر نے مالک حقیقی کی طرف
سے پہنچایا بے تردد وتشویش قبول کرے گا" [1]

دوسرے فرقہ کے عقیدہ کو مولانا اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"استخراج احکام قرآن و حدیث سے سہل سمجھ کر
اپنی عقل ناقص کو دخل دیتا ہے اور وزیر باتدبیر
کا کام ایک نااہل بازاری کے سپرد کرتا ہے ہر چند
قرآن و حدیث دریائے ساحل ہے کہ طریقت و
شریعت اسکی نہریں ہیں اور حقیقت و معرفت
اس بحرذ خار کی لہریں۔لیکن ہماری عقل کما ینبغی
ادراک نہیں کرسکتی۔" [2]

دراصل قرآن مقدس اور احادیث مبارکہ کے نکات کو سمجھنا علمائے دین کا منصب ہے ہر کس و

[1،2] هدایت البریه ص 8,3

ناکس کے بس کی بات نہیں۔عوام کا کام علما کی تقلید کرنا ہے نہ کہ اپنی محدود عقل سے نکات کو سمجھنا۔اگر قرآن وحدیث کے رموز ونکات ہر فرد کی سمجھ میں آجائے تو پھر علم تفسیر کی ضرورت ہی نہ تھی۔لہذا عوام الناس کا فرض ہے کہ وہ عقلی خیالی گھوڑے دوڑانے کی بجائے ائمہ اور مجتہدین کی تقلید کریں اسی میں ان کی نجات ہے۔جاہلوں اور کم عقلوں کے بہکاوے میں آکر اپنی دنیا اور عاقبت برباد نہ کریں۔مولانا نقی علی خاں ﷫ نے ایسے خودساختہ جاہل مجتہدین کو آڑے ہاتھوں لیا ہے جو قوم کو گمراہ کررہے ہیں۔ایسے لوگوں کے بارے میں مولانا کا خیال ہے۔

> ''ملک ہند میں ضعف اسلام دیکھ کر مجتہدین بن بیٹھے اصل یہ کہ شیطان نے انہیں دام کبر ونخوت و غرور پنداشت میں پھانسا ہے کہ بایں قلت بضاعت ائمہ دین کی ہمسری کا دعوی کیا ہے۔طحطاوی نے نقل کیا ہے کہ خارج مذاہب اربع سے اس زمانہ میں بدعتی اور دوزخی ہے غضب تو یہ ہے کہ بعض عوام کالانعام بھی مدعی اجتہاد ہیں۔قرآن مجید اور مشکوۃ یا مشارق کا اردو ترجمہ دیکھ کر ابو حنیفہ اور شافعی بن بیٹھے۔ائمہ مجتہدین پر صدہا اعتراض کرتے ہیں اور مذہب اربعہ کو چوراہا کہتے ہیں''۔[1]

تیسرا فرقہ ان لوگوں کا ہے جو حنفیت کے دعوے دار تو ہیں مگر جب وہ کسی آیت یا حدیث کا ترجمہ اپنی منشأ ومرضی کے خلاف۔پاتے ہیں تو امام ابوحنیفہ کے مسئلہ کے منکر ہو جاتے ہیں۔ایسے لوگوں کو مولانا متنبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

---

[1] ہدایت البریہ ص 10

''یہ سادہ لوح اس قدر بھی نہیں سمجھتے کہ مجتہد کیلئے کوئی دلیل ضرور ہوتی ہے گو عوام کے ہاتھ نہ آوے کہ وہ مظہر احکام ہے نہ شارع۔ پھر اگر قول مجتہد بادی النظر میں کسی دلیل ناسخ یا راجح ان کی متمسک سے مجتہد کے پاس نہیں۔ بایں ہمہ تصعیف قول مجتہد سراسر خبط ہے''۔ ۱

مولانا نے چوتھے فرقہ میں ان لوگوں کو شامل کیا جنہیں جس مذہب کی بات اچھی لگتی ہے اُسے اختیار کر لیتے ہیں۔ اسطرح ان کا عقیدہ چوں چوں کا مربہ بن کر رہ جاتا ہے۔ ایسے لوگ خود کو بڑا قابل اور دانشمند سمجھتے ہیں مگر حقیقتاً وہ گمراہ ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں مولانا کا خیال ہے۔

''مدار عقائد واعمال کا دس پانچ آیتیں یا اردو فارسی کی دو چار کتابیں دیکھنے پر نہیں بہت کچھ درکار ہے۔ نادانوں نے شرع کو کھیل ٹھہرایا ہے اور اپنی رائے کا تابع سمجھا ہے۔
لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم''۲

مولانا نقی علی خاں نے پانچویں فرقہ میں ان لوگوں کی نشاندہی کی ہے جو فلسفہ منطق وریاضی وغیرہ کی دو چار کتابیں پڑھکر خود کو عالم دین ظاہر کرتے ہیں اور شریعت مطہرہ میں دخل اندازی کرنے لگتے ہیں اور بلا سوچے سمجھے لوگوں کو مسائل بتانے لگتے ہیں۔ ایسے لوگ خود تو بے دین ہو ہی جاتے ہیں ان کے پھندے میں جو پھنس جاتا ہے وہ بھی اپنا ایمان گنوا بیٹھتا ہے۔ مولانا کا خیال ہے کہ منطق و فلسفہ وغیرہ پر بھروسہ کرنے سے ایمان کمزور ہو جاتا ہے اور شریعت وطریقت کا علم حاصل کرنے سے دل روشن ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں۔

''ان فنون میں حد سے زیادہ خوض دل کو تاریک اور ایمان کو کمزور کرتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ ارتکاب

۱۔۲ ہدایت البریہ ص 11

منہیات میں بے پاک ہوتے ہیں اور امر شرعیہ سے
کام نہیں رکھتے اور علوم شریعت وطریقت سے قلب کو
روشنی اور ظلماتِ جسمانیہ اور کدوتِ نفسانیہ سے صفائی
حاصل ہوتی ہے کہ علمائے دین فلسفہ کو بھی ادنیٰ توجہ و
التفات سے سمجھ لیتے ہیں'' [1]

چھٹے فرقہ میں مولانا نقی علی خاں نے ان لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جو خود کو صوفی اہل طریقت گردانتے ہیں اور شریعت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ حقیت یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو طریقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ یہ لوگ بھنگ پینے، تزنگ اڑانے، چوٹی رکھنے، داڑھی منڈانے، مزامیر سننے اور طوائفوں کا ناچ دیکھنے کو سلوک کی باتیں سمجھتے ہیں اور عبادت کو بیکار سمجھتے ہیں۔ مولانا نقی علی خاں کے مطابق یہ سب دین کے ساتھ بدترین مذاق ہے شریعت کی اتباع کے بغیر طریقت ہاتھ نہیں آسکتی چنانچہ ایسے لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں۔

''اے احمق اس عقیدہ فاسدہ سے باز آ! ورنہ عذاب
دوزخ کے لیے آمادہ ہو۔ عبادت کو بیکار سمجھنا کفر اور کافر
قطعاً بہشت سے محروم اور مخلد فی النار ہے کوئی عاقل
ایسی چیز جس کے ترک میں ضرر ہے اور فعل میں نفع ترک
نہیں کرتا اگر تارک بحکم ازل بہشت میں جاویگا ثواب
عابدین سے محروم رہے گا اور ندامت وحسرت میں مبتلا
رہے گا اور عامل اگر دوزخ میں پڑے گا عبادت سے
عذاب اس کا ہلکا ہو جاویگا۔ کیا اس قدر بھی نہیں سمجھتے
کہ انسان سے بے شغل نہیں رہا جاتا اور عبادت سے بہتر

---

[1] ھدایت البریہ ص 12

کوئی شغل نہیں۔" ۱ے

مولانا نقی علی خاں نے ساتویں فرقہ کے تحت ایسے لوگوں پر زبردست تنقید کی ہے جو سلوک کے مقامات طے کئے بغیر اور بلا ریاضت ومحنت کے بزرگوں علما اور مجتہدین کے صاحب سجادہ بنے بیٹھے ہیں اور اپنے قول وفعل سے ان بزرگوں کی تعلیمات کا مذاق اُڑا رہے ہیں اور قرآن مقدس کی آیات کا غلط ترجمہ کرتے ہیں اور بہت سی ناشائستہ باتوں کو علمائے کرام اور مشائخ عظام سے منسوب کرکے قوم میں گمراہیت پھیلا رہے ہیں اور شریعت کے اتباع کو پہاڑ سے زیادہ گراں سمجھ رہے ہیں۔ یہ نام نہاد پیر طریقت اور سجادگان اسلام دشمن عناصر سے دوستی رکھتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ فقیر کے مذہب میں کسی کو بُرا نہیں سمجھتے۔ مولانا نے ایسے لوگوں کو آڑے ہاتھوں لیا اور قرآن مقدس کی آیات اور تاریخی حوالوں سے ثابت کیا کہ یہ خیال لغو ہے کہ کسی کو بُرا نہ سمجھا جائے۔ مولانا کا خیال ہے کہ کامل مسلمان وہ ہے جو خدا کے دوستوں سے محبت رکھے اور دشمنان الٰہی سے عداوت کرے اور ان پر شدت کرے۔

آٹھویں اور نویں فرقہ میں مولانا نے ان لوگوں کو شامل کیا ہے جو روزہ نماز اور دیگر ارکان اسلام صرف رسمی طور پر ادا کرتے ہیں جس سے غیر دانستہ طور پر ان کا عمل ضائع ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگ عالم کی صحبت اور وعظ سے گھبراتے ہیں جسکی وجہ سے یہ لوگ بے دین ہو جاتے ہیں۔ مولانا کا خیال ہے کہ اگر علما کی صحبت اختیار کی جائے تو تھوڑی سی محنت سے عاقبت کی مصیبت سے نجات مل جائے اور دنیا بھی سنور جائے۔ اِس موقع پر مولانا نے عالم کی صحبت کی اہمیت ایک حدیث سے ظاہر کی ہے جو اسطرح ہے

"حدیث میں ہے عالم کی مجلس میں حاضر ہونا ہزار رکعت کی
نماز اور ہزار جناروں پر حاضر ہونے سے بہتر ہے" ۲ے

مولانا نے اُن سرمایہ دار مسلمانوں کی بھی خبر لی ہے جن کے پاس دولت کی افراط ہے مگر وہ نہ زکوۃ دیتے ہیں اور نہ حج کرتے ہیں بلکہ اپنی دولت کا استعمال زنا کاری لواطت شراب تکبر وغرور اور رقص وسرود وغیرہ میں کرتے ہیں۔ مولانا کہتے ہیں یہ سب شیطانی حرکات ہیں جو شیطان کی پیروی کرتا

۱ے ۲ے ہدایت البریہ ص 18,17 ، 27

ہے اُس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔اس سے متعلق مولانا نے قرآن شریف کی آیت مبارکہ بھی نقل کی ہے جو اسطرح ہے۔

"والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولاینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم (ترجمہ: جولوگ جمع کرتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے یعنی زکوۃ نہیں دیتے انھیں بشارت دے سات دکھ دینے والی مار کی" ۱؎

مولانا نقی علی خاں قوم کی فلاح اور بہبودگی کے لیے تعلیم کو لازمی قرار دیتے ہیں۔مولانا کو علم کی تنزلی اور عوام کی علم کی جانب سے لاپرواہی پر بہت تشویش ہے۔مولانا کو خطرہ ہے کہ اگر علم دین کی طرف سے اسی طرح بے توجہی رہی تو وہ دن دور نہیں جب یہ رسمی روزہ نماز بھی ختم ہو جائے گا اور مسلم وغیر مسلم میں امتیاز مشکل ہو جائے گا۔مولانا علم دین حاصل کرنے پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

"اتفاق کر کے دو ایک فاضل ہر شہر اور ہر قصبہ میں بلاویں اور اپنے لڑکوں کو علم دین پڑھاویں اوروں کو ترغیب دیں اور حوائج ضروریہ میں اُن کی مدد کریں چند روز میں علم کی ترقی ہو ورنہ یہ روزہ نماز رسمی بھی نہ رہے گا اور سوائے ختنہ اور گوشت کھانے کے ہندوستان میں کچھ فرق نہ رہے گا۔کیا یہ حالت گوارہ ہے کہ ترویج علم سے اس درجہ غافل ہیں" ۲؎

مولانا نے دسویں فرقہ میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو نفس کے غلام ہیں اور نفس کی غلامی کی وجہ سے دن رات شیطان کی خدمت گاری میں لگے رہتے ہیں، خلق خدا کو حقیر سمجھتے ہیں، اپنے عیب دیکھتے نہیں دوسروں کے عیوب پر نگاہ رکھتے ہیں۔مولانا نے بہت سی مثالیں دے کر قرآن وحدیث کے حوالوں سے مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے کہ نفس کے چکر میں مت پڑو یہ ہر روز نیا بھیس بدل کر دھوکا دیتا ہے۔

۱؎ ۲؎ ہدایت البریہ ص 34,30

مولانا کا قول ہے ''نفس ابلیس سے زیادہ خطرناک ہے۔ابلیس سامنے کا دشمن ہے انسان اس سے ہوشیار رہتا ہے اور آسانی سے دام فریب میں نہیں پھنستا لیکن نفس گھر کا بھیدی ہے ہر وقت گھات میں لگا رہتا ہے اور دھوکے میں ہلاک کرتا ہے''۔

اس طرح مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ نے گمراہ لوگوں کو دس فرقوں میں تقسیم کر کے ان میں درآئی برائیوں اور لغویات کی نشاندہی کی اور اُن کے سد باب کے اسلامی طریقے بتا کر قوم کی اصلاح کی کوشش کی۔

مولانا نے غرور گھمنڈ چوری بدگمانی' جھوٹ' امانت میں خیانت' غیبت' والدین کی نافرمانی' دنیاوی طمع' ملک گیری' ہوس پرستی' شراب خوری' بدکاری' بداخلاقی' زناکاری' بے عملی' بخیلی' بغض وکینہ' حسد وغیرہ برائیوں سے دور رہنے کی تعلیم دی ہے اور اس ضمن میں قرآن شریف اور احادیث مبارکہ نقل کی ہیں۔مولانا نے بڑے موثر اور پرزور انداز میں مسلمانوں کو راہ راست پر چلنے کی تلقین کی ہے۔مولانا نے نیک لوگوں کو دنیا میں عزت وعظمت کی بشارت دی اور بدکاروں اور بے عملوں کو دنیا میں بے عزتی اور آخرت میں دوزخ کا خوف دلایا۔

دراصل جس زمانے میں مولانا نے ''**ھدایت البریہ**'' تصنیف کی وہ مسلمانوں کے انحطاط کا دور تھا' مسلم معاشرہ کی حالت بگڑ چکی تھی' حکومت ان کے ہاتھ سے جا چکی تھی' مسلمان احساسِ کمتری کا شکار تھا' مذہبی معاملات میں دلچسپی کم ہو رہی تھی ان کو اپنا تمدن ناپسند تھا، مغربی تہذیب کے دلدادہ ہو رہے تھے اسکی ہر ادا اچھی لگتی تھی۔مولانا نے مسلمانوں کے اس رجحان کو دیکھا تو مستقبل میں اس کے خراب نتائج ان کی آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔اس ماحول سے متاثر ہو کر مولانا نے ''**ھدایت البریہ**'' لکھی جو اس زمانے کی سچی تصویر ہے۔یہ کتاب جتنی پونے دو سو سال قبل مفید تھی اس سے زیادہ آج کارآمد ہے۔یہ کتاب ہمیں دوسری قوموں کی اندھی تقلید اور ان کے خراب نتائج سے آگاہ کرتی ہے اور اسلامی عقائد واصول پر زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتی ہے۔مولانا نقی علی خاں نے اب سے تقریباً

پونے دوسو سال قبل ان خطرات کو محسوس کیا ان کے سدباب کے لیے یہ کتاب لکھی جو مولانا کی دور اندیشی اور زبردست بصیرت کا ثبوت ہے۔

''**ھدایت البریہ** '' کا اسلوب اس دور کے دستور کے مطابق دقیق ہے اس میں عربی و فارسی الفاظ کا کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔اردو کے ادق الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں مگر مولانا کا کمال یہ ہے کہ عبادت میں ایسی بے ساختگی اور شگفتگی پائی جاتی ہے کہ عبارت میں الجھن پیدا نہیں ہوتی۔ مولانا نے جس مقصد کو لے کر ''**ھدایت البریہ** '' لکھی وہ اس میں پوری طرح کامیاب ہیں۔یہ کتاب مسلمانوں کے لیے آج بھی مشعل راہ ہے۔

نام کتاب:۔ازاقتہ الاثام

مولانا نقی علی خاں کی یہ تصنیف باوجود انتہائی کوشش و جستجو کے دستیاب نہیں ہوسکی۔دور حاضر میں یہ کتاب عنقا و نایاب ہے۔دیگر کتب کی طرح اس کا قلمی نسخہ بھی استداد زمانہ کی نذر ہو گیا تاہم مذکورہ کتاب کی اہمیت و افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا نقی علی خاں ﷫ کے فرزند ارجمند اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی ﷫ نے اپنی تصنیف '**اقامة القیامه**' میں اس کتاب کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔آپ فرماتے ہیں:۔

> دلائل متکاثرہ و حجج باہرہ و براہین قاہرہ قرآن و حدیث و اصول و قواعد شرع سے اس پر قائم ہیں۔جنکی تفصیل و توضیح اور شبہات مانعین کی تذلیل و تفضیح بر طرز بدیع و نہج حضرت حجۃ الخلف بقیۃ السلف تاج العلماء بحر الکلام مبدی د مولائی محرمت والد ماجد حضرت مولانا مولوی نقی علی خاں صاحب قادری برکاتی احمدی قدس اللہ تعالیٰ سرہ

(ترکی) نے رسالہ مستطابہ ''اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام ''میں بما لامزید علیہ بیان فرمائی ہے جسے تحقیق بے عدیل وتدقیق بے مثیل دیکھنے کی تمنا ہو اسے مژدہ دیجیے کہ اس پاک رسالہ مائدہ فائدہ سے زلہ ربا ہو''۔[1]

امام احمد رضا کی کتاب ''اقامۃ القیامہ '' کے مطالعہ اور مولانا نقی علی خاں کی مذکورہ تصنیف پر امام احمد رضا خاں کے تبصرہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ سرور کون ومکاں ﷺ کی سیرت مقدسہ سے متعلق ہے جس میں آپ نے ان لوگوں کا منھ بند کیا ہے جو حضور تاجدار کائنات ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے پر اعتراض کرتے ہیں اور محفل میلاد وغیرہ کے قیام کو اچھا نہیں سمجھتے ہیں۔ امام احمد رضا کے مذکورہ بالا تبصرے سے یہ بھی ظاہر ہے کہ مولانا نقی علی خاں نے اپنے عقائد ونظریات کے ثبوت میں دلائل وبراہین کے انبار لگا دیئے ہیں جو آپ کی ایک امتیازی خصوصیت ہے۔ مولانا بغیر ٹھوس ثبوت اور مثالوں کے کوئی بات نہیں کہتے۔

نام کتاب	:	فضل العلم والعلما
ناشر	:	مجلس اشاعت طلبا فیض العلوم محمد آباد گوہنہ
سن طباعت	:	۱۴۰۳ھ/1982ء
صفحات	:	54(چون)

''فضل العلم و العلما ''مولانا نقی علی خاں بریلوی کی تعلیم وتعلم کی اہمیت وحقیقت وعالم وعلم کی فضیلت سے متعلق اردو زبان میں پہلی کتاب ہے۔ مولانا نقی علی خاں نے انگریزی تعلیم کے مضر اثرات سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے یہ کتاب تصنیف کی۔ اگرچہ ''فضل العلم و العلما ''مولانا کی علیحدہ تصنیف نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی عالمانہ وفاضلانہ تصنیف ''الکلام الاوضح فی

[1] اقامۃ القیامہ از: امام احمد رضا بریلوی ناشر: رضوی کتب خانہ، بریلی ص 22

تفسیر سورہ الم نشرح ''کا ایک تتمہ ہے۔ یہ پورا رسالہ مذکورہ تصنیف میں شامل اشاعت ہو چکا ہے۔ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر مولانا کی خواہش کے مطابق اس کو رسالہ کی صورت میں شائع کیا گیا

مولانا نقی علی خاں ﷫ نے قرآن مقدس' احادیث مبارکہ' صحابہ کرام وانبیا کرام کے اقوال کی روشنی میں علم وعلما کی فضیلت واہمیت ثابت کی ہے اور جہل کی برائیوں اور اثرات سے آگاہ کیا ہے۔

مولانا نے علم کی جو فضیلتیں بیان کی ہیں ان میں کچھ اسطرح ہیں:۔

علم کی فضیلتیں

- علم آدمی کے دل کو اس قدر فراغ اور کشادہ کرتا ہے کہ وہ (دل) زمین وآسمان سے زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔
- علم ایمان کی طرح بلندی مراتب کا سبب ہے۔
- قلیل العلم کثیر العبادت سے یا تھوڑا علم بہت عبادت سے بہتر ہے۔
- جو شخص طلب علم میں مرجائے گا خدا سے ملے گا اور پیغمبروں میں درجہ نبوت کے سوا کوئی درجہ نہ ہوگا۔
- جو شخص ایک باب علم کا اوروں کو سکھانے کے لیے سیکھے اس کو ستر صدیقوں کا اجر دیا جائے گا۔
- جو شخص طلب علم میں سفر کرے فرشتے اپنے بازوؤں سے اس پر سایہ کرتے ہیں اور مچھلیاں اور زمین وآسمان اس کے حق میں دعا کرتے ہیں۔
- علم مدار کار اور قطب دین ہے۔ جو کچھ زمین وآسمان میں ہے علم وعبادت کے واسطے ہے۔
- طلب علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔
- علم موجب حیات بلکہ عین حیات ہے۔
- شیطان علم کو سب صفات سے زیادہ دشمن جانتا ہے اور اسی لیے انسان کو مختلف طریقوں سے علم حاصل کرنے سے روکتا ہے۔

اس طرح مولانا نقی علی خاں نے علم کی اہمیت وافادیت بیان کر کے مسلمانوں میں علم حاصل کرنے کا شوق وجذبہ پیدا کرنے کی سعی کی جوان کی قومی وملی ہمدردی کا بہترین نمونہ ہے۔ مولانا نے علم کی اہمیت کے ساتھ علم حاصل کرنے والے یعنی عالم کی فضیلتیں بھی قرآن وحدیث اور صحابہ کرام وعلماء عظام کے حوالوں سے اس کتاب میں مختلف جگہوں پر بیان کی ہیں جو مولانا کی زبردست علمی لیاقت اور فاضلانہ بصیرت کی دلیل ہیں۔ مولانا نے عالم کی جو فضیلتیں بیان کی ہیں ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:۔

عالم کی فضیلتیں

- کلام الٰہی کے بھید اور خدا کی باتوں کے اسرار علما کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
- خدا ﷻ نے علما کا ذکر اپنے فرشتوں کے ساتھ کیا اور یہ ایسا مرتبہ ہے جو نہایت نہیں رکھتا ہے
- خداوند قدوس نے علما کی گواہی ملائکہ کی گواہی کے مانند معتبر ٹھہرائی اور عالم کی گواہی کو کافی قرار دیا۔
- فضل عالم کا عابد پر ایسا ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی بزرگی سب ستاروں پر ہے۔
- بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں۔
- قیامت کے روز علما کی دواتوں کی سیاہی اور شہدوں کا خون تولا جائیگا علما کی دواتوں کی سیاہی شہیدوں کے خون پر غالب آئے گی۔
- روز محشر عالم خدا کے حکم سے شفاعت کریں گے اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔
- عالم کو محبت سے ایک نظر دیکھنا سال بھر کی روزہ نماز سے بہتر ہے۔
- عالم کی مجلس میں حاضر ہونا ہزار رکعت نماز اور ہزار بیماروں کی عیادت اور ہزاروں جنازوں

پر حاضر ہونے سے بہتر ہے۔

- ہزار عابد قائم اللیل، صائم النہار کا مرنا ایک عالم کی موت کے برابر نہیں کہ خدا کے حرام وحلال سے واقف کراتا ہے۔
- جاہل کسی طرح عالم کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔
- بزرگی عالم کی ایسی ہے عابد پر جیسے میری فضیلت تمہارے کم تر پر (حدیث قدسی)
- ایک فقیہہ شیطان پر ہزار عابد سے بہتر ہے۔
- عالم روزہ دار شب بیدار مجاہد سے بہتر ہے۔

اس طرح مولانا نقی علی خاں ﷫ نے علم و عالم کی فضیلتیں قرآن مقدس اور احادیث مبارکہ سے ثابت کرنے کے علاوہ اسلامی تاریخ کے حوالوں اور مثالوں سے بھی علم کی اہمیت کو ثابت کیا ہے اور قوم میں تعلیمی جذبہ ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ مولانا کہتے ہیں:۔

> ''اے عزیز علم سے زیادہ کوئی چیز نہیں۔ آدم علیہ اسلام کو سلطنت مصر اور سلیمان علیہ اسلام کو علم کی منطق الطیر نے بلقیس سی عورت اور مریم کو علم عیسیٰ علیہ اسلام نے تشنیع قوم سے نجات دی۔ ایک نقطہ علمی نے مور ضعیف کا یہ مرتبہ کیا کہ پروردگار نے اسے قرآن میں بیان فرمایا جو شخص قدر ومنزلت علم کی جانتا ہے اس کے نزدیک سلطنت ہفت کشور کچھ قدر و قیمت نہیں رکھتی''۔[1]

علم کی اہمیت اور افادیت بیان کرنے میں مولانا کا انداز تخاطب پر تاثیر ہے۔ علم کے ساتھ ساتھ مولانا نقی علی خاں نے اچھے استاد کی خوبیاں بھی بیان کی ہیں۔ ایک مثالی معلم میں کیا اوصاف ہونے چاہئیں اسکا ذکر مولانا نے قرآن وحدیث اور علما وفضلا کے حوالے سے کیا ہے جو مولانا کی تبحر علمی

---

[1] فضل العلم و العلماء، ص 26

کا آئینہ دار ہے۔

مولانا نقی علی خاں ﷫ نے علم و عالم کی فضیلتیں بیان کر کے جہاں عوام الناس میں علم کا شوق وذوق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے وہیں بے عمل علما کی بھی خبر لی ہے اور ایسے لوگوں کو عذاب دوزخ سے باخبر کیا ہے جو دوسروں کو تو نصیحت کرتے ہیں اور خود عمل نہیں کرتے۔ اس بارے میں مولانا نے متعدد احادیث مبارکہ اور انبیائے کرام کے اقوال نقل کئے ہیں۔ اس متعلق بخاری ومسلم کی روایت نقل کرتے ہوئے مولانا کہتے ہیں:۔

"مرفوعاً قیامت کے روز ایک آدمی دوزخ میں ڈالا جائیگا کہ آنتیں اسکی باہر نکل آئیں گی اور وہ گھومے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔ دوزخی اس سے کہیں گے تجھے کیا ہوا؟ تو ہمیں نصیت کرتا تھا۔ وہ کہے گا کہ تم کو کہتا تھا اور آپ نہ کرتا تھا اور تمہیں منع کرتا تھا خود کرتا تھا"[1]

مولانا نقی علی خاں ﷫ نے طلبا کو بھی ہدایات دی ہیں اور تنبیہ کی ہے۔ علم حاصل کرنے والوں یعنی طلبا کو شیطان ورغلاتا ہے ان میں غرور و گھمنڈ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور دل و دماغ میں طرح طرح کے وسوسے اور خدشات پیدا کرتا ہے۔ مولانا نقی علی خاں نے ان سب باتوں کا سدِ باب بھی پیش کیا ہے اور یہ بھی تحریر کیا ہے کہ طلبا کو کون سے علوم حاصل کرنے چاہئے اور کن سے پرہیز کرنا چاہئے یا کن علوم پر زیادہ توجہ دینی چاہئے اور کن پر کم۔ اس ضمن میں مولانا فرماتے ہیں:۔

"پس معرفتِ الٰہی اور جو علم مورث محبت و معرفت ہے مقصود حقیقی ہے۔ جیسے علم قرآن و حدیث، عقائد و تصوف اور جو کہ محبت کو فرمانبرداری لازم ہے۔ علم فقہ و فرائض اور اصول

[1] فضل العلم و العلماء ص 30

فقہ بھی علم دین میں داخل ہیں۔علم منطق وغیرہ کو بقدر کفایت
حاصل کرنا مضائقہ نہیں رکھتا لیکن اس میں اس قدر مشغول
ہونا کہ مقصود اصلی سے باز رکھے نرا وسوسہ ہے" [1]

اس طرح مولانا نقی علی خاں نے علم،طلب علم،علم سے شیطان کی عداوت ،عالم کی فضیلت وغیرہ موضوعات پر انتہائی مفصل اور عالمانہ و فاضلانہ طریقہ سے روشنی ڈالی ہے۔دراصل مولانا نقی علی خاں اپنے وقت کے ممتاز عالم دین ،فقیہہ ،مفتی اور محقق تھے اور انکی دوررس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ مستقبل میں مسلمان علم دین سے بے بہرہ اور مغربی تہذیب وتمدن کا دلدادہ ہو جائیگا جو دین محمدی اور مسلمانوں کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہوگا لہذا ان تمام خطرات کا سدباب کرنے کے لیے آپ نے "فضل العلم و العلما'' جیسے رسالے کی اشاعت کو ضروری سمجھا۔

یہ رسالہ بہت سادہ اور سلیس زبان میں تحریر کیا گیا ہے۔اس رسالہ کا ہر مضمون سلیس دلنشیں اور عام فہم ہے۔ سچی مثالوں سے اپنی باتوں کو معتبر اور وزن دار بنایا ہے۔منشا یہی ہے کہ عوام غور و فکر کی طرف راغب ہو کر اپنی اصلاح کر سکیں۔

مولانا نقی علی خاں بریلویؒ عربی و فارسی کے علاوہ اردو کے زبردست عالم اور صاحب طرز انشأ پرداز تھے۔آپکی نثری تصانیف کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ آپ نے مسلمانوں کے سینوں کو عشقِ رسول ﷺ سے روشن کرنے کے لیے اردو نثر کا سہارا لیا اور اپنے دور کے مذہبی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اردو نثر کو شرف سلامت روی بخشا۔

---

[1] فضل العلم و العلماء، ص 48

نام کتاب : احسن الوعالاداب الدعا

اشاعت اوّل : ناشر: حسنی پریس بریلی

اشاعت دوم : ناشر: دین محمدی پریس لاہور

اشاعت سوم اگست 73ء ناشر: سنی باب الاشاعت کاغذی بازار کراچی

اشاعت چہارم : ناشر: المجمع الاسلامی مبارکپور

دستیاب دوسرا ایڈیشن ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ایک نعمت ہے۔ مشکلات کو حل کرنے اور مصائب سے نجات پانے میں دعا بہت کارگر اور مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ بندہ دعا کے صحیح طریقے اور آداب جانتا ہو ورنہ دعا کا مقصد کما حقہ حاصل نہ ہوگا۔

مولانا نقی علی خاں نے مذکورہ کتاب میں دعا کے فوائد، قواعد، آداب اجابت کے امکان واوقات، قضائے حاجت کی تراکیب وغیرہ انتہائی جامع طریقہ سے بیان کئے ہیں، اردو زبان میں دعا کے موضوع پر اتنی جامع کتاب اس سے قبل شائع نہیں ہوئی۔ یہ کتاب دعا سے متعلق معلومات کا خزینہ اور تحقیق کا گنجینہ ہے۔ دیگر تصنیفات کی طرح مولانا کی اس کتاب سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مولانا کتاب وسنت اور علمائے ملت کے فرمودات پر گہری نگاہ رکھتے ہیں عالم یہ ہے کہ ہر موضوع پر دلائل کے انبار لگا دیتے ہیں اور حقائق و معارف کے دریا بہاتے نظر آتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا نقی علی خاں ﷫ کی وسعت علمی، دقت نظر، علو مضامین اور ذوق تحقیق ہر صفحہ تصنیف سے ظاہر ہے

مندرجہ بالا کتاب مندرجہ ذیل دس فصلوں پر مشتمل ہے۔

☆ فصل اوّل فضائل دعا میں

☆ فصل دوم آداب دعا و اسباب اجابت

☆ فصل سوم اوقات اجابت

☆ فصل چہارم — امکنہ اجابت

☆ فصل پنجم — اسم اعظم وکلمات اجابت

☆ فصل ششم — ممانع اجابت

☆ فصل ہفتم — کن کن باتوں کی دعا نہ کرنا چاہئے

☆ فصل ہشتم — ان لوگوں کے بیان میں جن کی دعا قبول ہوتی ہے

☆ فصل نہم — ان اعمال صالحہ کے بیان میں جن کے کرنے والوں کو کسی دعا کی حاجت نہیں ہوتی

☆ فصل دہم — بحث دعا کے متعلق چند سوال وجواب

☆ تذئیل — غیر خدا سے سوال کے حکم میں

☆ خاتمہ — چند تراکیب نماز حاجت میں

مولانا نقی خاں کے خلف اکبر امام اہل سنت مجدد دین ملت مولانا احمد رضا خاں نے "**ذیل المدعا لاحسن الوعا**" کے نام سے اس کتاب کی شرح کی ہے۔ جو کتاب کے ساتھ ہی ہے شارح نے متن وشرح میں امتیاز یہ رکھا ہے کہ اپنی تحریر کو "**قال الرضا**" سے شروع کیا ہے اور اس خط یعنی خط ہلالی پر ختم کیا ہے، خاص بات یہ کہ شرح متن سے بڑھ گئی ہے۔ جو تحقیقی نوعیت کی حامل ہے،

فصل اول: فضائل دعا میں ہے اس فصل میں مولانا نقی علی خاں نے دعا کی فضیلت میں دس احادیث مبارکہ نقل کی ہیں جن سے دعا کی فضیلت واہمیت کا اندازہ ہوتا ہے احادیث مبارکہ سے قبل اللہ تبارک وتعالیٰ کا وہ ارشاد بھی نقل کیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے دعا مانگنے والے سے دعا کی قبولیت کا وعدہ کیا ہے۔ امام احمد رضا نے ہر حدیث شریف کے بعد اس کی تشریح کی ہے۔

فصل کے آخر میں مصنف نے دعا کے پانچ فوائد بیان کئے ہیں جو آپ کی دینی بصیرت کے غماز ہیں

فصل دوم: آداب ودعا اور اسباب احادیث کے بیان میں ہے۔اس فصل میں مولانا نقی علی خاں نے دعا کے آداب اور اجابت کے اکیاون اسباب بیان کئے ہیں امام احمد رضا نے نو آداب دعا اور اسباب اجابت کا اضافہ کر کے کل ساٹھ کئے ہیں اگر ان اسباب پر عمل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دعا قبول فرمائے گا۔مولانا نقی علی خاں نے جو آداب تحریر کئے ہیں وہ سب معتبر احادیث اور علماء کرام کے ارشادات کے مطابق ہیں۔اس ضمن میں مولانا نے آداب کے علاوہ بعض معتبر روایات اور واقعات بھی بیان کئے ہیں جو مولانا کی وسعت علمی کی دلیل ہیں۔

اوقات: ہر کام کا وقت معین ہوتا ہے اگر کام وقت پر کیا جائے تو کامیابی حاصل ہوتی ہے ورنہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔دعا مانگنے کے بھی اوقات مقرر ہیں اگر ان مقررہ اوقات میں دعا مانگی جائے تو انشاءاللہ ضرور قبولیت کا شرف حاصل کرے گی۔

فصل سوم: میں مولانا نقی علی خاں نے ایسے چھتیس اوقات کا ذکر کیا ہے جن میں اجابت دعا کی قوی امید ہے۔امام احمد رضا نے ان میں نو کا اضافہ کیا ہے اور کل پینتالیس اوقات کر دیئے ہیں۔ان کے مطالعہ سے مولانا کے مطالعہ کی زبردست گہرائی اور گیرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔

فصل چہارم: دعا کی قبولیت کے لیے آداب واوقات کے ساتھ ساتھ مقامات بھی مخصوص ہیں۔اگر تمام شرائط پر عمل کرتے ہوئے دعا کے مقام کا خیال رکھا جائے تو یقیناً اللہ تعالیٰ توجہ خاص فرمائیگا۔اور اپنے بندہ کے دامن کو گوہر مراد سے بھر دے گا۔چوتھی فصل میں مولانا نقی علی خاں نے جن مقامات کا ذکر کیا ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔وسط مسجد الحرام "ملتزم (کعبہ معظمہ کی مشرقی دیوار کا جنوبی حصہ)" "داخل بیت" حجر اسود۔نزد زمزم۔صفا۔مروہ۔مکان استجابت (جہاں ایک مرتبہ دعا قبول ہو وہاں پھر دعا کرے خواہ اپنی دعا کا قبول دیکھے یا دوسرے مسلمان بھائی کی) وغیرہ

فصل پنجم: اسم اعظم وکلمات اجابت کے بیان میں ہے اس فصل میں مولانا نے نو بشارتوں کا ذکر کیا ہے۔جن میں امام احمد رضا نے گیارہ کا اضافہ کیا ہے مولانا نقی علی خاں نے سرور کون ومکاں ﷺ

ائمہ عظام اور علمائے کرام کے حوالے سے وہ آیات مبارکہ تحریر کی ہیں جن میں اسم اعظم ہے اور جن کے وسیلے سے دعا قبول ہوتی ہے۔نویں بشارت اسطرح ہے۔

''حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ

اسم اعظم اللہ لاالہ الاھو رب العرش العظیم ہے''[1]

فصل ششم: اگر کسی بندہ کی دعا قبول نہ ہو تو اسے اپنا قصور سمجھنا چاہئے کہ اس میں ضرور کچھ کمی ہے۔اللہ سے شکایت نہیں کرنی چاہئے کہ اسکی عطا میں کمی نہیں ہے۔مولانا نقی علی خاں نے چھٹی فصل میں ایسے پانچ اسباب بیان کئے ہیں جن کی وجہ سے دعا قبول نہیں ہوتی۔امام احمد رضا نے ان میں دس کا اضافہ کیا ہے ہر مسلمان کا ان اسباب کا جاننا انتہائی ضروری بلکہ لازمی ہے۔ان کا سدباب کئے بغیر دعا کی مقبولیت میں رکاوٹ ہوسکتی ہے۔پانچویں سبب میں مولانا نے یہ بھی واضح کیا ہے اگر کسی بندہ کی دعا کے مطابق اللہ تعالیٰ اسکو مطلوبہ شے نہیں دیتا تو اس کے عوض دعا گو کو ثواب آخرت عطا کرتا ہے لیکن اس طرح دعا کی مقبولیت ظاہر نہیں ہوتی اور بندہ سمجھتا ہے کہ میری دعا قبول نہیں ہوئی جبکہ اللہ تعالیٰ آخرت میں اجر عظیم دیتا ہے اس لئے ہر حال میں جائے شکر ہے نہ کہ مقام شکایت۔

فصل ہفتم: ساتویں فصل میں ان باتوں کا ذکر ہے جن کے لئے دعا نہ کرنا چاہئے مثلاً لغو اور بے فائدہ باتیں یا وہ چیزیں جو محال ہیں یا قریب محال ہیں۔قطع رحم کی۔کسی مسلمان کی موت یا کسی مسلمان کے لئے بددعا وغیرہ ایسے امور ہیں جن کے لیے دعا نہ کرنا چاہئے۔اس سلسلہ میں مولانا نے بارہ مسائل بھی پوری تفصیل سے دلائل و براہین کے ساتھ بیان کئے ہیں۔امام احمد رضا نے ان بارہ مسائل میں تین کا اضافہ کر کے کل پندرہ کئے ہیں۔

فصل ہشتم: آٹھویں فصل ان لوگوں کے بیان میں ہے جن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔مولانا نقی علی خاں نے ایسے آٹھ لوگوں کا ذکر کیا جن کی دعائیں بارگاہ رب العزت میں مقبول ہوتی ہیں۔اس لئے مسلمانوں کو ان لوگوں سے اپنے لئے جائز تمناؤں کی دعا کرانا چاہئے امام احمد رضا نے ان میں گیارہ

[1] احسن الوعاء ص 35

کا اضافہ کر کے ایسے لوگوں کی تعداد اتیس کر دی ہے۔

مولانا نقی علی خاں ﷫ نے جن آٹھ لوگوں کا تذکرہ کیا ہے وہ ہیں۔ مضطر۔ مظلوم۔ عادل بادشاہ۔ روزہ دار۔ وہ مسلمان جو دوسرے مسلمان کے لیے دعا مانگے۔ ماں باپ کا فرمانبردار۔ مسافر۔ والدین جو اپنی اولاد کے حق میں دعا مانگیں۔ مولانا نقی علی خاں کے متذکرہ بالا الفاظ میں کتنے معنی و مفاہیم پوشیدہ ہیں اس کا اندازہ امام احمد رضا کی اس تصنیف میں تحریر کردہ شرح ونقل ہے لگایا جا سکتا ہے یہ شرح مولانا نقی علی خاں کی عالمانہ وفاضلانہ فہم وفراست پر صاد ہے۔

فصل نہم: نویں فصل ان اعمال صالحہ کے بارے میں ہے جن کے کرنے والے کو کسی دعا کی حاجت نہیں ہوتی وہ اعمال تین ہیں۔ اول:۔ درود شریف کی کثرت۔ دوم:۔ یاد الٰہی۔ اگر بندہ یاد الٰہی میں غرق رہ کر دعا نہ مانگ سکے تو اللہ تعالیٰ اس کو مانگنے والے سے زیادہ عطا فرماتا ہے۔ سوم:۔ اس قدر تلاوت کلام اللہ کہ بندہ دست سوال دراز نہ کر سکے۔ یہ نویں فصل اس کتاب میں نہیں ہے شارح امام احمد رضا نے اس کا اضافہ کیا ہے۔

فصل دہم: دسویں فصل میں بحث دعا سے متعلق بطرز سوال وجواب ہیں۔ اس میں مولانا نے دعا کے بارے میں سوال وجواب کے ذریعہ علم وحکمت۔ عرفان وبصیرت۔ فقہ اور تصوف کے بیش بہا خزانے بہائے ہیں اور ایسے ایسے رموز ونکات بیان کئے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے

تصوف اور فقہ کے بارے میں علما نے مختلف نظریات پیش کیے ہیں۔ مولانا اس موضوع پر کہتے ہیں۔

> ”تصوف ہر چند برتر وافضل ہے مگر فقہ اسلم واشمل ہے اسی واسطے کہتے ہیں۔ باطن ظاہر پر مقدم نہ کیا جائے نہ تحصیل میں نہ احکام کی تعمیل میں کہ تحصیل فقہ بعد از لعمق فی التصوف مشکل ہے بخلاف العکس۔ اسی لئے کہتے ہیں کن فقیہا صوفیاً ولاتکن صوفیا فقیہاً۔ پس یہ حکم صاحب مقام فنا

کیلئے مخصوص ہے جسے یہ مقام حاصل ہو اس کے حق میں
ترک دعا افضل"۔ [1]

اسطرح مولانا نے اس فصل میں پانچ سوالوں کے جوابات کے ذریعہ بہت مشکل اور ادق مسائل حل کئے ہیں۔ جو نہایت جامع اور تصوف وفقہ کے مسائل کے موضوعات میں قابل قدر اضافہ ہے

دسویں فصل کے بعد تذئیل اور پھر خاتمہ ہے۔

خاتمہ میں مولانا نے نماز حاجت کی دس ترکیبیں تحریر کی ہیں جو حضور اکرم ﷺ کے ارشادات اور ائمہ کرام سے منسوب ہیں اور نہایت مجرب ہیں۔

موضوعات کے تقاضوں کے مطابق اگر چہ مولانا نے عربی اور فارسی الفاظ وتراکیب کا استعمال کیا ہے پھر بھی اسلوب نگارش نہایت دلکش، رواں اور پرتاثیر ہے۔ ان کے طرز تحریر کی بڑی خوبی اختصار ہے وہ بڑی اور طویل بات کو بھی مختصر طور پر پیش کر گئے ہیں۔ کوئی دوسرا ہوتا تو بات کو کئی سطروں میں پیش کرتا لیکن مولانا اسے ایک جملہ میں ادا کر دیتے ہیں۔ مولانا نے غیر ضروری باتوں کی تفصیلات پیش کرنے سے گریز کیا ہے۔ الغرض مولانا نقی علی خاں کے انداز بیان میں علمیت اور ادبیت کے ساتھ جاذبیت اور دلکشی ہے۔ عبارت عالمانہ اور معیاری ہے۔

انداز تخاطب اور دلچسپ اسلوب تحریر کی ایک مثال پیش ہے

"اے عزیز: وہاں کے لئے کیا جمع کیا کہ یہاں سے بھاگنا
ہے اگر موت کی شدت وسختی سے واقف ہو تو آرزو نہ کرے
کاش تمام دنیا کی تکلیف مجھ پر ہو اور چند روز موت سے
مہلت ملے"۔ [2]

---

[1] احسن الوعاء ص 46,73

5











باب پنجم

ہم عصر اردو نثر نگاروں سے مولانا کی طرز نگارش کا تقابلی مطالعہ

باب پنجم

ہم عصر اردو نگاروں سے مولانا کی طرز نگارش کا تقابلی مطالعہ

مولانا نقی علی خاں بریلوی عربی و فارسی کے علاوہ اردو کے زبردست عالم اور صاحب طرز انشا پرداز تھے۔آپ نے مسلمانوں کے سینوں کو عشق رسول ﷺ سے روشن کرنے کے لئے اردو نثر کا سہارا لیا۔اپنے دور کے مذہبی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اردو نثر کو شرف سلامت روی بخشا۔آپ نے اپنے مقاصد و مفاہم واضح کرنے کے لئے موقع محل کے اعتبار سے طرز نگارش کا استعمال کیا۔مولانا نقی علی خاں نے اردو نثر میں دہلی یا لکھنو اسکول کے ادیبوں کی تقلید نہیں کی بلکہ آپنے اپنی راہ خود نکالی اس لئے وہ اپنے ہم عصر نثر نگاروں میں منفرد و ممتاز نظر آتے ہیں۔مولانا نقی علی خاں کی نثر و اسلوب تحریر اپنی الگ پہچان رکھتی ہے۔آپ نے اپنے مطالب و مفاہم کو واضح کرنے کے لئے ہمہ اقسام نثر کا استعمال کیا۔اس لئے آپ کی تصانیف میں ہمہ اقسام نثری شاہکار موجود ہیں۔یہی خوبی مولانا نقی علی خاں کو اپنے ہم عصر نثر نگاروں سے ممتاز بناتی ہے۔اسکی وضاحت ان کے ہم عصروں کے تقابلی مطالعہ سے واضح ہوتی ہے۔
ان کے زمانے میں رجب علی بیگ سرورؔ، اسداللہ خاں غالبؔ، مولوی نذیر احمد، الطاف حسین حالیؔ، محمد حسین آزادؔ وغیرہ صاحب طرز ادیب ہیں ان کی نثر نگاری اور انداز تحریر اپنی اپنی جگہ انفرادی حیثیت کا حامل ہے۔

رجب علی بیگ سرورؔ:

اردو نثر میں سب سے پہلے ایک الگ رنگ کی نثر لکھنے والوں میں رجب علی بیگ سرورؔ نمایاں

ہیں۔نثری روایات کے مطابق سرور نے مقفّٰی مسجع نثر سے اپنی انفرادیت قائم کی لیکن سلیس اردو نثر کے نمونے بھی ان کے یہاں پائے جاتے ہیں۔سرور نے جب نثر نگاری کے میدان میں قدم رکھا اس وقت ملک میں فارسی کا بڑا چرچا تھا۔اپنی بات کو زیادہ سے زیادہ دلنشیں اور تحریر کو رنگین بنانے اور نثر نگاری کے کمالات دکھانے کے لئے عربی وفارسی کے الفاظ وتراکیب کثرت سے استعمال کیے جاتے تھے۔اسی لیے ''**فسانہ عجائب**'' کا اسلوب دقیق،رنگین اور عبارت پر تکلف اور مرصع ہے لیکن سرور کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے رسمی پابندیوں کے باوجود تازگی اور شگفتگی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے۔ان کی عبارت میں بے ساختگی اور شگفتگی ہے۔عبارت میں الجھن نہیں ہوتی۔''**فسانہ عجائب**''میں تصنع اور تکلف ہونے کے باوجود ایک ایسی شیرینی اور دلکشی ہے کہ قاری کو الجھن نہیں ہوتی۔سرور کا کمال یہ ہے کہ وہ ہر واقعہ کے مطابق الفاظ ڈھونڈ نکالتے ہیں اور ضرورت ہو تو ہندی الفاظ کا استعمال بھی فنکارانہ طریقے سے کرتے ہیں۔اس طرح کی زبان اور انداز بیان سے پورے طور پر لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے ''**صحرائے ہمیشہ بہار**''میں جاڑے کی کیفیت ملاحظہ ہو۔

> ''چلے کے جاڑے،کڑاکے سردی تھی ،گویا کہ زمین سے آسمان تک یخ بھر دی تھی ،پرند چرند اپنے اپنے آشیانوں اور کاشانوں میں جمے بیٹھے تھے بھوک اور پیاس کے صدمے اٹھاتے تھے،دھوپ کھانے باہر نہ آتے تھے۔قصد سے تھرتھراتے تھے۔ سردی سے سب کا جی جلتا تھا۔دم تقریر ہر شخص کے منھ سے دھواں دھار دھواں نکلتا تھا۔آواز کسی کی کان تک کسی کے کم جاتی تھی۔منھ سے بات باہر آئی اور جم جاتی تھی۔مار سیاہ اوس چاٹنے

باہر نہ آتا تھا۔سردی کے باعث دم دبا کے مانی میں دبکا جاتا تھا۔"[1]

ڈاکٹر سید سلیمان حسین، سرور کی طرز نگارش پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فسانہ عجائب''میں (چند اقتباسات سے قطع نظر جہاں قافیہ کی پابندی کی وجہ سے جملوں کی ساخت کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا پڑا ہے)عموماً قافیہ کا بڑا فنکارانہ اور چست استعمال ملتا ہے۔بعض فقروں میں تو قافیہ ردیف ایسا چسپاں ہوا ہے کہ نثر میں نظم کا سا لطف آگیا ہے۔''[2]

سرسید احمد خاں:

سرسید احمد خاں جدید اردو نثر کے بانی کہے جاتے ہیں۔آپ نے اردو زبان کو قافیہ اور ردیف کی قید سے نجات دلا کر آزاد فضا میں سانس لینے کے قابل بنایا اور اردو نثر میں توانائی اور ہر رنگ میں ڈھل سکنے کی صلاحیت پیدا کر کے اس کے دائرے کو وسیع کیا اور دوسری ترقی یافتہ زبانوں کے سامنے سر اٹھانے کے لائق بنایا۔سرسید نے مذہبی،سیاسی،تاریخی اور علمی موضوعات سے متعلق بہت سی کتابیں لکھیں ان میں ''**خطبات احمدیه**"،"**آثار الصنادید**"،"**تاریخ سیرکشی بجنور**" اور "**اسباب بغاوت هند**" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔یہ تمام کتابیں اپنی علمی اور تحقیقی مواد کی بنا پر کافی اہم سمجھی جاتی ہیں۔

دسمبر 1870ء میں سرسید نے''**تهذیب الاخلاق**''جاری کیا جس نے قدیم اسلوب تحریر اور طرز نگارش میں اصلاح و تبدیلی میں اہم کردار ادا کیا۔اس نے فارسی نما اردو کی بجائے سیدھی سادی زبان کی بنیاد ڈالی اور اردو طرز نگارش کے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔اس طرح سرسید نے اردو کو ایک

---

[1] فسانہ، عجائب از: رجب علی بیگ سرور ناشر: یوپی اردو اکیڈمی لکھنو ص 346,347

[2] مقدمہ فسانہ، عجائب از: سید سلیمان حسین ص 29

دلنشیں، سادہ شگفتہ اسلوب اور لب ولہجہ دیا۔ سر سید سیدھے سادے الفاظ میں پیچیدہ خیالات کو بڑی خوبی سے ادا کرنے کے ماہر ہیں۔ اس کے علاوہ سر سید کی تحریر میں زور بیان بھی ہے جس سے ان کی تصانیف کا وزن اور وقار زیادہ ہو جاتا ہے۔ سر سید نے عام طور سے صنائع وبدائع کے استعمال سے پرہیز کیا ہے۔ تاہم عبارت کو پُر اثر اور بلیغ بنانے کے لیے کہیں کہیں ان کا سہارا بھی لیا ہے وہ اکثر اپنی تحریروں میں افسانوی رنگ اور درد کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں اور قاری کی نگاہوں کے سامنے ایسی تصویر کھینچ دیتے ہیں کہ وہ محو ہو جاتا ہے۔ ایک مضمون میں لکھتے ہیں:۔

''دیکھ وہ بے گناہ قیدی اندھیرے کنوئیں میں سات تہہ خانوں میں بند ہے۔ اسکا سورج سا چمکنے والا چہرہ زرد ہے۔ بے یارو مددگار، غیر مقام غیر مذہب کے لوگوں میں قید ہے۔ بڈھے باپ کا غم اس کی روح کو صدمہ پہنچاتا ہے۔ عزیز بھائی کی جدائی اس کے دل کو غمگین رکھتی ہے۔ قید خانے کی مصیبت، اسکی تنہائی، اس گھر کا اندھیرا اور اس پر اپنی بے گناہی کا خیال اس کو نہایت ہی رنجیدہ رکھتا ہے۔ اس وقت کوئی اُس کا ساتھی نہیں مگر اسے ہمیشہ زندہ رہنے والی امید تجھی میں اسکی خوشی ہے۔''[1]

سر سید کا طرز بہت پر اثر ہے۔ سادگی خلوص اور عدم تصنع اسکی خصوصیات ہیں۔ مولانا شبلی نے ان کے متعلق لکھا ہے:۔

''اردو زبان چونکہ کبھی علمی زبان کی حیثیت سے کام میں

[1] منتخبات جامعہ اردو ناشر: سر سید بکڈپو، علیگڑھ ص 28

نہیں لائی گئی اس میں علمی اصطلاحات، علمی الفاظ اور علمی
تلمیحات بہت کم ہیں اس لیے اگر کسی علمی مسئلہ کو اردو
میں لکھنا چاہے تو الفاظ مساعدت نہیں کرتے لیکن سرسید
نے مشکل سے مشکل مسائل کو اس فصاحت اور دل
آیزی سے ادا کیا ہے کہ پڑھنے والا جانتا ہے کہ کوئی
دلچسپ قصہ پڑھ رہا ہے۔'' [1]

سرسید بلاشبہ نہ صرف گلستان ادب اردو میں سرسبز وشاداب درخت تھے بلکہ گلشن ادب اردو میں ان سے طویل اور شاندار درخت کوئی نہ تھا۔

ڈپٹی نذیر احمد:

عام طور پر ڈپٹی نذیر احمد کو اردو کا پہلا ناول نگار مانا جاتا ہے۔نذیر احمد نے مراۃ العروس، بنات النعش، توبتہ النصوح، فسانہء مبتلا، ابن الوقت، ایامی اور رویائے صادقہ سات ناولیں لکھیں۔نذیر احمد کی یہ سب ناولیں اخلاقی وسبق آموز اور نصیحت خیز ہیں اس کے علاوہ نذیر احمد نے اور بھی علمی وادبی خدمات انجام دیں مثلاً ''انڈین پینل کوڈ'' کا اردو ترجمہ ''تعزیرات ہند'' کے نام سے کیا۔ پھر قرآن مجید کا سلیس اور بامحاورہ اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ایک عیسائی مبلغ نے اپنی کتاب ''امہات المومنین'' میں ازواج مطہرات کی شان میں نازیبا کلمات لکھے تھے۔نذیر احمد نے اس کے جواب میں ''امہات الامۃ'' لکھی۔اسی طرح اخلاقیات میں ''منتخب الحکایات''، ''چند پند'' اور ''مواعظ حسنہ'' لکھے۔مذہب میں ''الحقوق والفرائض'' اور ایک کتاب ''ادعیۃ القرآن'' لکھیں۔منطق میں 'مبادی الحکمۃ'' ہیئت میں ''سموات'' اور قواعد میں ''صرف صغیر'' لکھی۔اس کے علاوہ ان کی کتاب ''کتاب الاجتہاد'' ہے جو 1908ء میں شائع ہوئی۔

غرض اسطرح نذیر احمد نے اردو میں اہم ادبی خدمات انجام دیں۔وہ ایک طرز خاص کے

مالک ہیں۔ان کا اپنا ایک خاص اسلوب ہے۔ان کا اسلوب صاف ،واضح اور زوردار ہے۔اس میں روانی اور بے ساختگی ہے۔نذیر احمد کو زبان پر زبردست قدرت حاصل تھی اسی لیے وہ تشبیہات اور استعارات سے کام لینے کے بجائے سیدھی سادی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔اور محاوروں کا برمحل استعمال کرتے ہیں۔اس طرح نذیر احمد ایک ناول نگار کے علاوہ ایک صاحب اسلوب کی حیثیت سے بھی اپنا منفرد مقام رکھتے ہیں۔نذیر احمد خود اپنی زبان کے متعلق ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

> ''جو کچھ وقت اس کتاب (مراۃ العروس) کی تصنیف میں صرف ہوا اس کے علاوہ مدتوں یہ کتاب اس غرض سے پیش نظر رہی کہ بولی بامحاورہ ہو اور خیالات پاکیزہ اور کسی بات میں آورد اور بناوٹ کا دخل نہ ہو۔''[1]

نذیر احمد کے مذکورہ بالا بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے بامحاورہ بولی میں تصنیف کا کام انتہائی احتیاط اور محنت سے کیا۔نذیر احمد ایک بلند پایہ خطیب تھے اور یہ خطیبانہ انداز اکثر جگہ ان کے ناولوں میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ایسے موقعوں پر وہ ایک کامیاب خطیب کی طرح زبان وبیان پر قدرت کاملہ کے اظہار کے ساتھ اپنی شخصیت کا بھی اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔

نذیر احمد نے اپنے ناولوں میں کرداروں کے مزاج، ماحول اور ذہنی ونفسیاتی سطح کے مطابق ہی اظہار بیان کے پیرائے اختیار کئے ہیں۔ چنانچہ مذہبی معاشرہ کے پس منظر میں علما،فقہا اور واعظین کی زبان پر آیات واحادیث کے حوالے اور علمی اصطلاحات وغیرہ حسب حال معلوم ہوتے ہیں۔اسی طرح خالص عوامی زبان کا استعمال بھی موقع اور مناسبت سے کرتے ہیں۔یعنی نذیر احمد نے نہایت بے باکی اور بے تکلفی سے اپنی معاشرتی زبان کا استعمال کیا ہے۔وہ زبان کے معاملہ میں بڑے فیاض اور فراخدل ثابت ہوئے ہیں۔نذیر احمد کہیں کہیں اختصار کے بجائے تفصیل سے کام لیتے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے تجربات اور مشاہدات قاری کے سامنے پیش کردینا چاہتے ہیں لیکن اظہار بیان کی سب سے بڑی

---

[1] دیباچہ مراۃ العروس ڈپٹی نذیر احمد مطبع:نولکشور لکھنو ص3

خوبی یہ ہے کہ خیالات کے اظہار میں الفاظ کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیتے۔

نذیر احمد کا اسلوب ،قوت، سلامت، صلابت، روانی اور شگفتگی سے عبارت ہے۔ وہ ایک مخصوص ومنفرد اسلوب کے مالک ہیں۔ ایسا اسلوب جو اپنی ایک الگ پہچان رکھتا ہے۔

مرزا اسد اللہ خاں غالب:۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ غالب جتنے بڑے شاعر ہیں اتنے ہی بڑے نثر نگار بھی ہیں۔ اردو نثر کی بنیادوں کو استوار کرنے میں خطوط غالب کا رول بہت نمایاں ہیں۔ غالب کے خطوط کی دلکشی کا راز یہ ہے کہ اس زمانے میں خط لکھنے کا جو انداز تھا غالب نے اسے خیر باد کہہ دیا اور عام روش سے الگ ہٹ کر یہ خطوط لکھے۔ غالب نے اپنا راستہ آپ نکالا اور اپنے مزاج کے مطابق مکتوب نگاری میں بھی کسی کی تقلید کرنا اپنی کسر شان سمجھا۔ غالب نے مکتوب نگاری میں جدت پیدا کی مروجہ طریقہ کو یکسر رد کر دیا۔ مدتوں سے یہ رواج چلا آرہا تھا کہ مکتوب الیہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے لمبے لمبے القاب لکھے جاتے تھے۔ غالب نے یہ القاب وآداب موقوف کر دیئے اور ان کی جگہ مختصر القاب لکھے۔ غالب کے زمانے تک خطوط ٹیں عبارت آرائی، بے جا لفاظی، بہت زیادہ تصنع اور بناوٹ کا رواج تھا۔ غالب نے ان عیوب کا خاتمہ کیا اور بول چال کی عام زبان سے کام لیا۔ اس وقت مکتوب نویسی کی اصل زبان فارسی تھی مگر اردو میں بھی خط لکھے جانے لگے مگر ان کا انداز بالکل فارسی جیسا تھا یعنی تصنع اور مبالغہ آرائی سے بھرپور۔ غالب نے اس کے برخلاف بات چیت کا انداز اختیار کیا۔ بہت سے خطوط کی شروعات ہی اس طرح ہوتی ہے جیسے بے تکلف بات چیت کی جارہی ہو۔ مثال ملاحظہ ہو:۔

”ارے کوئی ہے، ذرا یوسف مرزا کو بلائیو، صاحب
وہ آئے۔ میاں لڑکے کہاں پھر رہے ہو؟ ادھر آؤ
خبریں سنو۔“

زیادہ تر خطوں میں یہی انداز ملتا ہے جیسے خط نہ لکھ رہے ہوں باتیں کر رہے ہوں۔ غالب

کے مزاج میں ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور یہ ظرافت ان کے خطوط میں بھی جابجا نظر آتی ہے۔وہ ہر خط میں کوئی ایسی بات لکھنے کی کوشش کرتے ہیں جس کو پڑھ کر مکتوب الیہ خوش ہو۔کسی نے غالب سے روزہ نہ رکھنے کی شکایت کی اسے جواب میں لکھتے ہیں:۔

دھوپ بہت تیز ہے،روزہ رکھتا ہوں،مگر روزہ کو بہلاتا رہتا ہوں۔کبھی ایک کٹورہ پانی پی لیا کبھی حقہ کا کش لگا لیا،کبھی روٹی کا ٹکڑا کھالیا۔''

غالبؔ کے خطوط نے نہ صرف اردو مکتوب نگاری بلکہ اردو نثر کی تاریخ کو بھی زبردست اثر انداز کیا۔ان کی نثر میں ایسی بے تکلفی اور سادگی ہے جو ستے پن سے کافی دور ہے۔اس کے لب ولہجہ میں ایک نئی کیفیت اور نیا ادبی مزاج ملتا ہے جس کے ذریعہ نئے اسلوب اور ادب کا خاص شعور وجود میں آیا۔غالب نے اردو خطوط نگاری کو ایک نیا اسلوب اور لب ولہجہ دیا مراسلہ کو مکالمہ بنایا اور تحریر کو تقریر کا پیرایہ دیا۔

غالبؔ نے اپنے خطوط میں بہت سے علمی مسائل پر نہایت کامیابی کے ساتھ بحث کی ہے۔ ان خطوط میں انھوں نے اپنے کئی شعروں کی تشریح خالص علمی انداز میں کی ہے۔علمی نثر کے ساتھ ساتھ غالبؔ میں تخلیقی نثر کے دلکش نمونے بھی موجود ہیں جو قاری کے ذہن پر اثر کرتی ہے۔اویس احمد غالبؔ کی خطوط نگاری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''غالب کا بنیادی وصف جدت طرازی ہے ان کے خطوط ان کی جدت پسندی،شخصیت کا بہترین نمونہ ہیں انھوں نے اپنے خطوط میں بول چال کی زبان استعمال کی ہے۔ان خطوط میں موضوع کے لحاظ سے تنوع پایا جاتا ہے مگر وہ بڑی سادگی اور صفائی

سے ہر موضوع پر لکھتے چلے گئے ہیں۔ان کے خطوط
میں سادگی،سلاست،رنگینی،رعنائی اور لطف انگیزی
کا بڑا خوبصورت امتزاج ملتا ہے"۔[1]

بحیثیت مجموعی غالب کی نثر میں ایسی بے تکلفی اور مستی وسادگی ہے جو بتنے پن سے کوسوں دور ہے۔اس میں ادب اور زندگی کا نیا شعور،لب ولہجہ میں ایک نئی کیفیت اور نیا ادبی مزاج ملتا ہے جو ایک خاص انداز نظر کا عطیہ ہے۔جس کے ذریعہ ایک کار آزمودہ اسلوب اور ادب کا خاص شعور وجود میں آیا۔

الطاف حسین حالی:

خواجہ الطاف حسین حالی کا شمار جدید اردو نثر کے معماروں میں کیا جاتا ہے اور آپ اردو کے پہلے باقاعدہ نقاد مانے جاتے ہیں۔مہدی افادی نے حالی کو اردو کے عناصر خمسہ میں شامل کیا ہے۔آپکی تصانیف "مقدمہ شعر وشاعری"،"یادگار غالب"، "حیات جاوید"اور "حیات سعدی" اردو کی شاہکار تصانیف میں شمار کی جاتی ہیں۔

مولانا حالی کی نثر سرسید کی طرز نگارش پر ڈھلی ہوئی ہے اس میں سادگی اور صفائی ہے۔سادگی بیان کے ساتھ ساتھ انکی تحریروں میں ایک تبلیغی جوش پایا جاتا ہے جو ان کی اسلوب نگارش میں زور اور روانی پیدا کرتا ہے

حالی کے اسلوب میں دھیماپن اور سادگی پائی جاتی ہے ان کی سادگی کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں بے رنگی نہیں۔ان کی سادہ نگاری یوں تو عام فہم اور بول چال کے الفاظ سے عبارت ہے لیکن الفاظ کی خوبصورتی بھی مدنظر رہتی ہے۔وہ الفاظ کی شیرینی اور نرمی پر بھی توجہ دیتے ہیں لیکن حالی کے اسلوب میں نفاست کی کمی ہے وہ اپنی سادگی پر اس درجہ قانع تھے کہ طرز تحریر میں تراش خراش کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔اسلوب کو آسان بنانے کے لیے بھاشا کے ٹھیٹ اور سیدھے سادے الفاظ وتراکیب

---

[1] سہ ماہی ادیب،علیگڑھ،شمارہ جنوری تا جون 1995ء، جامعہ اردو،علیگڑھ

کثرت سے استعمال کیئے ہیں۔مثال کے طور پر ''یادگار غالب'' کا مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:۔

''مرزا کے ابتدائی کلام کو مہمل و بے معنی کہو یا اس کو اردو زبان کے دائرے سے خارج سمجھو مگر اس میں شک نہیں اس سے انکی ارجنیلٹی اور غیر معمولی اپج کا خاطر خواہ سراغ ملتا ہے اور یہی ان کی ٹیڑھی ترچھی چالیں انکی بلند فطرتی اور غیر معمولی قابلیت و استعداد پر شہادت دیتی ہیں۔معمولی قابلیت و استعداد کے لوگوں کی معراج یہ ہے کہ جس پگڈنڈی پر اگلی بھیڑوں کا گلہ چلا جاتا ہے اس پر آنکھیں بند کر کے گلہ کے پیچھے ہولیں اور لپک کر ادھر اُدھر آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں۔جو ہنر یا پیشہ اختیار کریں اس میں اگلوں کی چال ڈھال سے سر مو تجاور نہ کریں اور ان کے نقش قدم پر قدم رکھتے چلے جائیں''۔ [1]

مندرجہ بالا عبارت میں صفائی،روانی اور سلاست ہے۔طرز بیان میں مترادفات کا بار بار استعمال ہے جس سے خیال کی وضاحت اور بیان کی روانی میں اضافہ ہو گیا ہے مثلاً ''قابلیت و استعداد'' کی تکرار ''ہنر یا پیشہ''،''مہمل و بے معنی'' مقصد کو پوری طرح واضح کر رہے ہیں۔ٹیڑھی،ترچھی،پگڈنڈی اور چال ڈھال جیسے بھاشا کے ٹھیٹ الفاظ کا استعمال ایک تناسب اور توازن کے ساتھ کیا گیا ہے لیکن اس قسم کی عبارت میں سادگی کے باوجود شستگی کی کمی ہے اور نفاست کا فقدان ہے تاہم اظہار مقصد کے لئے ایک مؤثر اور کار آمد نثر ہے۔

حالی ادیب یا شاعر ہی نہیں بلکہ عالم و معلم بھی ہیں اس لیے ان کی نثر کا سارا زور بیان اپنے

[1] یادگار غالب مصنف:مولانا الطاف حسین حالی مطبع:مسلم یونیورسٹی،علیگڑھ ص 114

افکار و خیالات کی تبلیغ کے لئے ہے انشاپردازی یا افسانہ طرازی کے لیے نہیں اسی لئے ان کی تحریروں میں تبلیغی جوش پایا جاتا ہے اور اسی جوش نے حالؔی کی تحریروں میں متانت و سنجیدگی پیدا کردی ہے۔

مجموعی طور سے اردو کے عناصر خمسہ میں الطاف حسین حالؔی زبردست اہمیت کے حامل ہیں اور اردو نثر کے لیے انکی اپنی الگ افادیت ہے۔

مولانا محمد حسین آزاد:

مولانا محمد حسین آزؔاد کا شمار بھی اردو کے عناصر خمسہ میں ہوتا ہے۔آب حیات، نگارستان فارس، سخندان فارس، مقدمہ دیوان ذوق و دربار اکبری آزؔاد کی مشہور تصانیف ہیں۔مولانا آزاد کی طرز نگارش پر تبصرہ سے قبل ہم ان کی اسلوب نگارش کا ایک نمونہ پیش کرتے ہیں:۔

”جب وہ صاحب کمال ارواح سے کشور اجسام کی طرف چلا تو فصاحت کے فرشتوں نے باغ قدس کے پھولوں کا باغ سجایا جنکی خوشبو شہرت عام بن کر جہاں میں پھیلی اور رنگ نے بقائے دوام سے آنکھوں کو تراوٹ بخشی۔وہ تاج سر پر رکھا گیا تو آب حیات اس پر شبنم ہو کر برسا کہ شادابی کو کملاہٹ کا اثر نہ پہنچے، ملک الشعرائی کا سکہ اس کے نام سے موزوں ہوا اور اس کو طغرائے شاہی میں یہ نقش ہوا کہ اس پر نظم اردو کا خاتمہ کیا گیا چنانچہ اب امید نہیں کہ ایسا قادرالکلام پھر ہندوستان میں پیدا ہو۔“ [1]

مولانا آزؔاد کی مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہے کہ آزاد کا بیان شاعرانہ استعارات سے ۔

---

[1] آب حیات مولانا محمد حسین آزاد ص 542,541

بھرا ہوا ہے اس میں رنگ آمیزی بھی ہے اور مبالغہ آرائی بھی۔

آزاد زبان کو آرائش کے زیوروں سے بوجھل کردیتے ہیں۔مگر یہ چیزیں آزاد کی سلاست بیان میں روڑے نہیں اٹکاتی اس لیے آزاد کے اسلوب کی روانی اور صفائی عام طور پر برقرار رہتی ہے۔ آزاد اپنے الفاظ اور جملوں کی تنظیم کرتے ہیں لیکن یہ تنظیم فکر شعری کی سی ہے۔ان کی عبارت میں شستگی اور نفاست پائی جاتی ہے۔آزاد کی نثر اپنے مقاصد کے لیے ایک کارآمد اور موثر نثر ہے۔آزاد کو زبان پر پوری قدرت حاصل تھی۔استعارات اور رنگ آمیزی کے باوجود زبان و بیان کی دلکشی میں کوئی کمی نہیں آتی۔آزاد کے یہاں تشبیہ واستعارات کے علاوہ روزمرہ کے محاورات کا استعمال بھی بڑی خوبصورتی کے ساتھ کیا گیا ہے جس کو پڑھ کر قاری لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔آزاد نے صنائع، مترادفات اور صفات کا استعمال قدما کی پیروی میں کیا ہے۔آزاد جب اپنی بات شروع کرتے ہیں تو ان کا اسلوب فارسی آمیز اور پر تکلف ہوتا ہے لیکن آہستہ آہستہ سادگی اور بے تکلفی کی جانب مائل ہوتا ہے اور فارسی انداز نگارش کا بوجھل پن موسیقیت کی خوش گواری میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

بحیثیت مجموعی آزاد کا طرز نگارش اتنا دل پذیر اور دلکش ہے کہ ان کی فنی خامیوں کی طرف دھیان نہیں جاتا ان کے جملے اور فقرے عام طور پر ترشے ہوئے اور رواں دواں ہوتے ہیں۔

مولانا نقی علی خاں:

مولانا نقی علی خاں کی نثری تصانیف کا جائزہ لینے کے بعد یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ مولانا نقی علی خاں صاحب طرز و اسلوب نثر نگار ہیں۔آپ نے اپنی نثر میں عربی و فارسی کے الفاظ، اشعار اور جابجا قرآن پاک کی آیات واحادیث اس خوبی سے استعمال کیے ہیں کہ ان کی نثر بوجھل یا ثقیل نہیں بنی بلکہ اس میں زور و تاثیر پیدا ہو گئے ہیں۔ان کا ہر لفظ اور ایک ایک فقرہ نپا تلا ہوتا ہے۔وہ الفاظ کا ٹھیک طور پر عمدگی سے استعمال کر کے اس طرح جذبات کا اظہار کرتے ہیں کہ سماں بندھ جاتا ہے۔انکی عبارت انتہائی فکر انگیز، جاندار، بصیرت افروز اور پر اثر ہوتی ہے۔ان کے یہاں سادگی اور سلاست ہے۔تصنع

اور تکلف سے انکی نثر کا دامن پاک ہے۔

مولانا نقی علی خاں خود اپنی زبان اور صنعت سے متعلق لکھتے ہیں۔

''اس تالیف (تفسیر سورہ الم نشرح) سے افہام عوام مقصود ہے نہ اظہار فضل و کمال۔ اس لیے اکثر مقام پر نقل عبارت عربی اور ترجمہ لفظی اور اسناد روایات اور رنگینی عبارات اور تقریرات مشکلہ اور مضامین مغلقہ اور سجع اور ترصیع ترک کر کے سہل سہل باتیں جن کو ہر شخص بے تکلف سمجھ لے زبان اردو میں لکھی جاتی ہیں۔''[1]

مولانا نقی علی خاں کے اس بیان سے تصدیق ہوتی ہے کہ انھوں نے تصنیف کا کام بڑی احتیاط و محنت سے کیا ہے۔ چونکہ اپنی عبارت آرائی کے لیے قلم فرسائی نہیں کی بلکہ ان کا اولین کا مقصد قارئین کے مزاج اور لیاقت کے مطابق ان تک اپنی بات پہنچانا تھا اس لئے آپ نے روزمرہ کی بول چال اور محاورات کے علاوہ تشبیہات، استعارات، قافیہ بندی، نثر رنگین، نثر سادہ وسلیس کا استعمال موقع ومحل کے لحاظ سے کیا ہے۔

نثر مقفیٰ:

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہم عصر ادیبوں سے بالکل مختلف انداز میں نثر مقفیٰ پیش کی اس لئے ان کی نثر کے مفاہم مجروح نہیں ہوئے۔ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ مولانا نقی علی خاں نے نثر مقفیٰ کی آبرو رکھ لی اور اس نظریہ کو غلط ثابت کر دیا کہ نثر مقفیٰ اظہار مقصد کے لیے نا کافی ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم نرگسیں کی تعریف مقفیٰ نثر میں ملاحظہ ہو:۔

روشنی چشم ابوالبشر۔ چشم بد دور عجب آنکھ ہے ماشاءاللہ کہ چشم فلک کو بایں گردش لیل ونہار نظیر اس کا نظر نہ آیا اور

---

[1] الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح ص 13,12

آہوئے حرم نے چین وختن تک ڈھونڈا کہیں اس کا ہمسر
نہ پایا۔غزالان چیں اگر اس چشم سرگیں کو دیکھ پائیں عمر
بھر اشک حسرت آنکھوں سے بہائیں اور آہوان ختن اگر
اس دیدہ نرگسیں کے سامنے آئیں چوکڑی بھول جائیں [1]

مندرجہ بالا اقتباس نثر مقفیٰ کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

نثر رنگین:

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف میں نثر سلیس رنگین کا بھی بہت سلیقہ سے استعمال کیا ہے۔مولانا بریلوی جو تاثر دینا چاہتے ہیں وہ انکی رنگین عبارت سے بھی بخوبی سمجھ میں آجاتا ہے۔

علمائے عظام کے مطابق اللہ تعالیٰ جس کو اپنا محبوب بناتا ہے اس کو درد وغم عطا فرمادیتا ہے اس کے برعکس جو بارگاہ خداوندی میں مردود ہوتے ہیں انہیں عیش وعشرت دیا جاتا ہے۔شداد و نمرود اسکی مثال ہیں۔علما کے اس کلیہ کو مولانا بریلوی کس سلاست کے ساتھ بیان کرتے ہیں ملاحظہ ہو:۔

''آگ محبت کی ہر وقت ان کے سینہ میں بھڑکتی رہتی ہے
اور آرام سے اصلاً ان کو کام نہیں۔دل ان کا تیغ عشق
سے پارہ پارہ اور سینہ ان کا تیر محبت سے فگار۔کوئی
مرہم ان کے زخم دل کو نہیں بھر سکتا اور کوئی جراح ان کے
چاک جگر کا علاج نہیں کرسکتا۔'' [2]

''تیغ عشق'' کی مناسبت سے ''پارہ پارہ'' ''فگار'' کی مناسبت سے ''تیر'' اور جراح کی رعایت سے ''چاک جگر'' کا استعمال جہاں نثر کو رنگین بنارہے ہیں وہیں عبارت میں زور و تاثیر بھی پیدا کررہے ہیں اور فنی اعتبار سے بھی عبارت انتہائی دلکش ہے۔انھوں نے نثر رنگین میں جاندار زبان اور پرمعنی الفاظ استعمال کیے ہیں اس لیے بجا طور پر ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ جدید اردو نثر کو رواج عام دینے

---

[1]،[2] الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح ص302,118

میں مولانا نقی علی خاں کا اہم رول ہے۔

نثر سلیس سادہ:

مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کو اردو انشاپردازی پر مکمل طور پر عبور حاصل تھا۔نثر سلیس سادہ میں مولانا کی طرز نگارش کی لطافت اور انداز بیان کی فصاحت کو واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ان کی عبارت میں نہ کہیں جھول ہے نہ سقم وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں انتہائی سادگی اور سلاست سے کہہ دیتے ہیں۔سادہ سلیس نثر کا نمونہ پیش ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے بارے میں حضرت حلیمہ کے تاثرات بیان کرتے ہوئے مولانا کہتے ہیں۔

> ''ایک روز غیب سے آواز آئی اے حلیمہ تجھے اس فرزند کا ساتھ مبارک ہو جو تمام عرب کا سردار ہے۔حلیمہ کہتی ہیں جو دعائیں میں نے حضرت کے وسیلہ سے مانگیں فوراً قبول ہوئیں اور کبھی بول و براز حضرت کا نہ دھویا کہ آپ بستر پر پیشاب نہ کرتے۔''[1]

مولانا نقی علی خاں نے اپنے مقاصد و مطالب کو سلیس سادہ نثر میں انتہائی لطافت و نفاست کے ساتھ بیان کیا ہے۔سادہ و سلیس نثر کا ایک اور ادبی شہ پارہ ملاحظہ ہو:۔

> ''ایک حکیم کسی مغرور کے گھر گیا تھوک کی حاجت ہوئی اس کے منھ پر تھوک دیا۔وہ بہت خفا ہوا، کہا اس وقت مجھے تھوکنے کی ضرورت تھی بہت خیال کیا۔متکبر کے منھ سے کوئی جگہ بدتر نہ پائی۔''[2]

[1،2] سرور القلوب فی ذکر المحبوب ص 16، 189۔

استعارے:

مولانا نقی علی خاں ﷫ نے اپنی نثر میں استعاروں کا استعمال کر کے اپنی بات میں زور و تاثیر پیدا کی ہے۔ نمونہ پیش خدمت ہے:۔

(1)

"جب حرم مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفاً و طیبہ کے قریب پہنچے اور آنکھ وہاں کے درختوں اور پہاڑوں اور آثار و معالم پر پڑے دامن جلال و ادب کمر ایمان پر چست باندھے اور ہمہ تن دریائے شوق و ذوق میں ڈوب جائے۔ دل غفلت پسند اگر ایسے وقت بھی خواب بے خبری میں ہو اس نادان کا شانہ ہلائے اور کہے او بے وقت سونے والے! جاگ اور ہوشیار ہو کہ یہ وقت خواب کا نہیں۔"[1]

(2)

"عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں تم چھلنی ہو جاؤ کہ آٹا چھن جاتا ہے اور بھوسی اسی میں رہ جاتی ہے"۔[2]

خطیبانہ انداز:

مولانا نقی علی خاں ﷫ ممتاز عالم دین، فقیہ عصر، مفتی زماں اور بے مثال خطیب تھے اس لئے ان کی تصانیف میں کہیں کہیں خطیبانہ انداز بھی جلوہ گر ہے۔ نمونہ پیش خدمت ہے۔

"تمام جہان کا مالک تم پر طرح طرح کے احسان کرتا ہے

---

[1] جواھر البیان ص 163

[2] الکلام الاوضح ص 35

کہ سلطنت ہفت کشور ان کے مقابل اصلاً قدر و قیمت
نہیں رکھتی مگر تم اسکی فرمانبرداری نہیں کرتے۔ وہ فرماتا ہے
نماز پڑھو تم نہیں پڑھتے۔ وہ کہتا ہے روزہ رکھو تم نہیں رکھتے
وہ ارشاد کرتا ہے زکوۃ دو تم نہیں دیتے، وہ فرماتا ہے حج
کرو تم نہیں کرتے۔ وہ گناہوں سے منع کرتا ہے تم باز نہیں
آتے۔ اس سے زیادہ آفت اور سخت شرارت یہ ہے کہ
اپنے قصور پر شرمندہ بھی نہیں ہوتے اور اپنے گریبان میں
منہ نہیں ڈالتے۔" [1]

مولانا نقی علی خاں ؒ کے یہاں زبان کی روانی اور سلاست بے مثال ہے اور بازاری بولی سے یکسر پاک ہے۔ ان کے اسلوب میں شگفتگی اور لطافت ہے۔ آپ نے یہ شگفتگی اور لطافت الفاظ سے نہیں معنی اور مراد سے پیدا کئے ہیں۔ مولانا کی نثر کا ایک ایک لفظ اور ہر ایک فقرہ نپا تلا ہے۔ مولانا جذبات کا اظہار اسطرح کرتے ہیں کہ سماں بندھ جاتا ہے۔ مولانا کو اظہار بیان پر قدرت حاصل ہے اور تاثرات کے اظہار میں شگفتگی اور وارفتگی ہے۔ تاثرات کے اعتبار سے بھی اور زبان و بیان و طرز و اسلوب کے اعتبار سے بھی مولانا نقی علی خاں کے نثری شاہکار اردو کے ادب عالیہ کی جان ہیں۔

مولانا نقی علی خاں ؒ کے یہاں نفاست اور فصاحت کے ساتھ بلاغت بھی ہے۔ آپ نے عام فہم اور سہل الفاظ کا استعمال کیا جس سے بے ساختگی اور پرداختگی پیدا ہو گئی ہے۔ مولانا نقی علی خاں کی نثر شگفتہ ادبی نثر ہے جس میں عالمانہ شان جلوہ گر ہے۔ آپ کی عبارت میں جامعیت اور معنویت ہے۔ بیان میں لطافت و بلاغت کی چاشنی اور اسلوب میں شائستگی ہے۔

مولانا نے ابتدا سے آخر تک اردو نثر کے آغاز کی غرض و غایت کو ملحوظ خاطر رکھا اور اسکا استعمال تبلیغ دین اور اصلاح عقائد و معاشرہ کے لیے کیا۔ آپکا قلم ذہنی عیاشی، افسانوں اور ناولوں کے

---

[1] الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح ص 80

لیے نہیں اٹھا بلکہ اس صراط مستقیم کیلیے چلا جس کے لئے بزرگوں نے اردو نثر کو جنم دیا آپ کی تمام تصنیف میں مخاطب عوام ہیں اس لیے آپ کی نثر سلاست و روانی ،فصاحت و بلاغت اور شیرینی و شگفتگی سے عبارت ہے اسی لئے وہ اپنے ہم عصر اردو ادیبوں میں اپنی مخصوص پہچان رکھتے ہیں۔



6











باب ششم

ماحصل

ماحصل

اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد سیاسی ابتری وقتل و غارت گری کا بازار گرم ہوا۔سات سمندر پار سے آنے والی قوم انگریز اس ملک پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لئے مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپے تھی۔ذہنی اعتبار سے ہندوستانی انگریزوں سے مغلوب ہو چکے تھے اور فکری اعتبار سے انگریزوں کے مقابلے احساس کمتری کا شکار ہو چکے تھے۔اس طرح ہندوستانی عوام نہ صرف سیاسی زوال سے دوچار ہوئے بلکہ ذہنی وفکری ہر اعتبار سے انھوں نے انگریزوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے جسکی وجہ سے ہندوستانی عوام انگریزی تہذیب وتمدن کے مقلد بن گئے۔اس صورت حال کو دیکھ کر باشعور اور دانشور طبقہ مضطرب و بے چین تھا تو دوسری جانب ہندوستانی عوام انگریزوں کی سازشوں سے بے خبر انگریزی طرز معاشرت سے متاثر ہو کر اپنی تہذیب وتمدن کھو بیٹھے تھے۔تعلیم سے بے بہرہ اور جہالت کا شکار ہو گئے تھے یعنی ایک قوم کی تباہی وبربادی کے لیے جن عوامل کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب ہندوستانی عوام میں پرورش پارہے تھے۔ہندوستانی معاشرہ کے لئے یہ دور انتہائی صبر آزما تھا۔

1857ء کی جنگ آزادی کے اسباب میں ایک بڑا سبب ہندوستانیوں کو تبدیلیٔ مذہب پر مجبور کرنا تھا۔انگریزی افسران اور عیسائی مبلغین بازاروں اور فوجوں میں جاکر طرح طرح سے ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کرتے اور ہندو و مسلمانوں کے بزرگوں کے خلاف سخت اور نازیبا الفاظ استعمال کرتے تھے۔انگریزی مظالم کی وجہ سے لوگوں پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا تھا اور وہ لوگ جو کسی زمانے میں صاحب اقتدار تھے اب ایسے محتاج ہو گئے تھے کہ زندگی کے چند دن بھی ان پر گراں گزر رہے تھے۔

مولانا نقی علی خاں ایک جید عالم، ممتاز مفتی، صاحب تقوی، عابد شب بیدار ہمہ گیر شخصیت کے مالک مبلغ اسلام اور صاحب طرز اسلوب نثر نگار تھے۔آپ نے ان تمام باتوں کو محسوس کیا۔

انہوں نے بچشم خود ہندوستانی قوم کی زبوں حالی دیکھی، 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی دیکھی اور انگریزوں کے ظلم وستم دیکھے۔ آپنے وقت کی ضرورت کو محسوس کیا اور اپنی قوم کو بیدار کرنے اور عیسائیت کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے علم وعمل کا سہارا لیا اور آپ نے بریلی میں ''مدرسہ اهل سنت'' قائم کیا جس کا مقصد قوم کو پستی سے نکالنا اور مذہبی تشخص کو برقرار رکھنا تھا تا کہ عوام فکری طور پر انگریزوں سے مقابلہ کیلئے تیار ہوسکیں۔ ساتھ ہی آپ نے عوام میں خود اعتمادی پیدا کرنے اور احساس کمتری کو مزاج وفکر سے نکالنے اور قوم کو گمراہی سے بچانے کے لیے سیف قلم کو استعمال کیا آپ کی تصنیفات اس بات کا ثبوت ہیں کہ آپنے ہندوستانی عوام کو عزم دیا، حوصلہ دیا مغربیت کے سیلاب سے بچانے کے لئے عوام کو ذہنی وفکری اعتبار سے تیار کیا۔ آپ نے مسلمانوں کو نئے نئے عقائد سے گمراہ ہونے سے روکنے کے لیے "اصول الرشاد" "ازالة الاوهام" اور سرور القلوب فی ذکر المحبوب "وغیرہ کتابیں لکھیں اور مسلم معاشرہ میں باطل عقائد کو پھیلنے سے روکا۔ انگریزی تعلیم کے مضر اثرات سے روکنے کے لیے ''فضل العلم و العلما'' تحریر کی۔

عیسائی تحریکوں کی طرف سے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ پر حملے کئے جارہے تھے، عوام کو گمراہ کرنے کے لئے اسلام اور بانیء اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلائی جارہی تھیں آپ نے ''سرور القلوب فی ذکر المحبوب'' لکھ کر اس کا منھ توڑ جواب دیا اور انگریز مبلغین کے ذریعہ پھیلائی جارہی گمراہیت اور بددینی کے اثرات کو زائل کیا۔

مسلمان مغربی آداب وطرز معاشرت کے دیوانے ہورہے تھے وہ اپنی تہذیب وتمدن بھول چکے تھے۔ مغربی طرز معاشرت اختیار کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے، غلط رسم ورواج زور پکڑ رہے تھے مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کی اس بے راہ روی کو شدت سے محسوس کیا۔ آپ ان تمام رسم ورواج کو مسلمانوں کی اقتصادی، معاشی اور اخلاقی زوال کا سبب مانتے تھے اس لئے آپ نے مسلم معاشرہ کو غیر اسلامی فضولیات سے پاک کرنے کے لیے ''هدایت البریه الیٰ شریعت الاحمدیه

،،لکھی اردو نثر میں اسلامی معاشرے پر لکھی جانے والی یہ پہلی کتاب ہے۔اس طرح مولانا نقی علی خاں کا مقدس مشن اپنی تصنیفات کے ذریعہ اصلاح کرنا،اسلامی معاشرہ کو مغربیت کے سیلاب میں غرق ہونے سے بچانا تھا۔آپ نے مذہبی کتب تصنیف کر کے اہل ہند کو نعمتِ ایمان اور دولت اسلام عطا کی۔جہاں آپ نے عقائد اسلامی کی حفاظت کی وہیں اردو نثر کی عزت وآبرو بچائی۔انگریزوں نے اردو نثر کو اپنی راہ سے ہٹانے کی کوشش کی مولانا نقی علی خاں ﷫ نے اس کی صحیح سمت کی جانب رہنمائی کی اور اردو نثر جس غرض وغایت کے لیے عالم وجود میں آئی تھی اس کو پورا کیا۔

مولانا نقی علی خاں ﷫ دینیات کے عالم تھے۔آپ عربی،فارسی کے ماہر تھے آپکے گھر کا ماحول ایسا تھا جہاں عربی،فارسی مادری زبان کی طرح تھی جن میں صنائع بدائع کا استعمال بھی عام تھا،انداز پر تکلف تھا گردوپیش کی فضا علمی ودینی سرگرمیوں سے معمور تھی ان حالات میں مروجہ طرز تحریر سے الگ جدید طرز اختیار کرنا ناگزیر تھا لیکن آپ نے اپنی تصنیفات میں عربی،فارسی کے الفاظ اس خوبی سے استعمال کئے کہ آپ کی نثر ادق ہونے کی بجائے پرزور اور پر تاثیر ہوگئی ہے۔اس سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ آپ ایک باکمال ادیب،صاحب طرز مصنف،ایک ممتاز عالم تھے۔

مولانا نقی علی خاں ﷫ نے عصری تقاضوں کے تحت مقفّیٰ و مسجّع نثر کا بھی استعمال کیا لیکن اپنے ہم عصر ادیبوں سے بالکل مختلف انداز اختیار کیا جس سے نثر کا مفہوم بخوبی واضح ہوگیا۔چھوٹے چھوٹے جملوں کے ذریعہ بڑی اور پر معنیٰ بات کہنے کے فن میں مولانا ماہر ہیں آپ کو نثر سادہ سلیس پر بھی پورا عبور حاصل تھا نثر سادہ سلیس میں بھی آپ نے اپنی بات کو انتہائی لطافت اور موثر ڈھنگ سے بیان کیا ہے۔آپ کی تصانیف میں سادگی اور متانت بلا کی پائی جاتی ہے اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے جوابات بھی دلائل وبراہین کے ساتھ قرآن وحدیث کی روشنی میں کہی۔

اردو کا کوئی بھی بڑا ادیب یا انشاپرداز ہو مولانا نقی علی خاں ﷫ نہ تو کسی سے مرعوب نظر آتے ہیں اور نہ ہی کسی ادیب کے سامنے ان کا ادبی وقار ہلکا دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی آپ میں کسی

طرح کا تکبر علمی تھا۔ آپکی تصانیف قرآن وحدیث وتاریخی واقعات وکردار کی ہی ترجمان ہیں۔ آپ نے جذباتی بہاؤ کو اپنی قدر وقیمت پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ الفاظ کا انتخاب یا شوکت الفاظ کی چمک دمک کے ساتھ استعارہ، کنایہ اور تمثیلات وتشبیہات کی جلوہ گری بھی آپکی ادبی عظمتوں میں اضافہ کرتی ہے۔ زبان وبیان حالانکہ صاف اور سلیس ہے مگر عربی فارسی الفاظ کی آمیزش کا زور ایک نئی کیفیت و نئے طرز کا تعین کرتا ہے۔

مولانا نقی علی خاں ﷫ کا یہ احسان عظیم ہے کہ آپ نے اردو نثر کو معیاری بنا کر مختلف موضوعات پر کتب تصنیف کیں اور اردو زبان کو دوسری ترقی یافتہ زبانوں سے ہمسری کرنے کے لائق بنایا۔ آپ نے اسلامی علوم وفنون حدیث وفقہ کو اردو نثر میں منتقل کیا۔ آپ کے علمی وادبی کارناموں نے اردو زبان وادب کے دامن کو وسیع کیا مذہبی سرمائے میں گراں قدر اضافہ بھی کیا۔

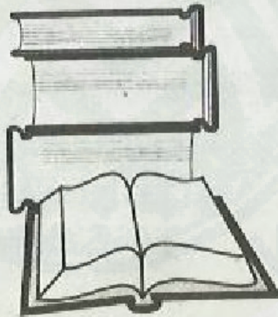
.......................☆☆☆☆☆.......................








ضمیمہ (کتابیات)



ضمیمہ (کتابیات)

نام مصنف / مولف	نام کتب	ناشر / مطبع
اعلیٰحضرت امام احمد رضا	الاجازت المتینہ	ادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی
اعلیٰحضرت امام احمد رضا	فتاویٰ رضویہ (حصہ اول، دوم، سوم)	رضا اکیڈمی بمبئی
اعلیٰحضرت امام احمد رضا	ازہار الانوار	بریلی
اعلیٰحضرت امام احمد رضا	الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام	مطبوعہ لاہور (پاکستان)
ابراہیم خوشتر	ذکرِ جمیل	سنی رضوی اکیڈمی، ماریشس
احتشام حسین (پروفیسر)	اردو ادب کی تنقیدی تاریخ	
الطاف حسین حالیؔ	یادگارِ غالبؔ	مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ
انیس فاطمہ	۱۸۵۷ء کے ہیرو	ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی
بدرالدین مفتی	سوانح اعلیٰ حضرت	قادری بکڈپو، بریلی
چندہ شاہ حسینی	شمس التواریخ	امجدی بکڈپو، ناگپور
حسن رضا خاں ڈاکٹر	فقیہِ اسلام	اسلامک پبلیکیشنز سینٹر، پٹنہ
حسنین رضا خاں (مولانا)	سیرت اعلیٰ حضرت	مکتبہ مشرق، بریلی
حافظ بخش آنولوی (مفتی)	تنبیہ الجہال	مطبع بہارستان کشمیر لکھنؤ
رام بابو سکسینہ	تاریخ ادب اردو	مطبع نولکشور، لکھنؤ
رجب علی بیگ سرورؔ	فسانۂ عجائب	یو۔پی۔ اردو اکیڈمی، لکھنؤ
رحمان علی	تذکرہ علمائے ہند	مطبع نولکشور، لکھنؤ
شمیم گوہر (ڈاکٹر)	نعت کے چند شعرائے متقدمین	مطبوعہ الٰہ آباد

ظفر الدین بہاری (مولانا)	حیات اعلیٰ حضرت	مکتبہ رضویہ، کراچی
عبد الوحید بیگ	حیات مفتی اعظم	ادارہ تحقیقات تصنیفات مفتی اعظم
عبد المجتبیٰ رضوی	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ	مشائخ قادریہ رضویہ اکیڈمی بنارس
عبد الحکیم اشرف	مشعل راہ	مطبوعہ کراچی پاکستان
عبد الحئی فرنگی محلی (مولوی)	مجموعۃ الفتاوٰی	مطبع یوسفی لکھنؤ
قاسم نانوتوی (مولوی)	تحذیر الناس	
گارساں دتاسی	گارساں دتاسی کے تمہیدی خطبے	انجمن ترقی اردو دہلی
مصطفےٰ رضا مفتی اعظم ہند	الملفوظ (حصہ اول و دوم)	قادری کتاب گھر بریلی
محمد مسعود احمد (ڈاکٹر)	عشق ہی عشق	المختار پبلی کیشنز کراچی
محمد مسعود احمد (ڈاکٹر)	حیات مولانا احمد رضا خاں	مطبوعہ سیالکوٹ پاکستان
محمد ایوب قادری (پروفیسر)	سوانح مولانا احسن نانوتوی	مکتبہ عثمانیہ کراچی پاکستان
محمد نذیر احمد سہوانی	مناظرہ احمدیہ	مطبع شعلہ طور کانپور
محمد حسن علمی	خطبات علمی	
مصطفےٰ علی (سید)	نواب خان بہادر خاں شہید	ایجوکیشنل کراچی
محمود احمد قادری	تذکرہ علمائے اہل سنت	سنی دار الاشاعت فیصل آباد
محمد اکبر اعوان	شاہ احمد رضا خاں بھڑیچ	المختار پبلی کیشن کراچی
ایم۔ ایم۔ جلالی	خرمن شعور	مطبوعہ بریلی
مفتی محمد خاں قادری	شرح سلام رضا	مکتبہ نظامی بھیونڈی
محمد حسین آزاد	آب حیات	
نذیر احمد ڈپٹی	مراۃ العروس	

نقی علی خاں (مولانا)	الکلام الاوضح فی تفسیر سورہ الم نشرح	ایوان عرفان بیسلپور
نقی علی خاں (مولانا)	جواہر البیان	صبح صادق سیتاپور
نقی علی خاں (مولانا)	سرور القلوب	فاروقیہ بکڈپو دہلی
نقی علی خاں (مولانا)	احسن الوعا	سنی باب الاشاعت کراچی
نقی علی خاں (مولانا)	اصول الرشاد	صبح صادق سیتاپور
نقی علی خاں (مولانا)	فضل العلم والعلما	مجلس اشاعت طلبا گوہنہ
نقی علی خاں (مولانا)	ہدایت البریہ	حسنی پریس بریلی
نذیر احمد سہوانی	مناظرہ احمدیہ	شعلہ طور کانپور
نجم الغنی خاں رامپوری	اخبار الصنادید	مطبع نولکشور لکھنؤ
یٰسین اختر مصباحی	امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں	المجمع الرضوی مبارکپور

رسائل ومیگزین:

- ماہنامہ سنی دنیا بریلی (مولانا نقی علی خاں نمبر) ماہ فروری مارچ 1994ء
- ماہنامہ قاری دہلی (امام احمد رضا نمبر) ماہ اپریل 1989ء
- ماہنامہ استقامت کانپور (مفتی اعظم نمبر) ماہ مئی 1983ء
- سہ ماہی ادیب علیگڑھ جنوری تا دسمبر 1986ء
- محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین علیگڑھ مئی 1898ء
- معارف رضا کراچی (پاکستان) شمارہ نہم
- ترجمان اہل سنت کراچی (پاکستان) جنگ آزادی نمبر ماہ جولائی 1975ء
- قلمی دستاویز نکاح صاحبزادی مولانا نقی علی خاں زیراکس کاپی مملوکہ راقم السطور

- فیصلہ منصف شہر مقدمہ ۱۹۴۴/۴۸ تقدس علی بنام مصطفےٰ رضا بریلی
- مقدمہ منصف شہر بریلی ۱۸۸۴/۳۱۱
- بیاض قلمی امام احمد رضا مخزونہ سید شاہ یحییٰ حسن خانقاہ مارہرہ شریف ضلع ایٹہ
- بیان احمد سیونی بن محمد سیونی بہ اجلاس مولوی عبد القیوم خاں سب جج بریلی مقدمہ ۱۸۸۳/۴۷
- مقدمہ تفریق کلکٹری ضلع بدایوں بہ اجلاس سر جارج لارنس منفصلہ ۲۰ جولائی ۱۸۶۲ء

